بسم اللہ الرحمن الرحیم
اظہار العیب
فی کتاب
اثبات علم الغیب
تالیف
شیخ الحدیث امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ
ناشر
مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

اظہار العیب

فی کتاب

اثبات علم الغیب

جس میں بتوفیق اللہ تعالیٰ غیر اللہ سے علم غیب کی نفی اور علم غیب کے صرف خاصۂ باری تعالیٰ ہونے کے مضبوط دلائل بیان کیے گئے ہیں اور غیر اللہ کے لیے اور علی الخصوص امام الانبیاء، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرنے والوں کے اصولی شبہات اور نام نہاد دلائل کا بفضلہٖ تعالیٰ خوب رد کیا گیا ہے اور ازالۃ الریب پر کیے گئے اعتراضات کی کائنات اور تانا بانا خوب اُجاگر کیا گیا ہے اور ان کے دندان شکن جوابات دیے گئے ہیں۔ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ

ابوالزاہد محمد سرفراز

طبع چہارم ....فروری ۲۰۱۰ء

۳

نام کتاب.......... اظہار العیب فی کتاب اثبات علم الغیب

مصنف..........امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ

کتابت..........محمد امان اللہ قادری

مطبع.......... مکی مدنی پرنٹرز لاہور

قیمت.......... ۱۶۵/- (ایک سو پینسٹھ روپے)

ناشر.......... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ الحسن اردو بازار لاہور
☆ دار الکتاب اردو بازار لاہور
☆ بک لینڈ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ سلطان عالمگیر اردو بازار لاہور
☆ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
☆ مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
☆ مکتبہ حقانیہ ملتان
☆ کتب خانہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان
☆ مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ مکتبہ فریدیہ اسلام آباد
☆ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
☆ ادارہ الانور بنوری ٹاؤن کراچی
☆ اقبال بک سنٹر جہانگیر پارک کراچی
☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
☆ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ اردو بازار گوجرانوالہ
☆ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
☆ ظفر اسلامی کتب خانہ جامع مسجد بوہڑ والی گکھڑ

فہرست مضامین اظہار العیب

ک

ق

تصدیق

حضرت العلام الحافظ مولانا عبدالدیان صاحب کلیم دام مجدہم

فاضل دارالعلوم دیوبند و پروفیسر پشاور یونیورسٹی!

باسمہٖ سبحانہٗ و تعالٰے ؛

محبی شیخ الحدیث حضرت مولانا ...... صاحب مدظلہ

وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ آپ کا ارسال کردہ تحفہ رجسٹرڈ پارسل ۲۷ مارچ ۱۹۸۶ء جمعرات کو موصول ہو کر خوشی ہوئی ۔ اسی وقت سے مطالعہ شروع کیا ۔ اب فارغ ہوا تو یہ عریضہ لکھ رہا ہوں ۔

محترم ! تدریس و تصنیف کیلئے علمی وسعت اور گہرائی کے ساتھ سلیقہ اور ذوق بھی ضروری ہے اور یہ فضلِ خداوندی کے بغیر ناممکن ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس نعمت سے وافر حصّہ عطا فرمایا ہے ۔ بعض حضرات خود ایک مسئلہ کو سمجھے ہوئے ہوتے ہیں لیکن دوسروں کو سمجھانے میں یا تو خود دقت محسوس کرتے ہیں ، تو عبارت میں ایک الجھاؤ سا پیدا ہو جاتا ہے یا قارئین کو مسئلہ سمجھنے میں انشراحِ صدر نہیں ہوتا ، مگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل و کرم ہے کہ ایک مشکل مضمون بھی عالمانہ انداز میں ایک منطقی ربط و تسلسل کے ساتھ شستہ زبان میں تحریر فرما دیتے ہیں ، تو متوسط استعداد کے قارئین کی زبان سے بھی جزاک اللہ بے اختیار نکل جاتا ہے ۔

بعض حالات میں "ستر العیب" اچھی بات ہے ۔ مگر جب دجل و فریب کے ذریعہ نصوص میں تحریف کر کے لوگوں کے عقائد بگاڑے جا رہے ہوں تو اس وقت عالم ربانی کے لیے "ساتر العیب" بن جانا جرم ہے اور "اظہار العیب" ضروری ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ "اثبات علم الغیب" کے مصنف نے آپ کو بھی "اظہار العیب" کے شائع کرنے پر مجبور کر دیا ہے ۔

کتاب "اظہار العیب فی کتاب اثبات علم الغیب" بہت عمدہ ، عالمانہ اور محققانہ تصنیف ہے جس میں اہلِ بدعت کے مزعومہ عقائد کا قرآن و حدیث سے بطلان واضح کر کے ان قرآنی آیات

کا صحیح محل مفسرین کے حوالہ سے ثابت کیا گیا ہے۔ اگرچہ ص۱۶ پر القول المقبول کا حوالہ واضح طور پر نہیں چھپا۔ تاہم خاص طور سے "پیش لفظ" بہت جاندار ہے۔ جب کہ سیاسی اور واقعاتی اعتبار سے "بیانِ حق" ایک تاریخی دستاویز ہے۔

• کہنے کو تو اہلِ بدعت کہدیتے ہیں "..... حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلویؒ یا حضرت مولانا بحر العلوم فرنگی محلی، پھر اعلیٰ حضرت کی زبان وقلم کا یہ حال دیکھا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے اور زبان وقلم نقطہ برابر خطا کرے۔ اس کو ناممکن فرمادیا۔ (احکام شریعت ص۱۲ بحوالہ الکلام المفید ص۱۲)

جس کا نقد جواب آپنے عبدالرحمٰن انفرادی کا واقعہ لکھ کر دے دیا ہے مگر میں یہاں ایک اور واقعہ لکھنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ جب اہلِ بدعت قبور کو دیکھ کر ترنگ میں آتے ہیں تو پھر سب بزرگوں (انبیاءؑ واولیاءؒ) کو چھوڑ کر ان کو "ایمانِ کامل" صرف اپنے اعلیٰ حضرت ہی کی بارگاہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کے عرس کے موقع پر کہا گیا: "اعلیٰ حضرت کے بغیر آپ ہر فن حاصل کرسکتے ہیں لیکن دولتِ عشقِ رسالت اور ایمانِ کامل بارگاہِ اعلیٰ حضرت ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔" (رضائے مصطفےٰ ص۷ گوجرانوالہ فروری ۱۹۸۱ء)

• مصنف توضیح البیان بھی قرآن میں ہر ہر چیز کا واضح بیان ہونا تسلیم نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ کثیر اشیاء کی حرمت یا حلت کا ذکر قرآن میں نہیں جیسا کہ لکھا ہے "یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے ورنہ ان بے شمار احادیث سے تعارض لازم آئے گا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر اشیاء کی حرمت یا حلت کو بیان فرمایا اور ان کا ذکر قرآن میں نہیں اور ان کی حرمت صرف حدیثِ رسولؐ سے ثابت ہے۔ اس معمہ کو خود ہی حل کریں کہ درندوں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے اب کیا چیز مانع ہے کیونکہ کتاب اللہ میں تو انکی حرمت کا کوئی ذکر نہیں۔" (توضیح البیان ص۳۰۲ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

(اسکے بعد حضرت العلام مولانا کلیم صاحب نے اظہار العیب میں چند اغلاط کی نشاندہی فرمائی جنکی اب اصلاح کرلی گئی ہے پھر آخر میں لکھتے ہیں) نوٹ: خطائے بزرگاں گرفتن خطا است کے مطابق مجھ جیسے طالب العلم کو کچھ لکھنا بھلا نہیں معلوم ہوتا مگر چونکہ آپنے کچھ لکھنے کیلئے اصرار فرمایا تھا اسلئے یہ لفظی چھیڑ چھاڑ کی گئی مگر اس سے اظہار العیب کی افادیت میں کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ آپنے مصنف اثبات علم الغیب کا دعویٰ قرآن وحدیث کے نصوص کابر علماء کے مستند حوالوں اور مضبوط عقلی ونقلی دلائل سے غلط ثابت کردیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے تاکہ عصرِ حاضر کے فتنوں کی سرکوبی فرماتے رہا کریں اور دینِ اسلام کی روشنی پھیلتی رہے۔ آمین یارب العلمین بحرمت سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ فقط والسلام

عبدالریان کلیم (پشاور یونیورسٹی۔ صوبہ سرحد) ۳/ اپریل ۱۹۸۶ء

حامداً ومصلیاً ومسلماً اما بعد، بحمداللہ تعالیٰ

راقم اثیم نے آج سے تقریباً پچیس سال قبل مسئلۂ علم غیب پر ایک مبسوط کتاب لکھی تھی جس کا نام ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب ہے۔ اور اس کا سبب تالیف انتساب میں باحوالہ مذکور ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم سے صدہا ٹھوس اور محکم حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اور عالم الغیب صرف وہی ہے۔ اور یہ صرف اسی کی صفت خاصہ ہے۔ ہاں اس نے وقتاً فوقتاً وحی کے ذریعہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انباء الغیب اور اخبار الغیب سے نوازا ہے۔ اور سب سے زیادہ غیب کی خبریں اس نے خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطاء کی ہیں۔ اور اس بات کو مبرہن کرنے کے لیے اس سلسلہ میں اکتالیس[۴۱] حوالے درج کیے گئے ہیں۔ اس کتاب سے بہت سے حضرات کے علمی شکوک و شبہات دور ہوئے اور ملک اور بیرون از ملک میں اس کا خوشگوار علمی اثر پڑا۔ اور کئی متذبذب اور متزلزل حضرات راہ راست پر آ گئے، اور اہل علم نے اس کتاب کے بارے اپنے عمدہ تأثرات کا اظہار کیا۔ اور اس مد میں بے شمار خطوط موصول ہوئے۔ اس کے برعکس ایک طبقہ اس کتاب کے دلائل و براہین سے بوکھلا اٹھا اور تقریروں اور تحریروں میں اپنی ناگواری کا اظہار کیا۔ اور یہ ایک فطری امر ہے۔

مناقبُ قومٍ عند قومٍ مثالبُ

(۲) کافی عرصہ سے یہ شنید تھی کہ ازالۃ الریب کا جواب لکھا جا رہا ہے۔ اور لکھنے والے رس محقق، مدقق اور جماعت کے شیخ الحدیث ہیں۔ اور دیگر متعدد علماء کرام کا انہیں علمی تعاون بھی حاصل ہے ہم منتظر تھے کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ بالآخر اثبات علم الغیب فی جواب ازالۃ الریب کے نام سے ان کی کتاب کی جلد اوّل ہمارے پاس پہنچی مگر یہ صرف ڈھول کی آواز تھی جو اندر سے خالی ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

ہم اس کے مؤلف کے بارے میں بڑی حسن ظنی اور خوش فہمی میں مبتلا تھے۔ کہ اُن کے محقق اور مدرس عالم ہیں کوئی تو کام کی بات لکھیں گے۔ لیکن کتاب کو دیکھ کر ہماری خوش فہمی بالکل کافور ہو گئی۔ کہ وہ صاحب تو دعوای اور دلیل کی مطابقت کے سمجھنے سے ہی عاری ہیں۔ اور واضح عبارات بلکہ بعض اُردو عبارات کے سمجھنے کا سلیقہ بھی انہیں حاصل نہیں ہے، جیسا کہ قارئین کرام اسی پیش نظر کتاب میں انشاء اللہ العزیز اس کا خوب مشاہدہ کریں گے۔

انہوں نے اسماء الرجال کے فن میں بھی ٹانگ اڑانے کی بے جا سعی کی ہے، مگر درحقیقت وہ اس کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اور علم غیب جیسے بنیادی عقیدہ کے اثبات کے لیے انہوں نے بالکل غیر متعلق اور غیر معصوم اقوال اور تحریرات پر اپنی کتاب کی بنیاد رکھی ہے اور کہیں دجل و تلبیس سے کام لیا ہے۔ ہاں تبختر و تعلی اور علمی ڈینگیں اس میں جابجا قارئین کرام کو ملیں گی اور انعامی چیلنج بازی بھی دکھائی دیگی۔ جس سے غالباً انہوں نے اپنے ضعیف الاعتقاد اور ناخواندہ حواریوں کا غم ہلکا کرنے اور اپنی علمی دھاک بٹھانے کی بے وجہ کاوش کی ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ العزیز، قارئین کرام اس کا حال بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

(۲) چونکہ مؤلف اثبات علم الغیب۔ ازالۃ الریب کی تردید کے درپے ہیں۔ اس لیے ان کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ ازالۃ الریب میں درج شدہ تمام دعاوی اور دلائل کو بقید حروف نقل کرتے یا کم از کم ان کا ماحصل نقل کرتے اور پھر ان کا جواب دیتے تاکہ پڑھنے والے ازالۃ الریب کے دعاوی اور دلائل اور ان کے جوابات کو ایک ساتھ دیکھ لیتے۔ اور دلائل کی صحت اور سُقم کے جاننے اور پرکھنے والے کسی نتیجہ پر پہنچتے۔ جب کہ محقق علماء کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اثبات و تردید کی کتابوں کو سامنے رکھ کر دونوں کے دعاوی اور براھین کا توازن اور تقابل کیا کرتے ہیں لیکن یقین جانیے کہ مؤلف مذکور نے اپنے عوام کے سامنے ازالۃ الریب کے ٹھوس دلائل آنے ہی نہیں دیے۔ بجز چند حوالوں کے۔ اور صرف ان کو ہی لے کر وہ اپنی رام کہانی سنانے کے درپے رہے ہیں۔ اور اس میں بھی ان کو کتنی کامیابی حاصل ہوئی ہے؟ اس کا انشاء اللہ العزیز قارئین کرام خود اندازہ لگائینگے۔ ہمیں ان پر اعتماد ہے۔ اس کا مطلب بغیر اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ مؤلف مذکور نے ازالۃ الریب

میں پیش کردہ جن دعاوی اور دلائل اور حوالوں کا ذکر نہیں کیا تو وہ ان کے جواب سے قطعاً قاصر اور سراسر عاجز ہیں۔ ورنہ ضرور وہ ان کو بیان کرتے کہ ان حوالوں کا ہمارے نزدیک مطلب اور محل یہ ہے مگر وہ ازالۃ الریب میں بیان کردہ بیشتر حوالوں کو ہضم کر گئے ہیں اور ڈکار تک نہیں لی جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا ہاضمہ بڑا قوی ہے۔

(۴) مؤلف مذکور ازالۃ الریب کے متعلق لکھتے ہیں۔

یہ کتاب اگرچہ اتنی اہم نہیں کہ اکابر اہلسنت اس کا جواب تحریر فرمانے کی طرف توجہ کرتے مگر عوام الناس اور کم صلاحیت رکھنے والے طلباء کو گمراہ کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لیے بندہ نے جواب دینے کی ٹھانی، ورنہ یہ کتاب درحقیقت اپنی تردید آپ ہے۔ اہل علم کے لیے تو اس کا جواب کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا۔ زیر نظر کتاب کے مطالعہ سے خود بخود آپ کو یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سرفراز صاحب نے اپنی اسی کتاب میں حضور علیہ السلام کے لیے علم غیب جزئی بلکہ ص۱۴۸ پر علوم کلیہ اور علوم عطائی کو بھی تسلیم کر لیا ہے۔ بلکہ ما کان وما یکون کا علم صراحۃً تسلیم کیا ہے۔ اور آپؐ کو خدا کے نور کے فیض سے مخلوق بھی تسلیم کر لیا ہے اور قضاء مبرم اور معلق کو اولیاء کرامؒ کے پیش نظر بھی مان لیا ہے۔ بلکہ اولیاء کرامؒ کے تصرف فی الکائنات اور تصرف فی الاکوان کو بھی مان چکے ہیں۔ اور بھی بہت سے ایسے امور کا اقرار کر چکے ہیں۔ (قارئین کرام مؤلف مذکور کے جواب کو ذہن میں رکھیں صفدر) جن کو دیگر کتابوں میں بلکہ خود ازالہ ہی میں خالص کفر و شرک قرار دے چکے ہیں۔ اھ بلفظہ (ص۹)

الجواب:۔ گذارش ہے کہ بحمد اللہ تعالیٰ ازالۃ الریب بڑی جاندار کتاب ہے اور اس کے قطعی اور صریح حوالے نام نہاد محقق تو کجا ان کی جماعت کے چوٹی کے علماء کی توجہ کے قابل تھے اور ہیں اور آثار العز یہ صدیوں تک توجہ کے مستحق رہیں گے۔ جنہوں نے ان کی جماعت کے اہل علم کو بڑا پریشان کر رکھا ہے۔ اغلباً یہ الفاظ لکھتے وقت ان کا اپنا ضمیر بھی ان کو ضرور ملامت کرتا ہو گا۔ بشرطیکہ ضمیر نامی کوئی چیز ان کو حاصل ہو۔ الغرض نہ تو ان کے ان بے جان الفاظ

سے ازالۃ الریب کی اہمیت کم ہوئی نہ ہوتی ہے اور نہ انشاء اللہ تعالےٰ ہوسکتی ہے۔ قارئین کرام اس کا از خود بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ عیاں راچہ بیاں

باقی ازالۃ الریب کے ص۱۴۸ کا حوالہ خود اس میں ملاحظہ فرمائیں کہ ہم نے کیا کہا ہے اور مؤلف مذکور اس اُردو کی عبارت سے کیا سمجھے ہیں؟ تُف اور حیرت ہے ایسی فہم پر نہ تو ہم نے علوم کلیہ تسلیم کیے ہیں اور نہ جملہ علوم عطائی یہ مؤلف مذکور کا زاد ہم ہے۔ اور ما کان وما یکون سے ہمارے نزدیک غیب کی وہ خبریں مراد ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اور تا قیامت آنے والے واقعات سے تعلق رکھتی ہیں ان کی علم غیب اور جمیع ما کان وما یکون سے کوئی نسبت نہیں۔ اوّل کے کے ہم قائل اور ثانی کے منکر ہیں۔ اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مؤلف مذکور جو خود فریب کا شکار ہیں۔ عوام کو دھوکہ دہی کے درپے ہیں مگر بے سود ؎

فریب اُمید کا کھانا پڑا ان کو محبت میں ۔۔۔ خبر کیا تھی کہ ساحل پر سفینہ ڈوب جائیگا

مگر انتہائی افسوس ہے کہ مؤلف مذکور کو ما کان وما یکون اور جمیع ما کان وما یکون کا واضح فرق بھی معلوم نہیں۔ ازالۃ الریب کے ص۲۰۲ میں ہے کہ تمام پیغمبروں کے سردار امام الانبیاء خاتم النبیین اور شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل نہ تھا۔ اور نہ آپ عالم الغیب تھے۔ الخ

قارئین کرام ہی مؤلف کی دیانت اور فہم کو ملاحظہ فرمائیں کہ ہم نے کیا کہا اور انہوں نے کیا سمجھا؟ ہم جمیع ما کان و علم غیب کے منکر ہیں اور انباء الغیب کے قائل ہیں۔ لیکن وہ کم فہمی کی وجہ سے ہماری عبارت میں ما کان وما یکون کے الفاظ دیکھ کر پھولے نہیں سماتے۔

رہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے نور کے فیض سے مخلوق تسلیم کرنا تو اس سلسلہ میں مؤلف مذکور خود کھلی جہالت کا شکار ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت جابرؓ سے مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے ایک مرفوع روایت پیش کی جاتی ہے۔ جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نورہ الخ محققین کا طبقہ اس حدیث مذکور ..... کو صحیح ہی تسلیم نہیں کرتا۔ اس کی بحث تنقید متین اور اتمام البرہان میں ملاحظہ کریں۔ بصورت تسلیم صحت اس کا مطلب ہمارے بزرگ یہ بیان کرتے ہیں اور ہم اس کی

تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ازالۃ الریب میں لکھا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے نور کے فیض اور سبب سے آپ کا نور بنا ہے۔ دیکھئے الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (ص۲۷۳) جو لوگ نور من نور اللہ کی رٹ بایں معنیٰ لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود کا مادہ قرار پائے تو یہ قطعاً باطل اور سراسر مردود ہے۔ تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔ (ملاحظہ ہو ازالۃ الریب ص۲۹۹)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) اس حدیث کا ترجمہ یوں تحریر فرماتے ہیں۔

کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (نہ بایں معنیٰ کہ نور الٰہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے۔ تھانویؒ) پیدا کیا۔ الخ

(نشر الطیب ص۵ طبع جید برقی پریس دہلی)

اس کے بعد نور محمدی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ظاہراً نور محمدی روح محمدی سے عبارت ہے (حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں

قول اول ما خلق اللہ نوری وفی روایۃ روحی ومعناھما واحد فان الارواح نورانیۃ الخ مرقات ص۱۳۷ ج۱ طبع ملتان۔ صفدر) اور حقیقت روح کی اکثر محققین کے قول پر مادہ سے مجرد ہے۔ اور مجرد کا ماديات کے لیے مادہ ہونا ممکن نہیں۔ پس ظاہراً اس نور کے فیض سے کوئی مادہ بنایا گیا ہے۔

(حاشیہ نشر الطیب ص۵)

اللہ تعالیٰ کے نور کے فیض سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخلوق ہونے میں ہمارا اور ہمارے اکابر کا کسی سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تو پھر تسلیم کر لینے کا کیا معنیٰ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور کو اپنے اکابر کا مسلک ہی معلوم نہیں جس کے ساتھ ہمیں اختلاف ہے،

بریلوی حضرات کے ماہنامہ رسالہ حنفی لاہور بابت ماہ اپریل ۱۹۶۴ء کے ابتدائی ٹائیٹل پر مختصر عقائد اہلسنت والجماعت کے عنوان سے چند عقائد درج ہیں۔ بعض یہ ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے ذاتی نور پاک سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور پر نور کو پیدا کیا۔ پھر اس نور سے تمام کائنات کا ظہور فرمایا الخ۔

۷۔ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جامۂ بشریت میں اللہ تعالیٰ کے لیے مثل نور ہیں الخ: بریلوی حضرات کے مولانا حاجی غلام محمد ہادی علی خان لکھنوی لکھتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کو ظاہر کرنا اپنا منظور ہوا اپنے نور سے ایک قبضہ (یعنی مٹھی ۔ صفدر) لیا اور فرمایا اس سے کُن محمداً ہو جا تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) محمد کے معنی ہیں بڑا ستودہ بہت تعریف کیا گیا الخ (نجم الہدیٰ فی ذکر سید الوریٰ ص۲۴ مطبع نامی لکھنؤ ۱۸۸۴ء)

اس عبارت میں صاف طور پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا مادہ اللہ تعالےٰ کا ذاتی نور قرار دیا گیا ہے جس پر اپنے نور سے ایک قبضہ لیا کے الفاظ صراحۃً دال ہیں۔ اور نیز وہ لکھتے ہیں۔

کیفیت ابتدائے خلقت میں مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ میں پہچانا جاؤں، پہچاننے جانا بے عارف کے نہیں ہوتا ہے اور اس وقت بجز اللہ اور کچھ نہ تھا۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ نے اپنے نور شریف سے ایک قبضہ لیا اور فرمایا اس کے خطاب میں کُن محمداً ہو جا تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پس وہ نور متعین ہوا اور اس کو اللہ تعالےٰ نے اپنی صفات کے حجابات میں سیر کرائی اور اپنی صفات کے دریا میں پھرایا تاکہ وہ نور پہچان لے ہم کو جو حق پہچاننے کا ہے پس ہو گیا وہ نور عارف کامل اللہ تعالیٰ کا اور جب پہچانا اس کو اس پر عاشق ہو گیا اور اس کی حمد و ثناء میں مشغول ہوا الخ (تکمیل الابصار فی ذکر النبی المختار ص۴۳ مطبع نامی لکھنؤ رجب المرجب ۱۳۰۲ھ)

یہ عبارت بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود مبارک کا مادہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نور بتلا رہی ہے جیسا کہ بالکل ظاہر ہے۔ ہم اس کو کفر و شرک کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نور آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے نور مخلوق کا مادہ ہو۔ جس کو بریلوی حضرات اپنے نام نہاد گروہ اہلسنت والجماعت کے عقائد سے تعبیر کرتے ہیں اور ہماری مراد کو نہیں سمجھتے۔ ؎

سمجھنے کو تو وہ سب داستانِ غم سمجھتے ہیں
جو مطلب کہنے والے کا ہے اس کو کم سمجھتے ہیں

قضاء مبرم اور معلق کے بارے میں مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ہم اسے اولیاء کرام کے پیش نظر مانتے ہیں نرا دجل اور خالص افتراء بہتان ہے۔ ہم تفصیل میں نہیں پڑھنا چاہتے۔ کیونکہ ازالۃ الریب میں

مفصل اور باحوالہ بحث موجود ہے۔ صرف اشارہ کیے دیتے ہیں۔ ہم نے ازالۃ میں مرقات کی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ پھر اس عبارت سے حاصل فوائد کا ذکر کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ غیب کے جو مبادی ہیں مثلاً تقدیر اور قیامت اور دیگر امورِ خمسہ وغیرہ۔ تو ان پر کسی بھی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کو اطلاع نہیں دی جاتی۔ ہاں جو اس کے لواحق ہیں ان پر اللہ تعالیٰ ان بعض نفوسِ پاک کو اطلاع دے دیتا ہے جن کی علم و عمل کی کیفیت اعلیٰ اور فیضانِ انوارِ الٰہیہ کی بنا پر روحانی ترقی بلند درجہ پر فائز ہوتی ہے۔ مگر وہ غیبِ مطلق نہیں بلکہ غیب اضافی ہے۔ جو صرف اجمالی طور پر بعض بعض جزئیات پر مشتمل ہوتا ہے۔ امورِ خمسہ کے کلیات اور اسی طرح بے شمار اشیاء یقیناً اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور لیا اوقات لوح محفوظ کا عکس ان کے قلوب پر پڑتا ہے اور وہ غیب پر مطلع بھی ہو جاتے ہیں۔ (ازالۃ الریب ص۱۵۰)

اور بحث کے اختتام پر ہم نے لکھا ہے کہ

حضرات اولیاء کرامؒ کا کشف و الہام حق ہے۔ وہ محل نزاع نہیں ہے۔ مگر وہ بھی ظنی ہونے کے علاوہ بعض بعض امور سے متعلق ہوتا ہے سب سے نہیں۔ بلفظہٖ (ص۱۵۴)

ایسی ظاہر اور اتنی صریح عبارت کے ہوتے ہوئے عوام الناس کو یہ دھوکہ دینا کہ ہم قضاء مبرم و معلق اور تقدیر کو اولیاء اللہ کے پیش نظر مانتے ہیں خالص جھوٹ اور نرا افتراء ہے۔

مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ہم حضرات اولیاء کرام کے لیے تصرف فی الکائنات اور تصرف فی الاکوان بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ یہ بھی ان کا خالص دجل اور تلبیس ہے۔ ہم نے ازالۃ الریب (ص۱۵۱ و ص۱۵۲) میں علامہ ابن خلدونؒ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ حضرات اولیاء کرامؒ سے کرامات کے ذریعہ تصرف فی الکائنات اور تصرف فی الاکوان صادر ہوتے ہیں۔ مگر کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔ اس میں ان کے کسب اور اختیار کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اور راہ ہدایت میں بفضلہٖ تعالیٰ باحوالہ مبسوط علمی بحث ہم نے کر دی ہے۔ اس کے پڑھنے سے مؤلف مذکور کی طبیعت بالکل صاف ہو جائے گی۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ انہیں کوئی مشکل نہیں

لینا پڑے گا۔

ضرورت کیا ہمیں تیغ و تبر کی ادا کافی ہے اِک ترچھی نظر کی

غرضیکہ جس چیز کو ہم کفر و شرک کہتے ہیں اس کا اثبات بفضلہٖ تعالیٰ ہماری کسی کتاب سے نہیں ہو سکتا۔ نہ ازالہ سے اور نہ کسی اور سے۔ یہ مؤلف مذکور کی جہالت اور کم فہمی کا کرشمہ ہے کہ وہ کچھ کا کچھ سمجھتے ہیں۔

قارئین کرام! آپ نے اس مختصری بحث سے اندازہ لگا لیا ہو گا۔ کہ مؤلف مذکور کی علمی قابلیت کیا ہے؟ اور یہ کہ ہم نے کیا کہا؟ اور انہوں نے کم فہمی سے کیا سمجھا؟ ہم تو بفضلہٖ ان کے اور اُن کی جماعت کے محرمِ راز ہیں مگر صد افسوس کہ ؎

ہم دُعا لکھتے رہے وہ دغا پڑھتے رہے ایک نقطہ نے ہمیں محرم سے مجرم کر دیا

مبلغ دس ہزار روپے کا خالص جاہلانہ چیلنج

مؤلف مذکور کا مبلغ علم اور دینی بصیرت جس کا تذکرہ یہاں ہی زیادہ مناسب ہے تاکہ قارئین کرام آغاز ہی سے انجام کا اندازہ لگا سکیں۔

مؤلف مذکور علم و بصیرت اور خرد سے محرومی اور اپنے اکابر کی تحقیق سے ناواقفی کی بنا پر اپنے ناخواندہ حواریوں کو خوش کرنے اور بلا وجہ علمی رُعب جمانے کے لیے درج ذیل چیلنج کرتے ہیں۔

قارئین کرام! سرفراز صاحب ازالہ کے ص ۲۸۹ پر مفسرین کرامؒ کے دعوائے نسخ پر اعتراض کرتے ہوئے یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ

"پنجم اگر فریق مخالف کا یہ جواب صحیح ہے کہ ۶ھ تک جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی نجات اور فلاح کا علم بھی نہ تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو ۶ھ تک علم غیب حاصل نہ تھا اور نہ جمیع ماکان و مایکون کے آپ عالم تھے۔"

دس ہزار روپے کا چیلنج

جواب :۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ سرفراز صاحب! فریق مخالف نے کہاں اور کب یہ کہا ہے کہ ۶ھ تک حضور علیہ السلام کو اپنی نجات اور فلاح کا علم بھی نہ تھا یہ سفید جھوٹ اور آپ کا دجل و فریب ہے پھر آپ کو چیلنج ہے کہ آپ اکابرین اہلسنت بریلوی کی کسی ایک کتاب

سے بعینہٖ منسوب کردہ الفاظ دکھا دیں تو بذریعۂ عدالت ایک ہزار نہیں بلکہ دس ہزار روپے نقد انعام حاصل کرنے کے حقدار ہیں اگر آپ نے ہمارے چیلنج کو قبول نہ کیا تو ہم اس کو آپ کی شکست پر محمول کریں گے۔ قارئین کرام! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ کیسا صریح جھوٹ بولا اور لکھا ہے۔ ہوئے جو جھوٹوں کے بادشاہ رہا یہ کہنا کہ۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو ۶ھ تک علم غیب حاصل نہ تھا الخ یعنی عدم علم غیب کو متفرع کیا گیا ہے۔ نجات کے عدم علم پر تو جناب آپ بتائیں کہ جب آپ نے عدم علم غیب کو عدم نجات پر متفرع کیا ہے تو آپ کے نزدیک تو عطاءِ نبوت کے دن سے ہی نجات کا علم حاصل ہے جیسا کہ پہلے ص۲۸۲ پر تسلیم کر چکے ہیں تو اب آپ علم نجات پر علم غیب کو متفرع کر کے تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر کرتے ہیں تو ہمارا مدعیٰ ثابت۔ نہیں کرتے تو وجہ فرق بتانا ہو گی ہمارے نزدیک نفی درایت کی ہے علم کی نہیں پھر ہم نے علم غیب کلی ماکان ومایکون کا حصول تدریجی مانا ہے اس لیے یہ دلیل ہمارے کسی طرح بھی خلاف نہیں ہے آہ بلفظہٖ (اثبات علم الغیب ص۲۴۶ ج۱، ص۲۴۷)

الجواب: ہم سر دست بذریعۂ عدالت رقم وصول کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں، انشاء اللہ العزیز اس کی نوبت بھی آجائے گی مگر مؤلف مذکور کو یہ خالص جاہلانہ چیلنج کرنے سے پہلے اس کے مالہٗ وماعلیہ کو خوب سوچ لینا چاہیئے تھا گو ان کو اپنی تحقیق اور منطق دانی پر بڑا غرور ہے اور اس کے نشے میں وہ چور چور ہیں لیکن بفضلہ تعالیٰ راقم اثیم کو بھی کتب بینی سے خاصا لگاؤ ہے اور بات سمجھنے کا سلیقہ بھی ہے ۔

ان کو غرور حسن ہے مجھ کو سرور عشق   وہ بھی نشے میں چور ہیں میں بھی پیئے ہوئے

قارئین کرام! مختصر جواب تو صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ہم نے یہ کہا کہ فریق مخالف کے نظریہ سے گویا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ۶ھ تک اپنی نجات اور فلاح کا علم نہ تھا اور یا قرار اکابر فریق مخالف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ۶ھ تک مغفرت اور بخشش کی درایت نہ تھی تو ہم نے ان پر کیا افتراء باندھا جس کی بناء پر انعامی چیلنج کا ہم پر طفلانہ رعب ڈالا جا رہا ہے۔

مؤلف مذکور کو شوق چیلنج میں ازالۃ الریب ص۲۸۹ کی مختصر عبارت تو نظر آگئی ہے مگر ص۲۷۸، ص۲۷۹ و ص۲۸۰ و ص۲۸۲ وغیرہ کی مفصل اور باحوالہ عبارتیں نظر نہیں آئیں اور کبوتر کی طرح ان سب سے آنکھیں بند کر گئے ہیں یا گیارھویں شریف کا مرغن اور لذیذ حلوہ سمجھ کر بالکل ہڑپ کر گئے ہیں۔

وہ حوالے اور تفصیل تو وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں یہاں ہمارے چند معروضات ملاحظہ فرمالیں۔

(۱) جب حضرت مولانا گنگوہیؒ وغیرہ اہل حق نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب

کی نفی پر حدیث واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم سے استدلال کیا تو فریق مخالف کے اعلحضرت نے اپنی افتاد طبع کے مطابق اس کا رد کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

طرّہ یہ کہ یہی گنگوہی بہادر خود ہی اسی صفحہ میں دو ہی سطر بعد اپنے مدعائے باطل کی سند میں لکھتے ہیں خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم۔ الحدیث اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ قطع نظر اس سے کہ حدیث اول خود آحاد ہے اسلیم الحواس کو سند لانی تھی تو وہ مضمون خود آیت میں تھا (قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ الآیۃ پ ۲۶۔ الاحقاف۔ رکوع ۱۔ صفدر) اور قطع نظر اس سے کہ آیت و حدیث کے کیا معنی ہیں؟ اور قطع نظر اس سے کہ یہ کس وقت کے ارشاد ہیں؟ اور قطع نظر اس سے کہ خود قرآن عظیم و احادیث صحیحہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں اس کا ناسخ موجود کہ جب آیت کریمہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ اتری یعنی تاکہ اللہ بخشدے تمہارے واسطے سے سب اگلے پچھلے گناہ صحابہؓ نے عرض کی هنيئا لك يا رسول الله لقد بين الله لك ماذا يفعل بك فماذا يفعل بنا یارسول اللہ۔ آپ کو مبارک ہو خدا کی قسم اللہ عزوجل نے یہ تو صاف بیان فرما دیا کہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا اب یہ رہا کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا اس پر آیت اتری لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ الی قولہ تعالیٰ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ تاکہ داخل کرے اللہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتیں ہمیشہ رہیں ان میں اور مٹادے ان سے ان کے گناہ اور یہ اللہ کے یہاں بڑی مراد پانا ہے یہ آیات اور ان کے امثال سے قطع نظر اور یہ حدیث جلیل شہیر السیوں کو کیوں سوجھائی دیتیں اھ بلفظہ (انباء المصطفےٰ ص ۵ و ص ۶ طبع دین محمدی پریس لاہور) خانصاحب کی اس مفصل عبارت سے بالکل واضح ہوگیا کہ آیت کریمہ وَمَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اور حدیث جلیل شہیر واللہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم منسوخ ہے اور اس کا ناسخ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پہلے آپؐ کو مغفرت اور بخشش کا علم نہ تھا۔ اب ہو گیا خانصاحب کی عبارت میں تاکہ بخشدے الخ کے الفاظ موجود ہیں۔ مولوی محمد عمر اچھروی لکھتے ہیں کہ

تمہارا اس آیت کو حجت کے واسطے پیش کرنا درست نہیں کیونکہ یہ آیت منسوخ ہے بلفظہٖ
(مقیاس حنفیت ص۲۹۵)

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں
کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتلانے سے پہلے کی ہے لہٰذا یہ منسوخ ہے بلفظہٖ
(جاء الحق ص۹۷)

اور نیز وہ لکھتے ہیں۔
پوری سورۃ فتح کراع غمیم میں نازل ہوئی جو مکہ مکرمہ سے دو منزل پر واقع ہے عسفان کے پاس اس کا نزول صلح حدیبیہ کے بعد حدیبیہ سے واپس ہوتے وقت ہوا حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے اس سورت کے نزول پر صحابہؓ نے حضور کو مبارکباد یاں پیش کیں الیٰ قولہٖ اور حضور چودہ۱۴ سو صحابہؓ کے ساتھ (بخاری ص۵۹۸ ج۲ میں چودہ سو کی تعداد بھی مذکور ہے اور پندرہ۱۵ سو کی بھی اور اصول حدیث کے لحاظ سے ثقہ کی زیادت کا اعتبار ہوتا ہے۔ صفدر) یکم ذیقعدہ ۶ھ مکہ کو روانہ ہوئے آہ بلفظہٖ
(نور العرفان ص۸۱۵)

اور فریق مخالف کے صدر الافاضل مراد آبادی صاحب لکھتے ہیں۔
شان نزول اِنَّا فَتَحْنَا حدیبیہ سے واپس ہوتے ہوئے حضور پر نازل ہوئی حضور کو اس کے نازل ہونے سے بہت خوشی ہوئی اور صحابہؓ نے حضور کو مبارکبادیں دیں (بخاری و مسلم و ترمذی یہ روایت ترمذی ص۱۵۹ ج۲ میں حضرت انسؓ سے ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔ فقالوا هنيئًا مريئًا رسول الله لقد بين لك الله ماذا يفعل بك فما ذا يفعل بنا فنزلت عليه ليدخل الْمُؤْمِنِيْنَ الحديث وقال حسن صحيح۔ صفدر) حدیبیہ ایک کنواں ہے مکہ مکرمہ کے نزدیک مختصر واقعہ یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ حضور مع اپنے اصحاب کے امن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے کوئی حلق کئے ہوئے کوئی قصر کئے ہوئے اور کعبہ معظمہ میں داخل ہوئے

کعبہ کی کنجی لی طواف فرمایا اصحاب کو اس خواب کی خبر دی سب خوش ہوئے پھر حضور نے عمرہ کا قصد فرمایا اور ایک ہزار چار سو اصحاب کے ساتھ یکم ذی القعدہ ۶ھ ہجری کو روانہ ہو گئے ذو الحلیفہ میں پہنچکر وہاں مسجد میں دو رکعتیں پڑھ کر عمرہ کا احرام باندھا الخ

(خزائن العرفان ص ۴۲۹)

ان حوالوں سے روز روشن کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الآیۃ میں مغفرت اور بخشش کا مضمون ۶ھ میں نازل ہوا اور یہ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ کا بقول خانصاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کے ناسخ ہے۔

اور خود مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ۔ باقی رہا یہ کہنا کہ جملہ لا ادری صورت میں بھی خبر ہے اور معنی میں بھی خبر ہے اور یہ خالص خبر ہے تو ہماری گذارش یہ ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو خالص خبر یا متضمن حکم یا وعید وغیرہ جلیل القدر مفسرین کرام متقدمین و متاخرین نے اس کو منسوخ قرار دیا ہے۔ الخ

(اثبات علم الغیب ص ۴۲۳)

ان صریح حوالوں اور عبارات کی موجودگی میں مؤلف مذکور کا یہ چیلنج کہ

سرفراز صاحب! فریق مخالف نے کہاں اور کب یہ کہا ہے کہ ۶ھ تک حضور علیہ السلام کو اپنی نجات اور فلاح کا علم بھی نہ تھا یہ سفید جھوٹ اور آپ کا دجل ہے میرا آپ کو چیلنج ہے کہ آپ اکابرین اہلسنت بریلوی کی کسی ایک کتاب سے بعینہٖ منسوب کردہ الفاظ دکھا دیں تو بذریعہ عدالت ایک ہزار نہیں بلکہ دس ہزار روپے نقد انعام حاصل کرنے کے حقدار ہیں اگر آپ نے ہمارے چیلنج کو قبول نہ کیا تو ہم آپ اس کو آپ کی شکست پر محمول کریں گے اھ

اب سوال یہ ہے کہ کیا آپ کے اعلیٰحضرت امام اور مجدد۔ مولوی محمد عمر صاحب، جناب مراد آبادی صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب بریلوی ہیں یا غیر بریلوی؟ اور کیا یہ آپ کے اکابر میں سے ہیں یا نہیں؟ اور کیا یہ سب یہ نہیں کہتے کہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الآیۃ ۶ھ میں نازل ہوئی؟ اور کیا یہ نہیں کہتے کہ یہ آیت وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ کی ناسخ ہے؟ اور کیا مغفرت اور بخشش نجات اور فلاح کے سوا کوئی اور شئے ہے؟ لغت کی مشہور کتاب فیروز اللغات ص ۶۴۴ میں ہے۔ مغفرت بخشش، نجات۔ اور ص ۶۷۸ میں ہے نجات، رہائی

گناہ معاف کرنا۔ اور ص۵۵ میں ہے فلاح بھلائی، نیکی، نجات، سلامتی۔ نہ معلوم یہ جاہلانہ چیلنج کرنیکی آپکو کیسے جرأت ہوئی؟ اور یہ تحریر کرنیکی آپ کو کیسے جسارت ہوئی کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اخروی نجات کے عدم علم کا قول ہمارے اور ہمارے اکابر کیطرف منسوب کرنا جھوٹ اور نرا الزام ہے اور اسکی بنیاد پر ہم انعامی چیلنج بھی دے چکے ہیں بلفظہٖ (اثبات علم الغیب ص۲۴۷)

اب قارئین کرام ہی یہ انصاف فرمائیں کہ مغفرت اور بخشش، اخروی نجات اور فلاح کے علاوہ اور کیا چیز ہے؟ مغفرت کا لفظ قرآن کریم میں ہے اور اس کا ترجمہ بخشش کے انکے اعلیٰ حضرت کے کلام میں موجود ہے اور ناسخ و منسوخ اور ۶ھ میں صراحۃً اسکا نزول انکے اکابر کی عبارات میں موجود ہے اور ہمارا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اگر فریق مخالف کا یہ جواب صحیح ہے کہ ۶ھ تک جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی نجات اور فلاح کا بھی علم نہ تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو ۶ھ تک علم غیب حاصل نہ تھا اور جمیع ما کان وما یکون کے آپؐ عالم تھے اھ

مزید سنیئے مؤلف مذکور حاشیہ بخاری ص۲۵۸ ج۱ حاشیۃ السندیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

ثم قالوا هذا كان قبل نزول قوله تعالىٰ ليغفر لك اللّٰهُ ما تقدم الآية وكان اوّلاً لايدري لان الله تعالىٰ لم يعلمهٗ ثم درى بعد ان اعلمه الله تعالىٰ وهذا معنىٰ ما قيل انه منسوخ (اثبات علم الغیب جلد اول ص۲۴۰)

یعنی مفسرین کرامؒ نے کہا کہ یہ قول وَلَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ آیۃ سورۃ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ کے نزول سے پہلے کا ہے جب تک باری تعالیٰ نے آپؐ کو علم نہیں دیا تھا تو آپؐ نہیں جانتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے علم دیدیا تو جان گئے اور منسوخ ہونیکا مطلب بھی یہی ہے (اثبات علم الغیب ص۲۴۱ یہ ترجمہ مؤلف مذکور ہی کا ہے)

اس حوالہ سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ مؤلف مذکور کے نزدیک بھی مغفرت اور بخشش کے علم سے ارشاد واللّٰہ لا ادری ما یفعل بی ولا بکم منسوخ ہو گیا اور دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ گو علم و درایت میں اپنی جگہ پر فرق ہے لیکن یہاں علم و درایت دونوں ایک معنیٰ میں ہیں اگر ایسا نہ ہو تو فنی اور علمی اصطلاح میں نسخ کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ جب منسوخ اور چیز ہو اور ناسخ اور چیز ہو تو نسخ کیسی؟ مؤلف مذکور کا یہ کہنا۔ کہ اس آیت میں علم کی نفی نہیں بلکہ درایت کی نفی ہے جو ہمارا مدعیٰ نہیں ہے (اثبات علم الغیب ص۲۴۳) بالکل باطل بے سود اور خالص دفع الوقتی ہے جس سے ان کو قطعاً کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اس مقام پر اگر علم و درایت میں فرق ہے تو علمی اور فنی طور پر نسخ کے مفہوم کو یہاں فٹ کر کے بتائیں تاکہ ہمیں بھی یہ معلوم ہو جائے کہ وہ علم نافع و صحیح اور منطق دانی سے بہرہ ور ہیں ۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دِل میں ہے　　دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

اور تیسریؔ بات یہ ثابت ہوئی کہ مؤلف مذکور نے اثبات علم الغیب ص۴۲۲ و ص۴۲۳ میں علم و درایت کا جو فرق مرقات منظہری۔ تاج العروس اور مدارک وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ درایت وہ علم ہے جو کسی تدبیر اور حیلہ سے حاصل ہو اسی لیے اس کا اطلاق ذات باری پر نہیں ہوتا اور نیز منظہری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یعنی علم اللہ تعالےٰ کے لیے ثابت ہے اور درایت بندہ کے لیے ہے کیونکہ درایت میں حیلہ اور تدبیر سے حاصل ہونے کا معنیٰ ہے جو فرق بتاتا ہے اور مرقات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ درایت کسی حیلہ اور تدبیر سے کسی چیز کے علم حاصل کرنے کا نام ہے (محصلہ) یہ سب فضول بھرتی ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ اس مقام پر باقرار مؤلف مذکور اور ان کے اکابر کے علم و درایت ایک ہی معنیٰ میں ہے لہٰذا اس مقام پر فرق بالکل بیکار ہے وثانیاً یہاں باری تعالےٰ کے علم کی بحث نہیں ہو رہی تاکہ علم و درایت کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے بلکہ یہاں صرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم و درایت کی بات ہو رہی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مغفرت کا علم نہیں دیا تھا آپؐ کو حاصل نہ تھا جب دے دیا حاصل ہو گیا عدم علم منسوخ ہو گیا اور علم اُس کا ناسخ ہو گیا ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نسخ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا و ثالثاً حضرات مفسرین کرامؒ۔ مؤلف مذکور کے اکابر بلکہ خود مؤلف مذکور بھی یہاں نسخ کے قائل ہیں کما مرّ اگر اس مقام پر علم و درایت الگ الگ اشیاء ہیں تو نسخ کا کیا مطلب ہے؟

سوچ یہ بات میں کتنا رہا تیرے قریب　　تو مگر مجھ کو وفاؤں کا یقیں دے نہ سکا

یہ یاد رہے کہ اگرچہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا علم من جانب اللہ تعالےٰ وہبی ہوتا ہے لیکن بایں معنیٰ کہ ان کو براہ راست اللہ تعالیٰ کے کلام یا حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی کی طرف استماع۔ اصغاء اور توجہ تام کرنے سے حاصل ہوتا ہے ؎

فریق مخالف کے محقق مولانا حافظ محمد امین صاحب اندرابی لکھتے ہیں انبیاء علیہم السلام کا علم حادث اور کسبی ہے۔ کیا اس تصریح کے بعد بھی بعض ناعاقبت اندیش لوگ اس بات کی جرأت کریں گے کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب کہنے سے شرک لازم آتا ہے میں پھر کہوں گا کہ ہرگز نہیں بلفظہٖ (القول المقبول فی علم غیب الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ص۹ نولکشور گیس پرنٹنگ لاہور) اس عبارت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علم پر صراحۃً کسبی کا لفظ اطلاق ہوا ہے اس لحاظ سے

اس پر لان الدرایۃ اکتساب علم الشیئ بحیلۃ کا اطلاق درست ہے۔ کہ درایت کا معنی کسی چیز کا علم حیلہ اور تدبیر سے حاصل کرنا ہے اور لغوی لحاظ سے یہاں اس کا تحقق ہی عیاں ہے۔

مؤلف مذکور کا جاہلانہ نتیجہ: مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ جب آپ نے عدم علم غیب کو عدم نجات پر تفریع کیا ہے الخ مگر یہ ان کا خالص جاہلانہ نظریہ ہے۔ اولاً اس لیے کہ ہم نے عدم علم غیب کو عدم نجات پر تفریع نہیں کیا بلکہ آپ لوگوں کے نظریہ کے مطابق عدم علم غیب کو عدم علم نجات پر متفرع کیا ہے کہ بقول آپ کے آپ کا نظریہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے بارے یہ ہے۔ جمیع ماکان ومایکون از ابتدائے آفرینش تا دخول جنت ونار الخ (اثبات علم الغیب ص۳۰) اور یہ کہ۔ علم غیب کلی ماکان ومایکون الخ ص۲۴۷) تو ہم نے یہ کہا ہے کہ اگر کسی ایک جزئی کے علم کی نفی ثابت ہو جائے تو آپ کی خود ساختہ کلی ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہے اور آپ کے اکابر کے صریح بیان اور آپ کے خود اپنے اقرار سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ۶ھ تک (یعنی تقریباً نبوت کے انیس ۱۹ سال تک) اپنی مغفرت اور نجات کا علم نہ تھا جیسا کہ حضرات مفسرین کرام کے بیان سے عیاں ہے یا حضرات صحابہ کرام اور امت کی نجات کا علم نہ تھا جیسا کہ خانصاحب کے ترجمہ سے ہویدا ہے کچھ بھی ہو مغفرت، بخشش اور نجات کا علم ۶ھ تک آپ کو حاصل نہ تھا۔ لہٰذا ۶ھ سے قبل کی آیات سے آپ حضرات کا استدلال اثبات علم غیب پر قطعاً باطل اور سراسر مردود ہے اور ہمارا دعویٰ بلاشبہ ثابت ہے لاریب فیہ۔

وثانیاً اس لیے کہ علم نجات پر ہمارے نزدیک علم غیب متفرع نہیں کیونکہ نجات کے علم کے حاصل ہونے سے جو کلی کا ایک فرد اور جزئی ہے جمیع ماکان ومایکون اور علم غیب کلی تو حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے جیسا کہ کسی بھی عقلمند پر یہ مخفی نہیں کہ ایک یا معدودے چند اشیاء کے حاصل ہونے سے علم غیب کلی یا جمیع ماکان ومایکون کا علم تو حاصل اور ثابت نہیں ہوتا جو آپ لوگوں کا سراسر باطل نظریہ ہے اور محض عوام کالانعام کو دھوکہ دینے کے لیے ایک فریب ہے۔

فریب دے کے لیا دل تو کیا کیا تم نے بتائیں ہم تمہیں آتا نہیں اگر لیتا

مؤلف مذکور کا یہ بیان کہ۔ پھر ہم نے علم غیب کلی ماکان ومایکون کا حصول تدریجی مانا ہے اس لیے یہ دلیل ہمارے کسی طرح بھی خلاف نہیں ہے بلفظہٖ (ص۲۴۷) نیز دفع الوقتی اور

عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے مترادف ہے۔ ہم پہلے عرض کر چکے کہ قرآن کریم کی آخری سورۃ التوبۃ کی آیت کریمہ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی ثابت ہے اس کے بعد اس آیت کریمہ یا خبر متواتر کا حوالہ درکار ہے جو آپؐ کے لیے ان منافقین کا علم ثابت کرے بات بالکل واضح ہے۔

ظاہر کی آنکھ سے تماشا کرے کوئی　　ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

قارئین کرام! یہ فیصلہ آپ کے انصاف و دیانت پر ہے کہ سابق بحث اور حوالوں سے باقرار فریق مخالف اور خود باقرار مؤلف کیا یہ ثابت نہیں کہ سنہ ۶ھ تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی مغفرت، بخشش، نجات اور اُخروی فلاح کا علم نہ تھا تو اس سن تک آپؐ کے لیے علم غیب کیسے اور کیونکر ثابت ہوا؟ اب فرمائیں کہ سفید جھوٹ اور دجل و فریب سے کس نے کام لیا اور دلیل کے لحاظ سے شکست کس نے کھائی؟ اور جھوٹوں کا بادشاہ کون ہے؟ اور لعنۃ اللہ علی الکاذبین کا اصل مصداق کون ہے؟ مؤلف مذکور نے کتنی بڑی ڈھینگ ماری ہے ان کے لیے مناسب ہے کہ شرمندگی اور ندامت کے آنسوؤں میں ڈوب کر مر جائیں کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے　　کہ دانہ خاک میں مل کر گلِ گلزار ہوتا ہے

فائدہ: خان صاحب نے یہاں لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الآیۃ کا یہ معنیٰ کیا ہے۔ تاکہ اللہ بخشدے تمہارے واسطے سے سب اگلے پچھلے گناہ۔ اور کنز الایمان ص ۷۲۹ میں یہ معنیٰ کرتے ہیں۔ تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔ مگر یہ معنیٰ سیاق و سباق اور دیگر دلائل کے خلاف ہے کیونکہ قرآن کریم کی نص قطعی میں تو یہ الفاظ ہیں وَمَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اور صحیح حدیث میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں واللہ ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی۔ بخاری ص ۱۶۱ ج ۱ وص ۱۰۳۷ ج ۲) جس سے صاف طور پر عیاں ہے کہ ان الفاظ میں معاملہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے متعلق ہے حضرات صحابہؓ اور امت سے نہیں کیونکہ ان کا معاملہ تو اگلے جملہ وَلَا بِكُمْ میں بیان ہوا ہے اور خانصاحب نے

جو حدیث نقل کی ہے اور اس کا ترجمہ یہ نقل کیا ہے کہ۔ صاف بیان فرمادیا کہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا،
اب یہ رہا ہمارے ساتھ کیا کرے گا؟ الخ اس سے بھی صاف طور پر معلوم ہوا کہ پہلا جملہ صرف آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے متعلق ہے یہ سب کچھ ہوتے ہوئے خان صاحب کا لِيَغْفِرَ لَكَ
اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ کا یہ معنی کرنا تاکہ اللہ بخشدے تمہارے واسطے سے
سب اگلے پچھلے گناہ۔ یا یہ کہ۔ تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے
پچھلوں کے۔ یقیناً غلط بلکہ معنوی تحریف ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مغفرت کا تعلق
حضرات صحابہ کرامؓ (اور امت سے ہے) اور ان کی یہ مغفرت آپؐ کے واسطے سے ہوئی یعنی
مغفرت کا تعلق آپؐ کی ذات سے نہیں بلکہ آپؐ کے واسطے سے دوسروں کی مغفرت
ہوئی (آپکی اتباع اور شفاعت سے دوسروں کی مغفرت محل نزاع نہیں) اور اس معنی میں چند خرابیاں ہیں۔ اوّل یہ کہ جب آپکے واسطے سے
حضرات صحابہ کرامؓ (اور امت) کی مغفرت لِيَغْفِرَ لَكَ الآیۃ سے ہوگئی تو حضرات صحابہ کرامؓ نے اہل لسان
ہو کر اس سے یہ کیوں سمجھا کہ یہ تو آپؐ کے لیے ہے ہمارے لیے کیا ہے؟ دوم یہ کہ حضرات
صحابہ کرامؓ نے آپؐ کو مبارک کیوں دی هنيئاً لك يارسول الله لقد بين اللّٰهُ لك
ماذا يفعل بك الخ اس سے صاف عیاں ہے کہ یہ جملہ آپؐ ہی کی ذات سے متعلق
ہے نہ کہ دوسروں سے۔ سوم یہ کہ جب اس جملہ سے حضرات صحابہ کرامؓ (اور امت) کی مغفرت
ثابت ہے تو پھر آگے لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ الآیۃ کے اترنے کی کیا ضرورت تھی؟
کیونکہ ان کی مغفرت تو لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الآیۃ میں پہلے ہی آگئی تو پھر تحصیل حاصل سے کیا فائدہ ہے؟
چہارم یہ کہ اگر لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ لَكَ کا تعلق حضرات صحابہ کرامؓ (اور امت) سے ہے تو پھر یہ وَمَا
أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي کا ناسخ کیسے ہوا؟ کیونکہ پہلے جملہ کا تعلق تو آپؐ کی ذات سے ہے
اور اگلے جملہ کا تعلق حضرات صحابہ کرامؓ (اور امت) سے ہے تو موضوع و محل تو ایک نہ رہا
پھر ناسخ اور منسوخ ہونے کا کیا سوال؟ چونکہ بقول خانصاحب مغفرت اور بخشش کا مضمون
ناسخ ہے وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي کا منسوخ ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ پہلے آپؐ
کو اپنی مغفرت اور بخشش کا علم نہ تھا مگر اب ہوگیا تو ہمارا دعویٰ ثابت ہوگیا کہ بقول خانصاحب
کہ آپؐ کو سنہ ۶ھ تک مغفرت اور بخشش کا علم نہ تھا۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) اور مغفرت و بخشش

ہی اُخروی نجات و فلاح ہے، اس کے علاوہ اصولاً مغفرت اور کیا شئے ہے؟ اور اگر خانصاحب کے محرّف ترجمہ کو بھی ملحوظ رکھا جاتے تب بھی ہمارا دعوٰی ثابت ہے وہ یوں کہ آپؐ کو بقول خانصاحب کے ۶ھ تک حضرات صحابہ کرامؓ (اور امت) کی مغفرت کا علم نہ تھا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الآیۃ کے نزول سے علم ہوا جس سے بالکل واضح ہے کہ پہلے علم نہ تھا اور ۶ھ میں علم ہوگیا۔ اگرچہ بعض حضرات مفسرینِ کرامؒ سے بھی یہ تفسیر منقول ہے کہ وَمَا أَدْرِي الآ کا مضمون منسوخ اور لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الآیۃ کا مضمون اس کا ناسخ ہے مگر اُن پر اعتراض وارد نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے جمیع ما کان وما یکون اور تمام کائنات کا علم اور بالفاظ دیگر اس معنیٰ میں کلی غیب کہ ابتداء آفرینش سے تا دخول جنت و نار کا علم آپؐ کے لیے ثابت ہو تسلیم نہیں کرتے بخلاف خانصاحب اور ان کے اتباع کے کہ وہ ایک طرف تو ۶ھ سے قبل آپؐ کے لیے علمِ غیب ثابت کرتے ہیں، کہ وہ علمِ غیب کے لیے ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جو سورۃ الفتح سے پہلے نازل ہوئیں اور خصوصاً مکہ مکرمہ میں خانصاحب کی کتاب خالص الاعتقاد" کا حوالہ اسی پیشِ نظر کتاب میں مذکور ہے اور اُن کے اتباع کی کتابیں تو ایسے حوالوں سے پُر ہیں۔ اور دوسری طرف اس کو منسوخ قرار دیتے ہیں تو اس لیے وہ اعتراض کی زد میں ہیں جیسا کہ کسی بھی عاقل پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی۔ یہ جدا بات ہے کہ وہ اپنا غلط نظریہ نہ بدلیں مگر ہم اپنی صحیح وضع کو کیوں ترک کریں ؎

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں؟ سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

باب اوّل

اس باب میں ہم مؤلف مذکور کے دعویٰ اور اس کے لیے بزعم اُو قرآن کریم سے پیش کردہ دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں

علم غیب سے متعلق ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضور علیہ السلام کو جمیع ماکان و ما یکون از ابتدائے آفرینش تا دخولِ جنت و نار بلکہ اس سے بھی کچھ زائد جنت و نار میں داخل ہونے کے حالات و واقعات کا بالتدریج و بواسطۂ قرآن کریم علم عطا فرمایا ہے اور اس کی تکمیل نزولِ قرآن کی تکمیل کے ساتھ ہوئی ہے اور حضور علیہ السلام کا علم پاک مندرجاتِ لوحِ محفوظ و جمیع جزئیات خمسہ کو بھی شامل ہے۔ اور بایں ہمہ عطا ہونے کی وجہ سے حادث ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی و قدیم غیر متناہی ہے

دلائل:

دلیل ۱: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (پ ۱۴۔ سورۂ نحل۔ رکوع ۱۱)

ترجمہ:۔ اور ہم نے اُتاری ہے آپ پر ایسی کتاب جو ہر شئی کا واضح بیان ہے۔

اس کے بعد مؤلف مذکور نے مرقات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ آیت اپنے عموم پر ہے اس کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ لفظ کل جب نکرہ کی طرف مضاف ہو تو مفید استغراق ہوتا ہے پھر نور الانوار۔ اصول سرخسی اور توضیح تلویح کے حوالہ سے لکھا ہے کہ لفظ کل احاطہ علی سبیل الافراد کے لیے ہے۔ پھر آگے تلویح کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک حکمِ عام اپنے تمام افراد کو قطعی اور یقینی طور پر شامل ہوتا ہے۔ پھر توضیح، قمر الاقمار اور حاشیۂ اصول الشاشی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ احتجاج بالعمومات حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہم سے ثابت ہے۔

پھر حامی۔ نور الانوار، مسلم الثبوت اور علامہ بحر العلوم رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عموم عام خاص

کی طرح قطعی ہے۔ اور لفظ کل بھی عام ہے اور قطعی ہے۔ ہاں اگر دلیل مخصص پائی جائے۔ تو پھر خصوص جو مجاز ہے لیا جائے گا۔ قرینہ صارفہ کے بغیر عموم کو ترک کرنا جائز نہ ہوگا۔ البتہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک عام قطعی نہیں ظنی ہے۔ جس کو حنفی نہیں اپنا سکتا۔ اور استغراق سے مراد ہماری حقیقی نہیں بلکہ عرفی ہے۔ ثابت ہوا کہ قرآن کریم ہر شئے کا واضح بیان ہے یعنی قرآن میں ہر چیز کا علم ہے اس کے بعد انہوں نے قیاس اقترانی بنا کر اپنے منطقی ہونے کا یوں ثبوت دیا ہے کہ صغریٰ یہ ہے کل شئیٍ فی القرآن، اور کبریٰ یہ ہے۔ وکل القرآن فی صدرہ علیہ السلام۔ اور نتیجہ یہ نکالا ہے فکل شئیٍ فی صدرہ۔ پھر آخر میں کہا۔ اس لیے ہمارا مدعیٰ ثابت ہے۔

(محصلہ اثبات علم الغیب ص۳۰ و ص۳۱ و ص۳۲ و ص۳۳)

الجواب: مؤلف مذکور کی یہ دلیل اور آگے بیان کردہ دلیلیں ان کے اعلحضرت کی بیان کردہ ہیں چنانچہ ان کے اعلحضرت لکھتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ٥ اتاری ہم نے تم پر کتاب جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت و رحمت و بشارت وقال اللہ تعالےٰ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ قرآن وہ بات نہیں جو بنائی جائے بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر شئی کا صاف جدا جدا بیان وقال اللہ تعالیٰ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی اقول وباللہ التوفیق جب فرقان مجید ہر شیٔ کا بیان ہے اور بیان بھی کیسا روشن اور روشن بھی کس درجے کا مفصل اور اہلسنت کے مذہب میں شئے ہر موجود کو کہتے ہیں تو عرش تا فرش تمام کائنات جملہ موجودات اس بیان کے احاطے میں داخل ہوئے اور منجملہ موجودات کتابت لوح محفوظ بھی ہے تو بالضرور یہ بیانات محیط اس کے مکتوبات کو بھی بالتفصیل شامل ہوئے اب یہ بھی قرآن عظیم ہی سے پوچھ دیکھیے کہ لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے قال اللہ تعالیٰ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ہر چھوٹی بڑی چیز سب لکھی ہوئی ہے وقال اللہ تعالیٰ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ٥ ہر شئے ہم نے روشن پیشوا میں جمع فرمادی ہے وقال اللہ تعالیٰ وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ

کِتَابٍ مُّبِیْنٍ ۰ کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہوا ہے اور اصول میں مبرہن ہو چکا کہ نکرہ حیز نفی میں مفید عموم ہے اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا اور عام افادۂ استغراق میں قطعی ہے اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گے بے دلیل شرعی تخصیص و تاویل کی اجازت نہیں ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے نہ حدیث آحاد اگرچہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو عموم قرآن کی تخصیص کر سکے بلکہ اس کے حضور مضمحل ہو جائے بلکہ تخصیص متراخی نسخ ہے اور اخبار کا نسخ ناممکن اور تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی نہ اس کے اعتماد پر کسی ظنی سے تخصیص ہو سکے تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسے نص صریح سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کو اللہ تعالیٰ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ماکان ومایکون الیٰ یوم القیمۃ جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا اور شرق وغرب وسماء وارض وعرش وفرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا وللہ الحجۃ السامیۃ اور جب کہ یہ علم قرآن عظیم کے تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہونے نے دیا اور پر ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے نہ ہر آیت یا سورت کا تو نزول جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہو لَمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ یا منافقین کے باب میں فرمایا جائے لَا تَعْلَمُهُمْ ہرگز ان آیات کے منافی اور احاطۂ علم مصطفوی کا نافی نہیں الحمد للہ طائفہ تا لفہ وہابیہ جس قدر قصص و روایات و اخبار و حکایات علم عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھٹانے کو آیات قطعیہ قرآنیہ کے مقابل پیش کرتا ہے سب کا جواب وہن دوز وفتن سوز انہیں دو فقروں میں ہو گیا دو حال سے خالی نہیں یا تو ان سے قصص تاریخ معلوم ہو گی یا نہیں اگر نہیں تو ان سے استناد جہل مبین کہ جب تاریخ مجہول تو ان کا تمامی نزول قرآن سے پہلے ہونا صاف معقول۔ اور اگر ہاں تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ تاریخ تمامی نزول سے پہلے کی ہو گی یا بعد کی۔ بر تقدیر اول مقام سے محض بیگانہ اور مستدل نہ صرف جاہل بلکہ دیوانہ بر تقدیر ثانی اگر مدعائے مخالف میں نص صریح نہ ہو تو استناد محض خرط القتاد مخالفین جو کچھ پیش کرتے ہیں. سب انہیں اقسام کی ہیں ان آیات کے خلاف پر اصلاً ایک دلیل صحیح صریح قطعی الافادہ نہیں دکھا سکتے اور اگر بفرض غلط تسلیم ہی کر لیں تو ایک یہی جواب جامع ونافع ونافی وقامع سب کے

لیے شافی وکافی کہ عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار آحاد سے استناد محض ہرزہ بافی الخ
بلفظہٖ (انباء المصطفیٰ ص۳ و ص۴ دین محمدی لاہور)

ہم نے مؤلف مذکور کا مفصل دعوٰے بقید حروف اور اُن کی دلیل اور اس میں پیش کردہ جملہ حوالوں کا خلاصہ اور طرز استدلال کہ انہوں نے کہاں سے یہ سرقہ کیا ہے۔ اختصار کے ساتھ عرض کر دیا ہے۔ تاکہ جواب کے سمجھنے میں قارئین کرام کو سہولت ہو۔ مؤلف مذکور کا یہ دعوٰے کہ از ابتدائے آفرینش تا دخول جنت و نار بلکہ اس سے بھی کچھ زائد جنت و نار میں داخل ہونے کے حالات و واقعات کا الخ ناممکل ہے۔ اور اپنے اعلیٰ حضرت کے دعویٰ سے بے خبری پر مبنی ہے۔ ان کے اعلیٰ حضرت جیسے الیٰ یوم القیمۃ کی غایت کا ذکر کرتے ہوئے اسی طرح تعمیم کا دعویٰ بھی کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں ؎

خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے

(حدائق بخشش حصہ اول ص۹۳ طبع بریلی)

اس میں دو عالم خفی و جلی اور سب کے الفاظ بالکل واضح ہیں۔

مؤلف مذکور کے نزدیک یہ اُن کی نمبر ایک دلیل ہے مگر یقین جانئے کہ اس ساری کاوش اور بے جا کوشش سے انہیں ایک رتی کا فائدہ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس سے ان کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ اولاً۔ اس لیے کہ مؤلف مذکور کا دعویٰ جمیع ماکان و مایکون الخ ہے اور وہ خود لکھتے ہیں کہ اس جمیع ماکان و مایکون الخ کے عطائی علم کی تکمیل نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ ہوئی ہے۔ ایک مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ نزول قرآن کی تکمیل ۹، ذوالحجہ سنہ ۱۰ھ کو عرفات کے میدان میں جمعہ کے دن عصر کے وقت ہوئی۔ اور قرآن کریم کی آخری سورۃ سورۃ البراۃ ہے (بخاری ص۲/۶۷۱ وغیرہ) تو یہ کیسے ممکن اور صحیح ہو سکتا ہے کہ دعویٰ تو آخر عمر میں جمیع ماکان و مایکون الخ کے علم حاصل ہونے کا ہو۔ اور دلیل سورۃ النحل جیسی مکی سورت کی آیۃ کریمہ ہو۔ سورۃ النحل کا نزول کے لحاظ سے سترواں نمبر ہے اور اس کے بعد چوالیس ۴۴ سورتیں قرآن کریم کی نازل ہوئی ہیں اگر تِبۡیَانًا لِّكُلِّ شَیۡءٍ کی آیت سے جمیع ماکان و مایکون الخ کا علم مراد ہے تو اس کے بعد دیگر امور کا تو ذکر ہی درکنار قرآن کریم کی بقیہ چوالیس ۴۴ سورتیں نازل ہونے کا کیا معنیٰ؟ کیا یہ جمیع ماکان و مایکون میں شامل نہیں ہیں؟ کچھ تو انصاف اور غور کیجیے ؎

تم ہی نہ سن سکے اگر قصہ غم سنے گا کون — کس کی زباں کھلے گی پھر ہم نہ اگر سنا سکے

قارئین کرام اس سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مؤلف مذکور کو اپنے بڑوں کی طرح علم نافع تو کیا حاصل ہوتا وہ فہم و بصیرت سے بھی یکسر محروم ہیں۔ اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ اس آیۃ کریمہ سے تو دعویٰ علم غیب ثابت نہیں۔ بلکہ اس سے قرآن کریم کا تبیانا لکل شیء ہونا ثابت ہے تو ان کا علمی اور اخلاقی فرض ہے کہ وہ قرآن کریم کی آخری سورت سے ہی مفصل، روشن اور واضح طور پر اس کا قطعی الدلالۃ ثبوت پیش کریں کہ فلاں آیت کریمہ سے منافقین کا اور جمیع ماکان ومایکون کا علم ثابت ہے اور اس کے بعد کسی چیز کے علم کی نفی نہیں۔ دیدہ باید۔

وثانیاً: اگر اس سے جمیع ماکان ومایکون کا علم ثابت ہے تو اس کے بعد بعض امور کے علم کی نفی کی آیات قرآن کریم میں کیوں نازل ہوئیں؟ جن کی خاصی تفصیل ازالۃ الریب میں مذکور ہے

وثالثاً: لفظ کل کے بارے میں ازالۃ میں ص۴۶۸ سے ص۴۷۶ تک ہم نے باحوالہ مفصل بحث کی ہے۔ مگر مؤلف مذکور اس سب بحث کو یہاں شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں۔ کسی ایک حوالہ کا جواب بھی یہاں نہیں دیا۔ اور نہ ان شاء اللہ العزیز تا قیامت دے سکتے ہیں اور جہاں دینگے اس کا حشر بھی ان شاء اللہ العزیز اپنی جگہ ملاحظہ کر لینا۔

ورابعاً: کل شیء سے مراد امور دین ہیں۔ جیسا کہ ازالۃ ص۴۷۳ تا ص۴۷۶ میں کتب تفسیر کے حوالہ سے یہ بات درج ہے۔ جس کو مؤلف مذکور یہاں بالکل ہضم کر گئے ہیں۔ اور لفظ کل نکرہ کی طرف بھی مضاف ہو تو بھی استغراق حقیقی ہی کا نہیں بلکہ استغراق عرفی کا فائدہ بھی دیتا ہے جلالین میں ہے۔

ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْ جِبَالِ اَرْضِكَ مِنْهُنَّ جُزْءًا (ص۴۱) — یعنی پھر تو اپنی زمین کے ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصہ رکھ

یہاں سب زمین کے تمام پہاڑ مراد نہیں ہیں بلکہ اپنی زمین کے پہاڑ مراد ہیں (جبال ارضک) اور یہی استغراق عرفی ہے۔

وخامساً: یہاں لفظ کل سے استغراق عرفی مراد ہے۔ اور خود مؤلف مذکور کو بھی اس کا اقرار ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ اور استغراق سے مراد ہماری حقیقی نہیں بلکہ عرفی ہے۔

اس میں خود انہوں نے اپنے دعوٰی اور دلیل کی تردید کر دی ہے۔ جب استغراق سے عرفی مراد ہے تو عرفِ شریعت میں جن اصولِ دین اور امورِ دین کی لوگوں کو حاجت ہے کُلِّ شَیٍٔ سے وہی مراد ہے اور اصولِ دین اور کلیاتِ دین کے تمام افراد کو یہ لفظ عام اور شامل ہے۔ اور ان تمام افراد کا قطعی احاطہ کرتا ہے جن کو شامل ہے تو ان کے پیش کردہ حوالوں میں سے ایک حوالہ بھی انہیں مفید اور ہمیں مضر نہیں ہے۔ کیونکہ دین کے علاوہ اور چیزوں کا اس میں ذکر ہی نہیں۔ تاکہ ان کے افراد کو بھی یہ شامل اور محیط ہو۔ اور بعض چیزیں تو قرآن کریم کی شان کے لائق بھی نہیں ہیں اور کسی عاقل پر یہ مخفی نہیں ہے۔

وسادساً : احتجاج بالعمومات کا کس نے انکار کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کو فہم و بصیرت عطا فرمائے مگر شرک و بدعت کی دلدل میں پھنسنے والے کو یہ درِّ نایاب عادۃً نہیں ملا کرتا۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللہُ تعالیٰ قرآن کریم کے عمومات ہی سے حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر تا ہنوز مسلمان استدلال کرتے رہے ہیں، اور کرتے ہیں۔ بشرطیکہ عام ہو اور لفظ کُلِّ شَیٍٔ امورِ دین اور قواعد و ضوابط دین کے لیے عام ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ تعالیٰ دنیوی امور۔ سحر اور سیمیا وغیرہ ناپاک علوم کے لیے بھی جیسا کہ مؤلف مذکور کا باطل دعوٰے ہے۔

وسابعاً : لفظ عام کے قطعی ہونے کا کبھی کسی حنفی نے انکار نہیں کیا۔ نہ ہم کرتے ہیں۔ جن افراد کو لفظ عام شامل ہے ان میں قطعی ہے۔ صاحب المنار فرماتے ہیں کہ

وانہ یوجب الحکم فیما یتناولہ قطعاً (المنار مع نور الانوار ص۸۵) — جن جن افراد کو عام شامل ہوتا ہے ان میں وہ موجب حکم قطعی ہوتا ہے۔

اس لیے ان کا نقل کردہ ایک حوالہ بھی ہمارے دعوٰی کے خلاف نہیں۔ انہوں نے ناسمجھی میں بلا وجہ حوالے نقل کر کے اپنے ناخواندہ حواریوں پر علمی رعب جمانے کی لاحاصل سعی کی ہے

وثامناً : یہاں کُلِّ شَیٍٔ سے جمیع ماکان و مایکون کا علم ہرگز مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ چوالیس (۴۴) سورتیں سورۃ النحل کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ یہ قرینہ صارفہ قطعیہ ہے کہ یہاں عموم ہرگز مراد نہیں۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ اس کے بعد قرآن کریم کی سورتیں اور احکام نازل ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

وتاسعاً : حضرت امام شافعیؒ ہر عام کو ظنی نہیں کہتے۔ بلکہ اس عام کو ظنی کہتے ہیں جس میں خصوص کا احتمال ہو۔ لیکن اگر دلیل سے ثابت ہو جائے کہ کسی مقام پر عام محتملِ خصوص نہیں۔ مثلاً اِنَّ اللہَ

بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ تو اس کو وہ بھی قطعی مانتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو نور الانوار مع قمر الاقمار ص۲۷)

وثانیاً: مؤلف مذکور کے خانہ ساز قیاسِ اقترانی میں کُلُّ شَیْءٍ فِی الْقُرْآنِ صغریٰ تفصیل طلب ہے۔ وہ یوں کہ اگر اس سے ان کی مراد امورِ دین، کلیاتِ دین، اصولِ دین اور قواعد و ضوابطِ دین ہو تو مسلّم ہے۔ لیکن اس سے مؤلف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ ان کا دعویٰ جمیع ماکان و مایکون کا ہے۔ جسمیں دنیوی امور کے علاوہ تمام فروع اور جزئیات بھی شامل ہیں اور زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے خارج نہیں اور اگر اس سے ان کی مراد جمیع ماکان و مایکون ہو اور ان کے بے بنیاد دعویٰ کے مطابق یہی ان کی مراد بھی ہے تو صغریٰ نہ نقلاً مسلّم ہے اور نہ عقلاً۔

نقلاً تو اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ تو ان سے یہ دریافت فرمایا تھا کہ تم فیصلہ کیسے کرو گے؟ انہوں نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ پھر میں سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موافق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر سنت میں بھی نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے؟ انہوں نے فرمایا کہ پھر میں اپنی رائے اور اجتہاد کے ساتھ قیاس کروں گا۔ (محصلہ ابوداؤد ج۲ ص۱۴۹ و طیالسی ص۷۶ و ترمذی ج۱ ص۱۵۹ و مسند احمد ج۵ ص۲۳۰ و دارمی ج۲ ص۶ طبع دمشق۔ و مشکوٰۃ ج۲ ص۳۲۴ وغیرہا)

وقال ابن عبد البرؒ حدیث معاذؓ صحیح مشہور (جامع بیان العلم ج۲ ص۵۵) وقال ابن کثیرؒ باسناد جید (تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۴) وقال الشوکانیؒ وھو حدیث صالح للاحتجاج بہ (تفسیر فتح القدیر ج۲ ص۲۱۹) وقال ابن القیمؒ وھذا اسناد متصل ورجالہ معروفون بالثقۃ (اعلام الموقعین ج۱ ص۱۷۶)

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ ہر ہر مسئلہ قرآن کریم میں موجود نہیں ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے فان لم تجد فی کتاب اللہ۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر ہر مسئلہ سنت اور حدیث میں بھی صراحۃً مذکور نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور اس صحیح حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن و حدیث میں نہ مل سکے تو رائے، قیاس اور اجتہاد سے اُسے حل کیا جائے گا۔ اگر ہر ہر مسئلہ قرآن و حدیث

میں واضح روشن اور مفصل طور پر موجود ہے تو پھر رائے، قیاس۔ اجتہاد اور فقہ کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی حالانکہ اصول فقہ کی تمام کتابوں میں احکام شرعیہ کے مأخذ چار لکھے ہیں (۱) کتاب۔ (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس حضرت ابوبکرؓ کے پاس ایک میت کی دادی آئی اور اس نے اپنے حصہ کی وراثت کا سوال کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ

مَالكِ فِي كِتَابِ اللّٰه شَيْءٌ وما علمت لك في سنة نبي الله صلى الله تعالى عليه وسلم شيئاً فارجعي حتّٰى اسئل الناس فسأل الناس فقال المغيرةؓ بن شعبة حضرت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اعطاها السدس (الحديث) (ابوداؤد ج۲ ص۴۵ واللفظ له۔ وابن ماجه ص۲۰۰ والمستدرك ج۴ ص۳۳۸ قال الحاكمؒ والذهبيؒ على شرطهما ومعرفة علوم الحديث ص۱۱۵)

تیرے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کوئی شئی نہیں ہے۔ اور میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت میں بھی تیرے لیے کچھ نہیں جانتا۔ تو اس وقت واپس چلی جا۔ میں لوگوں سے دریافت کروں گا۔ جب لوگوں سے سوال کیا تو حضرت مغیرہؓ ابن شعبہ نے فرمایا کہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھا۔ آپ نے ایسی دادی کو وراثت سے چھٹا حصہ دلوایا۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ ہر ہر چیز قرآن کریم میں بیان نہیں کی گئی۔

اور عقلاً اس لیے کہ اگر مسلمانوں کو تا قیامت پیش آنے والے تمام مسائل اور جزئیات کا قرآن کریم میں روشن، واضح اور مفصل طور پر ذکر ہوتا تو حضرات محدثین کرامؒ کو مسائل اخذ کرنے کے لیے کتبِ حدیث کی تدوین کی کیا حاجت تھی؟ اور پھر حضراتِ فقہاء کرامؒ کو کیا داعیہ پیش آیا کہ قرآنِ کریم میں تمام احکام و جزئیات کے واضح اور روشن طور موجود ہوتے ہوئے کتب فقہ اور فتاویٰ کی بھرمار کر دی؟ آخر اس کی کیا ضرورت تھی؟ فریقِ مخالف کا یہ اتنا جاہلانہ نظریہ ہے کہ اس پر ہر عقلمند متعجب ہے۔ دور جانے کی ضرورت ہی نہیں مؤلف مذکور اور ان کی جماعت قرآن کریم سے نماز کی رکعات اور فرائض و واجبات اور سنن کی واضح اور روشن تفصیل، اور نیز سونے، چاندی، النقد رقم اور مالِ تجارت وغیرہ میں نصابِ زکوٰۃ کی تعیین ہی

واضح طور پر بتا دے۔ تاکہ منکرین حدیث وغیرہم باطل فرقوں کا منہ تو بند کیا جا سکے، اگر تم جو تین نمازوں کے قائل ہو اور اس کا بزعم خویش قرآن کریم سے ثبوت دیتے ہو وہ غلط ہے۔ کیونکہ نمازیں تو قرآن کریم سے صراحۃً مفصل اور روشن طور پر پانچ ثابت ہیں۔ اور ان کی تفصیل یہ ہے اور اسی طرح زکوٰۃ کا نصاب جس کو تم مرکز ملت کی صوابدید پر چھوڑتے ہو وہ قرآن کریم سے مفصل طور پر یوں ثابت ہے اور نیز فقہ کی بے شمار جزئیات بھی صراحت کے ساتھ قرآن کریم سے بتا دے۔ تاکہ غیر مقلدین اور منکرین فقہ کی فقہ کی طرف ضرورت نہ ہونے میں تسلی کرائی جا سکے۔ کیونکہ مؤلف مذکور کا اپنے بڑوں کی اندھی تقلید کرتے ہوئے یہ دعویٰ ہے کہ

قرآن کریم ہر شئی کا واضح بیان ہے۔ یعنی قرآن میں ہر چیز کا علم ہے (بلفظہٖ ص۳۲)

تو از روئے مہربانی نماز اور زکوٰۃ ہی کی واضح تفصیل قرآن کریم سے بتا دی جائے۔ کیونکہ آخر یہ بھی تو ہر چیز میں داخل ہیں۔ دیکھئے کیا جواب ملتا ہے شاید وہ یہ کہدیں ؎

خزاں سے ہی نہ کیوں ہم دل لگائیں　　خدا جانے بہار آئے نہ آئے

ایک شخص نے حضرت عمران بن حصینؓ سے سوال کیا کہ آپ حضرات ہمیں ایسی باتیں سناتے ہیں جو قرآن کریم میں اصلاً نہیں ہیں حضرت عمرانؓ اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا کیا نماز زکوٰۃ اور حج وغیرہ احکام کی تفصیل قرآن کریم میں موجود ہے؟ (محصلہ ابوداؤد ج۲ ص۲۱۸ مستدرک حاکم ج۱ ص۱۱۰ جامع بیان العلم ج۲ ص۱۹۱ الکفایۃ فی علوم الروایۃ ص۱۶ دمفتاح الجنۃ ص۵ وغیرہ) اس کی تفصیل شوق حدیث حصہ اول ص۱۶۷ تا ص۱۷۹ میں دیکھیں۔

مؤلف مذکور اور انکے اکابر کا یہ دعویٰ کہ ہر ہر چیز قرآن کریم میں مفصل روشن اور واضح طور پر مذکور ہے قطعاً غلط اور یقیناً باطل ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم کتب تفاسیر، فقہ، اصول فقہ اور شروح حدیث کے مفصل حوالے نقل کریں قطع مسافت کے لیے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود انہیں کے مسلم اکابر کے چند حوالے عرض کر دیں کہ وہ ہر ہر چیز کے واضح اور روشن اور مفصل طور پر قرآن کریم میں مذکور ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

(۱) ان کے اعلیٰ حضرت کا حوالہ: خان صاحب اور انکے اتباع سے یہ بات قابل دریافت ہے کہ جب انکے نزدیک قرآن کریم میں ابتدائے آفرینش سے تا دخول جنت و نار از شرق تا غرب از شمال تا جنوب ہر ہر ذرہ کا مفصل واضح اور روشن طور پر بیان موجود ہے تو خان صاحب کو دینی اور فقہی مسائل بیان کرنے کے لیے ضخیم جلدوں میں العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ وغیرہ وغیرہ کتابیں لکھنے کی اور اپنی جماعت (یا بزعم خود اہل اسلام) پر احسان کرنے کی ضرورت اور داعیہ پیش آیا ہے؟ اور کیا انہوں نے ان میں ہر ہر مسئلہ کے اثبات کے لیے صرف قرآن کریم ہی سے ثبوت فراہم کیا ہے یا کتب

حدیث اور فقہ کے حوالے بھی دیے ہیں؟ اگر ہر ہر مسئلہ قرآنِ کریم سے واضح طور پر ثابت ہے تو کتب حدیث اور فقہ سے استدلال و احتجاج کی کیا حاجت ہے؟

اور پھر انہوں نے الفتاوٰی الرضویہ جلد اوّل ص۴۱۴ تا ص۴۳۴ میں اجتہادی اور قیاسی مسائل میں اس امر پر کیوں زور دیا ہے کہ

اس امر کی تحقیقِ عظیم میں کہ فتوٰی ہمیشہ قولِ امام (ابوحنیفہؒ) پر ہے اگرچہ صاحبینؒ خلاف پر ہوں اور جب ان کے نزدیک ہر ہر چیز قرآن کریم میں واضح، روشن اور مفصل طور پر مذکور ہے کہ اس میں خفا ہی نہیں تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتوٰی دینے کا کیا معنیٰ؟

اور پھر حضرات صاحبینؒ کے اختلاف کا کیا مطلب؟ اور حضرت امامؒ صاحب کے قول کے راجح اور حضرات صاحبینؒ کے قول کے مرجوح ہونے کا کیا مقصد؟ اور پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ

جب کسی مسئلہ میں امام (ابوحنیفہؒ) کا قول نہ ملے، امام ابو یوسف کے قول پر عمل ہو ان کے بعد امام محمد، پھر امام زفر، پھر امام حسن بن زیاد وغیرہم مثل امام عبداللہ بن مبارک امام اسد بن عمرو۔ امام زاہد لیث بن سعد و امام عارف داؤد طائی وغیرہ اکابر اصحاب امام رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم کے اقوال پر عمل ہو۔

(بلفظہٖ حاشیہ الفتاوٰی الرضویہ ص۴۳۳ ج۱)

سوال یہ ہے کہ جب ہر ہر چیز قرآن کریم میں مفصل، روشن اور واضح طور پر موجود ہے تو پھر ان اکابر کے اقوال پر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر خانصاحب کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ

مسئلہ جب تک دلیل قطعی بآسانی ملے دلیل ظنی پر عمل جائز نہیں۔ اقول اسی لیے غیر مجتہدین پر ائمہ مجتہدین کی تقلید فرض اور اسے چھوڑ کر عمل بالحدیث حرام ہے کہ یہ حدیث کو نہ سمجھے گا۔ نہ اس کے راجح مرجوح ناسخ منسوخ صحت اسناد صحت متن۔ صحتِ فقہی پر مطلع ہو سکے گا۔ تو اسے حکم الٰہی پر ظن بھی نہیں مل سکتا۔ اپنے وہم کو ظن سمجھ لینا دوسری بات ہے۔ اور امام کے قول پر عمل کیا قطعاً حکم الٰہی بجالایا کہ فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ علم والوں سے پوچھو

اگر علم نہ ہو تو قطع و یقین کو چھوڑ کر شک و وہم میں پھنسنا حرام ہے۔ انتہی بلفظہ۔
(حاشیہ الفتاوی الرضویہ ص ۸۳۳/۱۲)

جب سب چیزیں واضح اور روشن طور پر قرآن کریم میں مذکور ہیں تو اجتہاد کی اور حضرات مجتہدین سے پوچھنے کی کیا حاجت ہے؟ اور پھر غیر مجتہدین کے لیے حضرات ائمہ مجتہدین کی تقلید کیوں فرض ہے؟ جب کہ ضابطہ فقیہہ یہ ہے کہ منصوص احکام میں اطاعت و اتباع ہوتی ہے۔ غیر منصوص احکام میں تقلید ہوتی ہے۔ اور نصوص کے ہوتے ہوئے تقلید درست نہیں ہے۔

خود خانصاحب کے یہ صریح حوالے ان کے اس باطل نظریہ کی قطعاً تردید کرتے ہیں کہ ہر ہر چیز قرآن کریم میں واضح روشن اور مفصل طور پر مذکور ہے۔

(۲) فریق مخالف کے مقتدر بزرگ پیر طریقت حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی جمعہ کی ادائیگی کی شرائط کے بارے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

واضح ہو کہ صلوٰۃ جمعہ کمیّت کیفیات مخصوصہ خصوصیات خاصہ ہے۔ صلوٰۃ خمسہ کی طرح ہر جگہ و ہر مکلف پر اس کا ادا کرنا واجب و ضروری نہیں جس طرح ہر فرد اہل ایمان اسلام پر اس کا وجوب نہیں ہے اسی طرح ہر امکنہ میں بھی اس کی اقامت درست نہیں ہے۔ اس واسطے کہ آیت فرضیت جمعہ میں کوئی لفظ عموم محل پر دال نہیں۔ بلکہ تخصیص و تعمیم مکانی دونوں سے آیت فرضیت ساکت محض ہے۔ اس آیت کو عموم امکنہ پر حجت و دلیل فرمانا مجتہدین زمانۂ حال (غیر مقلدین۔ صفدر) ہی کا کمال ہے۔ بلفظہ (فتاوی مہریہ ص ۴۲/۲)

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ

اور نہ آیت فرضیتِ جمعہ اپنے عموم افرادی پر ہے۔ اور تعمیم تخصیص مکانی سے تو خود ہی ساکت ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں الخ (بلفظہ ص ۴۳/۲)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ مؤلف مذکور اور ان کے اعلحضرت وغیرہ کا تو یہ دعویٰ ہے کہ قرآن کریم میں ہر ہر چیز روشن، مفصل اور واضح طور پر بیان کی گئی ہے۔ لیکن حضرت پیر صاحب کے بیان کے مطابق شرائط جمعہ کے بیان سے جو خالص دینی مسئلہ ہے قرآن کریم ساکت محض ہے

اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے

(۳) ان کے صدر الافاضل لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ:۔ مفسرین نے فرمایا اس آیت میں دلیل ہے جوازِ قیاس پر اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک علم تو وہ ہے جو بہ نص قرآن حاصل ہو اور ایک علم وہ ہے جو قرآن و حدیث سے استنباط و قیاس کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ بلفظہٖ ۔

(خزائن العرفان ص۱۳۳ طبع لاہور)

اور نیز وہ آیت کریمہ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ احکام تین۳ قسم کے ہیں۔ ایک۱ وہ جو ظاہر کتاب یعنی قرآن سے ثابت ہوں۔ ایک۲ وہ جو ظاہر حدیث سے۔ ایک۳ وہ جو قرآن و حدیث کی طرف بطریق قیاس رجوع کرنے سے۔ اولی الامر میں امام۔ امیر۔ بادشاہ۔ حاکم قاضی سب داخل ہیں الخ (خزائن العرفان ص۱۲۸ طبع لاہور)

اگر سارے احکام و مسائل مفصل۔ واضح اور روشن طور پر قرآنِ کریم سے ثابت ہیں تو پھر حدیث اور قیاس سے ثابت ہونے کا کیا معنٰی؟ اور قرآن و حدیث کی طرف بطور قیاس رجوع کرنے کا کیا مطلب ہے؟

(۴) مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں

شرعی مسائل تین طرح کے ہیں (۱) عقائد (۲) وہ احکام جو صراحۃً قرآن پاک یا حدیث شریف سے ثابت ہوں۔ اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو (۳) وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔ (جاء الحق ص۱۵ طبع ۱۳۷۲ء نوری کتب خانہ لاہور)

پھر آگے لکھتے ہیں کہ

(جس طرح عقائد میں تقلید نہیں محصلہ) اسی طرح (صریح احکام میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں پانچ نمازیں۔ نماز کی رکعتیں، تیس۳۰ روزے، روزے میں کھانا پینا حرام ہونا۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت نصِ صراحۃً ہے۔ اس لیے یہ نہ کہا جائے گا کہ نمازیں

پانچ اس لیے ہیں یا روزے ایک ماہ کے اس لیے ہیں۔ کہ فقہ اکبر میں لکھا ہے۔ یا امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔ بلکہ اس کے لیے قرآن و حدیث سے دلائل دیے جائیں گے۔ جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں ان میں غیر مجتہد پر تقلید کرنا واجب ہے۔ بلفظہٖ (ص۱۶)

اور نیز وہ لکھتے ہیں کہ

مجتہدین قرآن میں غور کر کے شرعی مسائل نکالیں۔ صوفیار اس میں غور کر کے اسرار معلوم کریں۔ علمار اس میں غور کر کے احکام کی حکمتیں معلوم کریں۔
(نور العرفان ص۱۴۲ طبع لاہور)

اس سے بھی بالکل واضح ہو گیا کہ سارے مسائل قرآن کریم میں اور اسی طرح حدیث شریف میں موجود نہیں ہیں۔ ان مسائل کو قرآن و حدیث اور اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کے طور پر نکالا جائے گا حضرات مجتہدین اور علمار اپنے انداز سے اجتہاد و استنباط کریں گے اور صوفیار اپنے مذاق سے اور غیر مجتہد کو مجتہد کی تقلید کرنا لازم ہے۔ جب کہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ مسائل میں تقلید کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۵) مولوی محمد عمر صاحب اچھروی آیت کریمہ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ الآیۃ سے غیر مقلدین کے خلاف استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یہ بھی اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اگر قرآن کریم میں کوئی امر امن یا خوف کا (قرآن کریم میں الخ کا جملہ الخ کا ذاتی اجتہاد اور اختراع ہے یہ مطلب ہرگز نہیں اور نہ قرآن کریم میں یہ مذکور ہے کہ قرآن کریم میں کوئی امر الخ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب بھی امن یا خوف کا کوئی معاملہ درپیش ہو۔ صفدر) ایسا آ جائے جو تمہاری سیاست سے بعید ہے تو اس کو غیر مقلدیت سے مشورت کرو۔ بلکہ پہلے اس امر کو حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تلاش کرو۔ کیونکہ آپ کی اطاعت بلا دلیل تمہارے ذمہ ہے کیونکہ ایسے امور کو تم نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقلید نہ کرو اور اگر حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہ ملے تو اس امر کو ان مجتہدین کے

سپرد کرو جو آیات قرآنیہ سے استنباط کر کے معلوم کر لیتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ قرآن کریم باوجودیکہ خود ناطق ضرور ہے لیکن اسکا آواز ہم تک نہیں پہنچ سکتا کہ جب تک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ائمہ مجتہدین کا واسطہ درمیان میں ہم تک نہ ہو۔ الخ

(مقیاس حنفیت ص ۱۷۲ ص ۱۷۳ طبع ۱۳۷۴ھ لاہور)

اس سے بھی بالکل واضح ہوگیا کہ ہر ہر چیز قرآن کریم میں مذکور نہیں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ واضح اور روشن اور جدا جدا ہو بلکہ بعض امور و احکام حدیث شریف اور استنباطِ مجتہدین سے ثابت ہیں اور آیتہ کریمہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ اِلیٰ قوله اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اس آیتہ کریمہ سے ثابت ہوا کہ جو شخص تدبّر فی القرآن دوسرے معنوں میں اجتہاد فی القرآن کا قائل نہیں بلکہ جملہ قرآن کریم کو بدیہی سمجھے اور ہر آیت کو بلا اجتہاد مجتہد کما حقہ سمجھنے کا دعویٰ کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو اس عقیدہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی لعنت برساتا ہے کہ جس سے ان کو اس نے بہرہ کر دیا۔ خواہ کوئی ان کو کتنی کلامِ الٰہی پڑھ کر سنائے۔ وہ ایمان کی بات نہیں سنتے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم غیر مقلد ہیں۔ ہم نے براہ راست قرآن سمجھا ہوا ہے۔ الخ

(مقیاس ص ۱۷۲)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ ہر ہر بات قرآن کریم میں صراحت اور بداہت کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ جو ایسا کہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملعون ہے۔ موصوف کے بیان کے مطابق تو جملہ قرآن کو بدیہی سمجھنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اور ان کے اعلیٰحضرت فرماتے ہیں کہ۔

قرآن کریم میں بیان اشیاء اس طرح پر ہے کہ اصلاً خفاء نہیں الخ

(ملفوظات حصہ اوّل ص ۳۰ طبع کراچی)

اب یہ فیصلہ قارئین کرام خود کریں کہ ان میں سے کس کی بات درست ہے؟

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

(۶) فریق مخالف کے مشہور عالم اور مفتی مولانا مظہر اللہ صاحب دہلوی سابق شاہی امام مسجد جامع

فتحپوری دہلی اطاعت کے مضمون پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اللہ کی اطاعت کے بعد رسول کی اطاعت یعنی وہ احکام جو قرآن میں مذکور نہیں یا مجمل ہیں مفصل نہیں ان کے بارے میں جب رسول کریم حکم دیں تو ان کو مانا جائے ......
رسول کی اطاعت کے بعد حاکم اور صاحب امر کی اطاعت ہے یعنی احکام شرعیہ کے ساتھ ساتھ وہ احکام جو قرآن اور حدیث وغیرہ میں نہیں ان کے بارے میں حاکم حکم دے تو وہ بھی تسلیم کیے جائیں اھ

(مظہر العقائد طبع ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ ص ۳۲)

یہ عبارت بھی اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل عیاں ہے ۔

(۷) فریق مخالف کے نامور عالم مفتی شجاعت علی صاحب قادری معجزات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

قرآن میں انبیاء سابقین کے تمام معجزات مذکور نہیں۔ البتہ خاص خاص معجزات کا ذکر ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص معجزات بھی مذکور ہیں مثلاً قرآن خود معجزہ ہے۔ اس میں تمام پیش گوئیاں معجزہ ہیں جو سچی ثابت ہو چکی ہیں ۔ شق القمر، معراج جسمانی یہ سب معجزات ہیں ۔ بلفظہٖ

(ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر جلد اول نومبر ۱۹۷۳ء جلد ۲۰ شمارہ ۵ ص ۴۴)

اس سے بھی واضح ہو گیا کہ قرآن کریم میں حضرات انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تمام معجزات مذکور نہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھی سب معجزات مذکور نہیں ہاں البتہ خاص معجزات مذکور ہیں ۔

(۸) مولوی محمد خلیل صاحب برکاتی صدر مدرس احسن البرکات حیدر آباد (سندھ) لکھتے ہیں ۔

سوال :۔ رام اور کرشن کو جنہیں ہندو مانتے ہیں نبی کہہ سکتے ہیں یا نہیں ؟

جواب :۔ اللہ و رسول نے جنہیں تفصیلاً نبی بتایا اور قرآن و حدیث میں ان کا تذکرہ آیا ، ہم ان پر تفصیلاً نام بنام ایمان لائے اور باقی تمام انبیاء پر ہم اجمالاً ایمان لائے ہیں ۔ خدا و رسول نے ہم پر یہ لازم نہیں کیا کہ ہر رسول کو ہم جانیں (الیٰ ان قال) ہزاروں

امتوں کا ہمیں نام و مقام تک معلوم نہیں۔ نہ قطعی طور پر انبیاء کی صحیح تعداد معلوم ہے۔ کہ کتنے پیغمبر دنیا میں آئے۔ اور قرآن عظیم اور حدیث کریم میں رام و کرشن کا ذکر تک نہیں بلکہ ان کے وجود پر بھی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کہ یہ واقعی کچھ اشخاص تھے بھی یا محض ہندوؤں کے تراشیدہ خیالات ہیں۔

(بلفظہ ہمارا اسلام حصہ چہارم ص۱۴ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

پھر آگے لکھتے ہیں

غرض یہ کہ سوائے ان نبیوں کے جن کے نام قرآن و حدیث میں مذکور ہیں کسی شخص کے متعلق تعیین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نبی یا رسول تھا۔ بلفظہ (ص۱۵)

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے۔

(۹) جناب علامہ نور بخش صاحب توکلی لکھتے ہیں کہ

جو معانی قرآن و احادیث متواترہ سے قطعاً ثابت ہیں ان میں سے بعد علم و ثبوت قطعی کسی بات کا انکار کرنا اگرچہ در پردہ تاویل باطل ہو کفر ہے اور ظنی الثبوت یا ظنی الدلالۃ کا بلا وجہ انکار بدعت یا فسق ہے۔ قرآن و حدیث کے بعد اجماع یعنی کسی امر پر صحابہؓ یا تابعینؒ یا ان کے بعد کے اہلِ علم کا اتفاق ہو جانا بھی حجت و سند ہے۔ اس کے بعد جو کچھ مجتہدین نے قرآن و حدیث و اجماع سے استنباط کیا وہ بھی سند ہے۔ ایسے استنباط کو اجتہاد و قیاس بولتے ہیں۔ یہی چار یعنی قرآن و حدیث و اجماع و قیاس فقہ کے اصول ہیں۔

(بلفظہ عقائد اہلسنت و جماعت ص۲۳ و ص۲۴ دار الکتب حنفیہ کراچی)

اس سے آشکارا ہوا کہ تمام معانی اور مسائل قرآن کریم سے ثابت نہیں بلکہ بعض حدیث۔ اجماع اور قیاس سے بھی ثابت ہیں۔

(۱۰) مؤلف مذکور کے استاد محترم جناب کاظمی صاحب نے (جن کی طرف انہوں نے اپنی کتاب "اثبات علم الغیب" کا انتساب کیا ہے۔ اور اس میں لکھتے ہیں استاذی و استاذ العلماء رئیس الفقہاء امام المحدثین۔ جامع معقول و منقول، رازی دوران۔ غزالی زماں

مرشدی ذخری لیومی وغدی حضرت العلام مولانا سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی دامت برکاتہم والطافہم اھ ص۳ اور نیز ان کی توصیف وہ ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ امام اہلسنت غزالی زماں۔ رازی دوراں۔ سیدی و مرشدی شیخ المحدثین، رئیس المفسرین حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی دامت برکاتہم العالیہ۔ اثبات علم الغیب جلد اول ص۴)
اپنی کتاب مقالاتِ کاظمی میں باجے اور آلاتِ غناء کے ساتھ گانا سننے کے جواز پر بڑا زور صرف کیا ہے۔ ہمیں اس مقام پر اسکی تردید مقصود نہیں اسکی حرمت اپنی جگہ واضح طور پر ثابت ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔

اس مختصر کو چار مباحث میں منقسم کرتا ہوں پہلی بحث کتاب اللہ میں دوسری سنت رسول اللہ میں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تیسری بحث قیاس ائمہ و مجتہدین واقوال فقہاء احناف میں۔ چوتھی بحث اقوال مشائخ کبار میں۔ اس کے بعد خلاصۃ الکلام کے عنوان سے ایک تتمہ ملحق کیا جائے گا۔ جس میں تمام بحثوں کا لب لباب اور نتیجہ مذکور ہوگا۔ بلفظہٖ (مقالات کاظمی ص۴۹ طبع لاہور)

جب ہر ہر چیز مفصل۔ واضح اور روشن طور پر قرآن کریم میں موجود ہے تو لازماً اس میں سنت، قیاس ائمہ و مجتہدین۔ اقوالِ فقہاء احناف اور اقوال مشائخ کبار بھی واضح طور پر ہوں گے، تو ان کو الگ بیان کرنے اور ان سے استدلال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ صرف قرآن کریم ہی سے استدلال کافی ہے۔ بقیہ تینوں ابحاث بالکل فضول ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) تو کیا اس کا واضح طور پر یہ مطلب نہیں کہ قرآن کریم میں اگرچہ اصول موجود ہیں لیکن ان کی تفسیر اور تشریح کے لیے باقی تین ابحاث کی بھی اشد ضرورت ہے۔

اور نیز وہ "عورت کی دیت کا مسئلہ قرآن و سنت کی روشنی میں" کے عنوان میں تحریر کرتے ہیں۔ سورۃ النساء آیت ۹۲ میں مومن کے قتل خطاء میں کفارہ کے بعد وجوب دیت کا حکم مذکور ہے۔ یہاں لفظ مومن عام ہے۔ اس میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ دونوں اس میں شامل ہیں۔ اسی طرح وجوب دیت کا حکم بھی عام ہے اسمیں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ مومن مرد ہو یا عورت ہر ایک کے قتل خطا میں دیت

واجب ہے۔ لیکن مقدارِ دیت قرآن مجید میں کہیں مذکور نہیں۔ مقدار کے بارے میں لفظ دیت مجمل ہے۔ قرآن کے مجمل کی تفسیر اگر قرآن میں نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ الخ بلفظہٖ

(اخبار جنگ لاہور ۱۹ صفر ۱۴۰۵ھ / ۱۴ نومبر ۱۹۸۴ء ص ۲ کالم ۲)

اور یہ بھی تحریر کرتے ہیں

ضروری تنبیہہ: ہم بتا چکے ہیں کہ قرآن میں لفظ دیت بیان مقدار کے لحاظ سے مجمل ہے۔ امام ابوالنصر مروزیؒ اپنی تصنیف جلیل السنۃ میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا کے ضمن میں لفظ دیت کا ذکر نہ فرمایا اور بیان مقدار میں اسے مجمل اور مبہم رکھا۔ اس کی تفسیر بذریعۂ وحی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تعلیم فرمائی الخ (اخبار جنگ لاہور ۲۷ صفر ۱۴۰۵ھ / ۲۲ نومبر ۱۹۸۴ء ص ۳ کالم ۵)

(مضمون عورت کی دیت کا مسئلہ قرآن وسنت کی روشنی میں)

جب دیت کی مقدار جیسا اہم مسئلہ قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں بلکہ مجمل اور مبہم ہے اور حدیث کے ذریعہ اس کی تفسیر ہوتی ہے تو مؤلف مذکور کا یہ غلط اور بے بنیاد نظریہ کہ

اور جہان کی ہر چیز کا علم قرآن کریم میں موجود ہے (بلفظہٖ ص ۳۷)

خود بخود باطل ہو جاتا ہے یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مؤلف مذکور کا اپنے اعلیٰ حضرت کی پیروی میں استدلال لفظ کل شیٔ سے ہے جو بظاہر تعمیم کو چاہتا ہے۔ لیکن دیگر دلائل کے پیش نظر یہاں استغراق حقیقی ہرگز مراد نہیں بلکہ عرفی مراد ہے۔ اور خود مؤلف مذکور کو اس کا اقرار ہے۔ اور ان کے استاذ محترم کاظمی صاحب فرماتے ہیں کہ

ضروری نہیں کہ لفظ میں عموم ہو تو متکلم کی مراد میں بھی عموم پایا جائے۔ بعض اوقات لفظ کے مفہوم میں عموم ہوتا ہے لیکن متکلم کی مراد میں خصوص پایا جاتا ہے۔ خود قرآن کریم میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ الخ بلفظہٖ

پھر قرآن کریم سے دو مثالیں نقل کی ہیں۔

(۱) يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ الآیۃ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

کے الفاظ مردوں اور عورتوں سب کے لیے عام ہیں مگر اذان صرف مرد دیتے ہیں نہ کہ عورتیں۔ (۲) قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الیٰ قولہٖ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ الآیۃ مومنوں میں مرد اور عورتیں بھی شامل ہیں۔ لیکن (یہاں) صرف مرد مراد ہیں۔ اگر اس میں عورتیں شامل ہوں تو جس طرح مردوں کے لیے ان کی باندیاں حلال ہیں عورتوں کے لیے بھی ان کے غلام حلال قرار پائیں گے۔ جو بداہتہً باطل ہے۔ (محصلہ)

(اخبار جنگ لاہور۔ یکم ربیع الاول ۱۴۰۵ھ / ۲۵ نومبر ۱۹۸۴ء ص ۳۔ کالم ۷، ص ۵ کالم ۴)

(مضمون عورت کی دیت کا مسئلہ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا مؤلف مذکور اپنے استاد اور پیرومرشد اور دنیا و آخرت کے ذخیرہ کی بات بھی مانتے ہیں یا نہیں؟ وہ تو صاف کہتے ہیں کہ مقدار دیت کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔

(۱) جناب مولانا پیر محمد کرم شاہ صاحب جسٹس شرعی عدالت پاکستان۔ اپنی تفسیر میں دیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اس کی مقدار اللہ تعالیٰ کے رسول نے سو اونٹ مقرر فرمائی ہے اور یہی مقدار ہر زمانہ کے لیے ہے اھ (تفسیر ضیاء القرآن ص ۱۱۷ / ۲ طبع ضیاء القرآن پبلیکیشنز گنج بخش روڈ لاہور)

یعنی مقدار دیت کا ذکر قرآن کریم میں نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے متعین ہے۔ اور والحکمۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

حکمت سے کیا مراد ہے؟ اس کے سمجھنے سے ایک بہت بڑے فتنے کا ازالہ ہو جائے گا۔ حکمت کہتے ہیں وضع الاشیاء علیٰ مواضعہا ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔ یہاں الحکمۃ کا لفظ جو مذکور ہے اس سے مراد احکام قرآنی کی ایسی تفصیل اور ان کا ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی ایسی تعمیل کر سکے جیسے قرآن نازل کرنے والے خدا کا منشا ہے۔ اور نبی کے فرائض میں صرف یہی نہیں کہ قرآن سکھائے بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھلائے۔ تاکہ قرآن پر اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق عمل ہو سکے۔ اور اسی حکمت یعنی بیان قرآن کو سنت نبوی کہا جاتا ہے۔ دوسری متعدد آیات میں اس امر کی وضاحت

کر دی گئی کہ حکمت قرآن یعنی اس کا بیان نبی کا ذاتی اجتہاد نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی جاتی ہے مثلاً ارشاد ہے وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ الآیۃ (ص ۹۵/۱۶)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ہر ہر چیز روشن اور مفصل طور پہ بیان نہیں ہوئی ورنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان اور تفصیل کی ضرورت ہی نہ تھی۔

اور وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

اس آیت طیبہ سے واضح ہوا کہ ہمارے لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا صحیح علم اپنے رسول کو عطا فرمایا اور اس کے معانی و مطالب کے بیان۔ اس کے اجمال کی تفصیل اور اوامر و نواہی کی وضاحت کا منصب فقط اپنے محبوب مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تفویض کیا۔ اسی لیے قرآن کریم کی جو تفسیر و تشریح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی وہی قابل اعتماد ہے۔ کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے فہم و خرد پہ بھروسہ کر کے کسی آیت کی ایسی تاویل کرے جو ارشاد رسالتمآب کے خلاف ہو۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں۔

فالرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبین عن اللہ عزّ وجلّ مراده مما اجمله فی کتابه من احکام الصلوٰة والزکوٰة وغیر ذالك مما لم یفصله

(کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں مجمل احکام مثلاً نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کی مراد کو بیان کرنے والے ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے خود تفصیل بیان نہیں فرمائی۔)

(ضیاء القرآن ص ۵۷۲/۲)

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ ہر ہر چیز قرآن کریم میں مفصل اور روشن طور پہ بیان نہیں ہوئی۔ بلکہ بعض احکام مجمل ہیں جن کی تفصیل اور تشریح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کی ہے۔ اور اس تعبیر و تشریح کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

(۱۲) بریلوی مکتب فکر کے مشہور عالم۔ ادارہ منہاج القرآن کے ڈائریکٹر جناب پروفیسر طاہر القادری اپنے ایک طویل مضمون میں لکھتے ہیں کہ۔

قرآن میں قتلِ خطاء پر دیت ادا کرنے کا حکم ہے۔ لیکن دیت کتنی ہو۔ کس صورت میں اور کتنے عرصہ میں واجب الاداء۔ یہ تفصیلات قرآن نے بیان نہیں کیں۔

(اخبار روزنامہ نوائے وقت لاہور یکم ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ/ ۲۹ اگست ۱۹۸۴ء ص۹ کالم ۵)

ان تمام حوالوں سے یہ بات بالکل واضح اور مبرھن ہوگئی ہے کہ ہر ہر چیز قرآنِ کریم میں تفصیلاً مذکور نہیں ہے۔ لہٰذا مؤلف مذکور کا یہ صغریٰ کل شیٔ فی القرآن باطل ہوگیا۔ کہ ہر ہر چیز قرآن کریم میں روشن واضح اور مفصل طور مذکور ہے۔

وحادی عشر: مؤلف مذکور کا عوام الناس کو اپنے بڑوں کی پیروی میں بالتدریج کے لفظ سے لوری اور مغالطہ دینا سراسر باطل ہے۔ کیونکہ ہم ازالۃ الریب میں قرآن کریم کی آخری سورت سے دیگر حوالوں کے علاوہ وَمِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُھُمْ نَحْنُ نَعْلَمُھُمْ کی نص قطعی سے نفی علمِ غیب ثابت کر چکے ہیں۔

مؤلف مذکور نے اس آخری سورت سے یا کسی خبر متواتر سے کون سی نص قطعی ان منافقین کے علم اور اثبات علم غیب کی پیش کی ہے جس سے ان کا بالتدریج کا دعوٰی ثابت ہو؟ اور جو دلیلیں دفع الوقتی کے طور پر انہوں نے پیش کی ہیں ان کا حشر بھی ان شاء اللہ العزیز قارئین کرام بخوبی معلوم کرلیں گے اور ازالۃ الریب میں بھی ان کی حقیقت آشکارا کر دی گئی ہے جس کا ذکر تک بھی مؤلف مذکور نے نہیں کیا اور اسی میں ان کی خیر مضمر ہے۔ اسی طرح مندرجات لوحِ محفوظ اور جمیع جزئیات خمسہ کے دلائل کا حال بھی ان شاء اللہ تعالیٰ سامنے آجائے گا۔ اور عطائی اور حادث کے فرق سے کفر و شرک کی زد سے بچنے کے لیے جو راہِ فرار اختیار کی گئی ہے اس کا تذکرہ بھی بفضلہ تعالیٰ آرہا ہے۔ دلائل کے سمندر ہی سے براہین کے طوفان کا اندازہ لگ سکے گا۔ کنارے سے کچھ پتہ نہیں لگتا۔

؎ محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر
کہ ساحل سے کبھی اندازۂ طوفاں نہیں ہوتا

مؤلف مذکور کا دعویٰ ان کے معیار کے مطابق بھی قطعاً باطل ہے

مؤلف مذکور نے اپنے اعلیٰحضرت کی پیروی میں نفی علم غیب کی آیات قرآنیہ کے جواب سے مخلص اور راہ فرار یہ اختیار کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکمیلِ قرآن کریم کے ساتھ ابتدائے آفرینش سے تا دخولِ جنت و نار بلکہ کچھ زائد علم عطا کر دیا گیا تھا۔ اور نفی علم غیب کی آیات پہلے کی ہیں۔ لہٰذا وہ ہمارے دعوےٰ کے خلاف نہیں۔ مگر ان کا یہ دعویٰ سراسر مردود ہے۔ جس کے لیے بے شمار دلائل ہیں۔ اختصاراً ہم پانچ عرض کرتے ہیں۔

(۱) قرآن کریم کی آخری سورت التوبہ ہے۔ جس میں اس کی تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے رہنے والے بعض منافقین کو نہیں جانتے تھے۔ ان منافقین کے علم کی اس کے بعد کون سی آیت کریمہ نازل ہوئی ہے اُس کا حوالہ درکار ہے؟

(۲) حدیث جبرائیل علیہ السلام جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور سب غیر اللہ سے وقتِ قیامت کے علم کی نفی فرمائی ہے۔ (ازالۃ الریب ص۳۲۹ میں باحوالہ یہ حدیث موجود ہے اور ص۳۴۱ میں اس کی باحوالہ تصریح ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی یہ آمد تمام احکام کے نزول کے بعد تھی) اس کے بعد وہ کون سی صحیح حدیث وارد ہوئی ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے قیامت کا علم ثابت ہے؟ وہ صحیح و صریح حدیث مطلوب ہے جو اس کے بعد کی ہو۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل اپنی ذات سے قیامت کے علم کی نفی فرمائی ہے۔ یہ حدیث باحوالہ ازالۃ الریب ص۳۴۸ میں مذکور ہے۔ اس کے بعد کون سی صحیح حدیث اثباتِ علم وقتِ قیامت کے بارے میں آئی ہے؟

(۴) جب آپ شفاعت کبریٰ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کریں گے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے تعریف اور حمد کے وہ کلمات القاء فرمائے گا۔ جو مجھے اب مستحضر نہیں ہیں۔ یہ حدیث ازالۃ الریب ص۳۹۲ میں باحوالہ موجود ہے۔ اس کے برعکس وہ کون سی صحیح و صریح حدیث موجود ہے جس سے ثابت ہے کہ وہ کلمات وفات سے پہلے ہی آپ کو تبلا دیئے گئے تھے؟

(۵) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حوض کوثر پر تشریف فرما ہوں گے کہ فرشتے آپ کے نام لیوا بعض امتیوں کو قریب نہیں آنے دیں گے۔ آپ فرمائیں گے کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں اختیار کی ہیں۔ یہ حدیث اور اس کے مآخذ ازالۃ الریب ص۲۹۶ و ص۲۹۷ میں مفصل مذکور ہیں۔ اس کے بعد وہ کون سی حدیث صحیح آئی ہے جس سے ان اہل بدعت کی تفصیلی بدعات کا علم آپ کو ملا ہے۔

یہ تمام واقعات تکمیل قرآن کے بعد اور دخول جنت و نار سے قبل کے ہیں۔

فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہم نے تم پر یہ کتاب ہر شیٔ کا روشن بیان کرنے کے لیے اتاری۔

تبیاناً فرمایا بیاناً نہ فرمایا کہ معلوم ہو جائے کہ اس میں بیان اشیاء اس طرح پر ہے کہ اصلاً خفا نہیں الخ بلفظہٖ (ملفوظات حصہ اول ص۳۰ طبع کراچی)

معلوم نہیں کہ خانصاحب بیان اشیاء کے جملہ سے کیا مراد لے رہے ہیں؟ اگر مراد یہ ہے کہ تمام اشیاء میں سے ہر شیٔ کا قرآن کریم میں روشن بیان ہے کہ اصلاً خفا نہیں تو یہ معنیٰ قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ بے شمار اشیاء ایسی بھی ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں مذکور و موجود نہیں ہے۔ کما مرّ۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ قرآن کریم میں جتنی چیزیں مذکور ہیں ان میں سے کسی چیز میں خفا نہیں ہے۔ تب بھی باطل ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں حروف مقطعات اور متشابہات کا ذکر بھی ہے اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر مخلوق پر ان کے معانی مخفی ہیں۔ تو خانصاحب کا اصلاً خفا نہیں کا جملہ قطعاً غلط ہے۔ تفسیر جلالین میں ہے۔

وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ۔ لا یفهم معانیها کاوائل السور (ص۴۶) اور (محکمات کے علاوہ) دوسری آیات متشابہات ہیں کہ ان کے معانی نہیں سمجھے جا سکتے جیسا کہ سورتوں کی ابتداء (میں حروف مقطعات ہیں)

اور اس کے حاشیہ میں ہے کہ اکثر حضرات صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد آنے والے حضرات لَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ پر وقف کرتے ہیں۔ یعنی ان کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے بغیر

اور کوئی نہیں جانتا۔ اور امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ امت کا پہلا طبقہ اور اکابر اسی کے قائل تھے۔ اور اسی کو حضرات الائمۃ الفقہاء اور محدثین کرامؒ نے اختیار کیا ہے (محصلہ ص۴۶)

اور حضرت ملا جیون الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ

وذھب الاکثرون من الصحابۃ والتابعین واتباعھم ومن بعدھم خصوصاً اھل السنۃ والحنفیۃ الیٰ انہ یجب الوقف علیٰ قولہ الا اللہ الخ (التفسیرات الاحمدیۃ ص۱۲۸)	حضرات صحابہ کرامؓ۔ تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ اور ان کے بعد کی اکثریت اور علی الخصوص ان میں سے اہل السنت اور حنفیہ اس طرف گئے ہیں کہ اِلَّا اللّٰہ پر وقف واجب ہے (یعنی بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا)

اور متشابہات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ان المتشابہ اما لا یفھم منہ معنیً اصلاً مثل آلٓمٓ وغیر ذلک وسمی ھٰذہٖ مقطعات الیٰ قولہ اما المقطعات فی اوائل السور فتسعۃ وعشرون اھ (التفسیرات الاحمدیۃ ص۱۲۸)	بے شک ایک متشابہ تو وہ ہے جس کا معنیٰ بالکل معلوم نہیں ہو سکتا جیسے آلٓمٓ وغیرہ۔ اور اس قسم کا نام حروفِ مقطعات ہے۔ پھر آگے فرمایا کہ سورتوں کی ابتدا میں ایسے مقطعات انتیس ۲۹ ہیں الخ

معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم میں دیگر متشابہات کے علاوہ حروف مقطعات کا معنیٰ بھی جمہور کے نزدیک کسی کو معلوم نہیں اور ان کا مطلب مخفی ہے۔ لہٰذا خانصاحب کا یہ دعوےٰ کہ "بیان اشیاء اس طرح پر ہے کہ اصلاً خفا نہیں" قابل التفات نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور معتزلہ کا یہ خیال ہے کہ متشابہات کو علماءِ راسخین بھی (جو علم میں پختہ ہیں) جانتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کا عطف اِلَّا اللّٰہُ پر ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ مفسرانہ انداز میں ان کے قول کو جمہور کے قول کا ہمنوا بنانے کے لیے تطبیق یوں دیتے ہیں کہ بعض علماء یہاں تفصیل کرتے ہیں کہ (لفظ) تاویل قرآن کریم میں دو معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ ایک (حقیقۃ الشئ وما یؤول الیہ امرہ) شئی کی حقیقت اور اس کے انجام کو جاننا۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ

ان ارید بالتأویل ھذا فالوقف علی الجلالۃ لان حقائق الامور و کنھھا لا یعلمہ علی الجلیۃ الا اللہ عزوجل	اگر تأویل کا یہ معنی مراد ہو تو اِلَّا اللہ پر وقف ہوگا۔ کیونکہ اشیاء کی حقیقتوں اور ان کی ماہیتوں کو واضح طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

پھر آگے دوسرا معنی نقل کرتے ہیں کہ تأویل کا معنی تفسیر۔ بیان اور التعبیر عن الشئی بھی آتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اگر تأویل سے یہ مراد ہو تو وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ پر وقف ہوگا۔ کیونکہ جس چیز کا انہیں خطاب ہے اس اعتبار سے وہ اسے جانتے اور سمجھتے ہیں۔

وان لم یحیطوا علما بحقائق الاشیا علی کنہ ما ھی علیہ الخ	اگرچہ اشیاء کے حقائق کو جیسا کہ وہ اپنی ماہیت کے ساتھ ہیں وہ احاطہ نہیں کر سکتے۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۳۴۷ ج ۱)

اور اس مذکورہ بحث سے مؤلف مذکور کا کبریٰ وکل القرآن فی صدرہ علیہ السلام بھی باطل ہوگیا کہ جو چیز قرآن کریم میں مذکور ہے اس کا تفصیلی علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور جب قیاس کا صغریٰ اور کبریٰ دونوں باطل ہیں تو ان کا مطلوب نتیجہ ہرگز برآمد نہ ہوگا۔ اور قطع نظر کبریٰ کے بطلان کے قیاس اقترانی یوں ہوگا جو مؤلف مذکور کے دعویٰ کے سراسر خلاف ہے۔

لیس کل شیئ مذکور فی القرآن ۔ وکل مذکور فی القرآن فھو فی صدرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور نتیجہ سالبہ کلیہ ہی نکلے گا۔ لیس کل شیئ فی صدرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اس لحاظ سے بھی مؤلف مذکور کی منطق باطل ہوگئی ع منطق شہید ہوگئی میدانِ جنگ میں۔

خان صاحب کی نرالی تحقیق

قرآن کریم میں تورات کے بارے بھی وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْئٍ کا ارشاد وارد ہوا ہے۔ خانصاحب کے ایک عقیدتمند نے ان سے سوال کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ایک بندہ خدا (حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس ایک علم حاصل کرنے گئے تھے تو کیا یہ واقعہ تورات کے ملنے سے قبل کا ہے یا بعد کا ؟ اگر قبل کا ہو تو بات سمجھ آسکتی ہے۔ اور اگر

بعد کا مانا جائے تو یہ اعتراض لازم آئے گا کہ توراۃ کے ملنے کے بعد جب سب تفصیل حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہو چکی تھی تو اس بندۂ خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیلِ علم سے کیا فائدہ تھا؟ چنانچہ خود ان کے الفاظ میں سوال و جواب ملاحظہ فرمائیں۔

عرض: اگر اس کو توریت مقدس سے بعد کا مانا جائے تو یہ اعتراض لازم آئے گا کہ توریت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ جب توریت تفصیل کل شیٔ ہے تو دوسرے سے علم حاصل کرنے کی کیا ضرورت؟

ارشاد: کوئی اعتراض نہیں۔ توریت کا تفصیل کل شیٔ ہونا فرمایا ہے۔ اس تفصیل کا باقی رہنا کہیں نہیں فرمایا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب توریت لے کر آئے یہاں دیکھا کہ لوگ گئوسالہ کے آگے سجدہ کرتے اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔ آپ کی شانِ جلال کی یہ حالت تھی کہ جس وقت جلال طاری ہوتا ادھر کنز آگ کا شعلہ کلاہ مبارک سے اوپر کو اٹھتا۔ جلال میں آکر الواح توریت پھینک دیں۔ وہ ٹوٹ گئیں۔ امام مجاہدؒ تلمیذ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ تفصیل کل شیٔ اٹھ گئی۔ صرف احکام باقی رہ گئے۔ بلفظہٖ۔

(ملفوظات حصہ سوم صـ طبع کراچی)

الجواب: جوابات تو قارئین کرام نے بہت کچھ سُنے ہوں گے مگر اس جواب کی تو مثال ہی نہیں اوّلاً۔ اس لیے کہ خانصاحب کے اس شیدائی نے قرآن کریم کے الفاظ بدلے۔ اور قرآن کی لفظی تحریف کی۔ مگر خانصاحب نے چپ سادھ لی۔ نہ تو اس کی غلطی بتائی اور نہ اصلاح کی جگہ خانصاحب اپنے مزاج کے لحاظ سے اپنے مخالفین کی ادنیٰ ترین غلطی کو بھی معاف نہیں کرتے اور درگزر کرنے پر کبھی بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ مگر یہاں قرآن کریم کی لفظی تحریف کو خاموش تماشائی بن کر گوارا کر لیا ہے۔ قرآنِ کریم کے اصل الفاظ لِکُلِّ شَیْءٍ کے بعد یہ ہیں۔ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ۔ (پ ۸۔ الانعام۔ ۱۹)

اور ہدایت و رحمت کہ کہیں وہ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں (یہ ترجمہ خانصاحب کا ہے کنزالایمان ۲۴۶) بلقاء ربھم کے جملہ کو لقوم سے بدل ڈالا ہے اور خانصاحب اس پر بالکل چپ سادھے بیٹھے ہیں۔ وثانیاً حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تورات لائے اور خداوند عزیز کی توحید کو بگڑتے دیکھ کر جلال میں آگئے اور تورات کی تختیاں جلدی سے نیچے رکھ اور ڈال دیں (اور اسی کو اَلْقَی الْاَلْوَاحَ سے تعبیر کیا گیا ہے) تاکہ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکڑنے کے لیے ہاتھ خالی ہو جائیں۔ اور اس کے بعد یہ خیال کرتے ہوئے کہ چونکہ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام حلیم الطبع اور نرم مزاج ہیں۔ شاید ان کی نرمی سے قوم نے گئو سالہ پرستی شروع کر دی ہو۔ ان کا سر مبارک اور داڑھی مبارک پکڑلی اور اپنی طرف کھینچا۔ مگر جب ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحیح صورت حال سامنے پیش کی تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غصہ تھم گیا۔ اور پھر تورات کی وہی تختیاں جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکجا ملی تھیں پکڑ لیں۔ اور قوم کے سامنے پیش کیں۔ مگر خانصاحب کے اس بے وزن جواب کے مطابق تورات کی تفصیل تو اڑ گئی۔ قوم بے چاری تو اس تفصیل سے بالکل محروم رہی۔ اور رب تعالیٰ کا اس تفصیل کو اپنا انعام و احسان بتلانا بیکار رہا۔ اور اس تفصیل کے اترنے کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوا۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے۔

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ

اور ہم نے اس کے لیے تختیوں میں لکھدی ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل۔ اور فرمایا اے موسیٰ اسے مضبوطی سے لے اور اپنی قوم کو حکم دے کہ اسکی اچھی باتیں اختیار کریں۔

(پ ۹۔ الاعراف ۔ ۱۷)

(یہ ترجمہ خانصاحب کا ہے اور لفظی ترجمہ میں انہوں نے اور فرمایا اے موسیٰ کے الفاظ زائد کر کے عبارت کی ہے)

اس میں تصریح ہے کہ تورات کی وہی الواح جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملی تھیں اور جن میں ہر دینی حاجت و ضرورت کی تفصیل تھی وہی انہوں نے قوم کے سامنے پیش کیں

اور اسی کے وہ مکلف و پابند بھی تھے۔ اور یہ بات قابلِ سماعت نہیں کہ احکام تو باقی رہ گئے تھے مگر تفصیل کل شیئ اُڑ گئی تھی۔ چنانچہ حضرت امام فخر الدین الرازیؒ (المتوفی ۶۰۶ھ) فَخُذْھَا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

وظاھر ھذا یدل علیٰ ان شیئاً منھا لم ینکسر ولم یبطل وان الذی قیل ان ستة اسباع التوراة رفعت الی السماء لیس الامر کذلک (تفسیر کبیر ص ۱۵ ج ۴)

اور اس کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ الواح میں سے کوئی شیئ نہیں ٹوٹی۔ اور نہ ضائع ہوئی ہے اور جو یہ کہا گیا کہ تورات کے سات حصوں میں سے چھ آسمان کی طرف اٹھا لیے گئے تھے بالکل بے اصل بات ہے۔

وثالثاً:۔ جس روایت کا خان صاحب نے حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے

عن خصیف عن مجاھدؒ اوسعیدؒ بن جبیرؒ قال کانت الالواح زمردا فلما القی موسٰی الالواح بقی الھدی والرحمة وذھب التفصیل (تفسیر ابن جریر ص ۶۶ ج ۹)

خصیفؒ حضرت مجاہدؒ یا حضرت سعیدؒ بن جبیرؒ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ تختیاں زمرد کی تھیں، جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ پھینکیں تو ہدایت و رحمت تو باقی رہ گئی اور تفصیل اُڑ گئی۔

مگر اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ اولاً تو اس لیے کہ خود راوی کو تردد ہے کہ یہ روایت حضرت مجاہدؒ سے ہے یا حضرت سعیدؒ بن جبیرؒ سے۔ اور خانصاحب قطعیت کے ساتھ حضرت مجاہدؒ کا نام لیتے ہیں اور یہ اصولِ نقل کے خلاف ہے۔ اور دوسرے اس لیے کہ یہ دونوں بزرگ تابعی ہیں، صحابی بھی نہیں۔ تو غیر معصوم اور غیر محفوظ کی روایت سے قطعیات کو اڑانے کا کیا معنیٰ؟ اور تیسرے اس لیے کہ قطع نظر اس سند کے دیگر رواۃ کے خصیف میں خاصا کلام ہے۔ اگرچہ حضرات محدثین کرامؒ کی ایک جماعت نے ان کی توثیق بھی کی ہے لیکن جم غفیر انکی تضعیف کرتا ہے۔ چنانچہ

حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ سے ان کے بارے ضعیف الحدیث۔ لیس بحجة۔ ولاقوی فی الحدیث۔ لیس بذالک اور شدید الاضطراب کے الفاظ مروی ہیں۔ اور امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں کہ صالح تھے مگر اختلاط اور سوءِ حفظ کا شکار تھے۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں۔ صالحؒ اور نیز فرمایا

لیس بالقوی۔ امام یحییٰؒ بن سعیدؒ ان کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ قابلِ اعتبار تھے لیکن وہم کا شکار تھے۔ امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس کی حدیث سے گریز کرتے ہیں۔ امام ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث قابلِ احتجاج نہیں ہے۔ امام ابو احمد الحاکمؒ فرماتے ہیں۔ لیس بالقوی۔ اور امام ازدیؒ فرماتے ہیں۔ لیس بذالک۔ اور امام ابن حبانؒ کا فیصلہ ہے کہ ان کو ائمہ حدیث کی بڑی جماعت نے ترک کر دیا ہے اور کچھ حضرات نے ان سے احتجاج بھی کیا ہے وہ شیخ۔ صالح، فقیہہ اور عابد تھے مگر روایت بیان کرنے میں کثیر الخطأ تھے۔ اور مشہور حضرات سے ایسی روایات بھی بیان کرتے تھے جن میں ان کا کوئی متابع نہیں ہوتا تھا۔ اور وہ روایت بیان کرنے میں صدوق ہیں۔ مگر انصاف کی بات یہ ہے۔

قبول ما وافق الثقات فی الروایات وترك ما لم یتابع علیه (تہذیب التہذیب ص۱۴۳ ج۲ و ص۱۴۴ ملخصاً) کہ ان کی جو روایت ثقات کے موافق ہوگی وہ قبول ہو سکتی ہے۔ اور ان کی جن روایات پر متابع موجود نہ ہو ان کو ترک کیا جائے گا۔

قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ ایسے راوی کی بات سے تورات کی تفصیل کل شیٔ کیسے اڑ گئی؟ یا اڑ سکتی ہے؟

جب کہ خود خانصاحب کا ارشاد یہ ہے کہ

ان نصوص القرآن لا تعارض بالاحاد (الفیوض الملکیۃ علی الدولۃ المکیۃ ص۱۵۲) بے شک قرآن کریم کی نصوص کا معارضہ اخبار آحاد سے نہیں کیا جا سکتا۔

اور نیز لکھتے ہیں کہ عمومِ آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار آحاد سے استناد محض ہرزہ بافی۔ (انباء المصطفٰے ص۷)

جب اخبار آحاد سے آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت اور معارضہ محض ہرزہ بافی ہے تو اقوال تابعینؒ سے جب کہ وہ بھی سنداً ضعیف ہیں معارضہ کا کیا معنٰی؟ فریق مخالف کے مولانا پروفیسر طاہر القادری صاحب۔ عورت کی دیت پر بحث کرتے ہوئے ایک حدیث کے بارے لکھتے ہیں

اور اس حدیث کی حیثیت یہ ہے کہ امام بیہقیؒ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد خود ہی فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور اس کی سند ثابت نہیں ہے، لہٰذا اقوال

صحابہؓ کی اسناد میں ضعف۔ انقطاع اور کمزوری ہے۔ یہ اقوال بھی صحت۔ اتصال اور قوی سند کے ساتھ ثابت نہیں اور یوں فقہاءؒ وائمہؒ کے اقوال کی ایسی حجت از روئے شریعت باقی نہیں رہ جاتی۔ الخ
(اخبار نوائے وقت یکم ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ/۲۹ اگست ۱۹۸۴ء کالم ۵ صـ۸)

ظاہر امر ہے کہ جب ضعیف حدیث اور اقوال صحابہؓ جو صحت۔ اتصال اور قوی سند سے ثابت نہ ہوں شرعاً حجت نہیں تو تابعینؒ کے ضعیف اقوال کی نصوص قطعیہ قرآنیہ کے مقابلہ میں کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

ان کے پیچھے نہ چلو ان کی تمنا نہ کرو   سائے پھر سائے ہیں کچھ دیر میں ڈھل جائیں گے

حضرات مفسرین کرامؒ جب اس نے کی یہ بات نقل کرتے ہیں تو تمریض کے الفاظ روی سے نقل کرتے ہیں مثلاً (السراج المنیر صـ۵۱۹ ج۱۔ ابوالسعود صـ۱۹۸ ج۲ و کشاف صـ۱۵۱ ج۲ و کبیر صـ۱۵۱ ج۱۵ وغیرہ) اور تفسیر ابن جریر صـ۶۶ ج۹ میں وقیل کے الفاظ ہیں۔ اور علامہ بغویؒ فرماتے ہیں قالت الرواۃ الخ
(معالم التنزیل صـ۲۹ ج۲)

یعنی رواۃ یوں کہتے ہیں۔ اور علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔

واختلفت الروایات فی مقدار ما تکسر ورفع وبعضهم انکر ذلک حیث ان ظاهر القرآن خلافه اھ

اور روایات تختیوں کے ٹوٹنے اور اُڑ جانے کی مقدار میں مختلف ہیں۔ اور بعض مفسرین کرامؒ نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ ظاہر قرآن کریم کے خلاف ہے

(روح المعانی صـ۶۶ ج۹ ومثله فی در منثور صـ۱۲۷ ج۳)

اور بالکل ظاہر بات ہے کہ قرآن کریم سے تورات کی کسی تختی کے اُڑنے کا کوئی ثبوت بلکہ اشارہ تک بھی نہیں ملتا۔ بلکہ بقول امام فخر الدین الرازیؒ اور امام خطیب شربینیؒ یہ بڑی جرأت کی بات ہے

ولقائل ان یقول لیس فی القرآن الا انه القی الالواح فاما انه القاها بحیث تکسرت فهذا لیس فی القرآن وانه لجراۃ عظیمۃ علی کتاب اللہ تعالٰی ومثله لا

اور قائل کو حق ہے کہ کہے کہ قرآن کریم میں تو صرف یہ ہے کہ حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تختیاں پھینکیں۔ مگر قرآن کریم میں ہرگز یہ نہیں کہ تختیاں ٹوٹ گئیں (اور اُڑ گئیں) اور یہ قرآن کریم کے خلاف بہت بڑی جرأت کی بات ہے اور

یلیق بالانبیاء علیہم السلام۔ (تفسیر کبیر ص۱۵ ج ۱ والسراج المنیر ص۵۱۹ ج ۱)

ایسی کارروائی حضرات انبیاء کرام علیہم والصلوٰۃ والسلام کی شان کے خلاف ہے۔

تفسیر در منثور ص۱۲۷ ج ۳۔ روح المعانی ص۶۶ ج ۹ اور تفسیر مظہری ص۴۶۳ ج ۳ میں ہے۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم لیس الخبر کالمعاینۃ ان اللّٰہ تعالیٰ اخبر موسیٰ بما صنع قومہ فی العجل فلم یلق الالواح فلما عاین ما صنعوا القی الالواح فانکسرت رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط والحاکم بسند صحیح۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اللّٰہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کی گئو سالہ پرستی کی خبر دی تو انہوں نے تختیاں نہ پھینکیں۔ لیکن جب آنکھوں سے ان کی کارروائی دیکھی تو تختیاں پھینک دیں اور وہ ٹوٹ گئیں۔

یہ روایت مسند احمد ص۲۱۵ ج ۱ میں بھی ہے۔ مگر صرف اتنے ہی الفاظ ہیں لیس الخبر کالمعاینۃ۔ اور مستدرک ص۳۲۱ ج ۲ و ص۳۸۰ ج ۲ میں بھی مذکور ہے۔ اور دونوں مقامات پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دو فرماتے ہیں صحیح علی شرط الشیخین۔ اور دونوں جگہ القی الالواح کے الفاظ موجود ہیں مگر ٹوٹنے کے نہیں ہیں۔ اور القی الالواح کے الفاظ تو قرآن سے بھی ثابت ہیں۔ غالباً فانکسرت کے لفظ طبرانی میں ہوں گے۔ لیکن طبرانی کی کتابیں طبقۂ ثالثہ میں ہیں (عجالۂ نافعہ ص۷ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) اور نصوص کے خلاف ان جیسی روایات کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

الغرض کسی صحیح مرفوع حدیث میں ان تختیوں سے تفصیل کے اٹھائے جانے کا تو قطعاً کوئی ثبوت نہیں۔ اور اگر بالفرض کوئی روایت ثابت بھی ہو جائے تو اس خبر واحد سے نص قطعی سے ثابت شدہ امر کو کیسے اُڑایا جا سکتا ہے؟ چنانچہ خانصاحب خود لکھتے ہیں کہ

نہ حدیث آحاد اگرچہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو عموم قرآن کی تخصیص کر سکے الخ (انباء المصطفیٰ ص۴)

جب حدیث شریف سے جو خبر واحد ہو تخصیص نہیں ہو سکتی تو حضرت مجاہدؒ تابعی کے منداً

ضعیف قول سے تَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ کی تختی کیسے ٹوٹ گئی؟ یا ٹوٹ سکتی ہے؟ مگر یہ کہ یہ کہا جائے

ع میں وہ جواں ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں

یہی وجہ ہے کہ خانصاحب کا شیدائی بھی ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہے۔ چنانچہ ملفوظات میں ہی ہے۔

عرض :۔ حضور یہ امام مجاہدؒ کا قول ہے اور وہ بھی خبر آحاد ہے۔

ارشاد :۔ تو اس سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ ان کا قول نہ مانا جائے۔ قرآن ایک حرف نہیں چل سکتا تاوقتیکہ احادیث اور ائمہ کے اقوال کو نہ مانا جائے۔ بلفظہٖ

(ملفوظات حصہ سوم مٹ طبع کراچی)

قارئین کرام! انصاف سے فرمائیں کہ شیدائی نے کیا کہا؟ اور ان کے اعلیٰ حضرت نے کیا جواب دیا؟ شیدائی بے چارہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ توریت کے بارے میں وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ کا ثبوت تو نصّ قطعی سے ہے۔ اور نصّ قطعی کی تخصیص خبر واحد سے گو وہ کیسی ہی صحیح کیوں نہ ہو درست نہیں۔ تو حضرت مجاہدؒ کے سنداً ضعیف قول سے (جو خبر واحد صحیح سے بھی بہت کمتر اور ادنیٰ ہے) تورات کی تفصیل کلّ شیءٍ کیسے اور کیونکر اڑ گئی؟ شیدائی کا سوال بڑا وزنی ہے مگر ان کے اعلیٰحضرت جان چھڑانے کے لیے یوں دفع الوقتی کر رہے ہیں کہ کیا حضرت مجاہدؒ کا قول نہ مانا جائے؟ احادیث اور ائمہ کے اقوال کے بغیر قرآن ایک حرف نہیں چل سکتا۔ خانصاحب نے یہ بڑا نرالا اور عجیب جواب دیا ہے۔

اوّل :۔ تو اس لیے کہ اگر قرآن کریم میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے اور ہر چیز کا اس میں جدا جدا اور روشن بیان ہوا ہے جیسا کہ ان کا بے بنیاد دعوٰی ہے تو قرآن کریم کے احادیث اور اقوال ائمہؒ پر موقوف ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا واضح طور پر مطلب یہ نہیں کہ قرآن کریم سارا نہ سہی کچھ حصہ ضرور مجمل ہے مفصل نہیں۔ اور اس کا سمجھنا احادیث اور اقوال ائمہ پر موقوف ہے اور اس کے بغیر قرآن ایک حرف بھی نہیں چل سکتا۔ اس سے خود بخود غیر شعوری پر ان کے اعلیٰحضرت کے اس غلط دعوٰے کی تردید ہو جاتی ہے۔ کہ قرآن میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے اور اسمیں ہر چیز کا روشن اور واضح بیان ہے۔

اور دومؔ: اس لیے کہ خبر واحد اور اقوال حضرات ائمہؒ سے نہ تو نص قطعی کی تخصیص ہو سکتی ہے اور نہ خبر واحد اور قول امام سے نص قطعی کو اُڑایا جا سکتا ہے۔ سائل کا سوال حضرت مجاہدؒ کے قول سے نص قطعی کے اُڑانے کا بدستور باقی ہے۔ اور اس کا جواب اعلیٰحضرت کچھ بھی نہیں دے سکے۔ اس کا سوال فہم معانی و مطالب کا نہیں تاکہ احادیث اور اقوال حضرات ائمہ کا سہارا لیا جائے۔ کہ ان کے بغیر قرآن کریم سمجھا نہیں جا سکتا اور ایک حرف بھی نہیں چل سکتا۔ بلکہ اُس کا سوال حضرت مجاہدؒ کے قول سے نص قطعی سے ثابت شدہ تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ کے اُڑنے کا ہے جو بدستور باقی ہے۔

خانصاحب نے تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ سے استدلال کے بارے میں عجیب و غریب پینترے بدلے ہیں مگر علمی بھنور سے بالکل نہیں نکل سکے۔ اور خود اپنے حواریوں کے ذہن صاف نہیں کر سکے۔ چنانچہ مزید ملاحظہ فرمائیں۔

عرض: حضور اسی طرح قرآن کو فرمایا گیا ہے۔ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ یہ نہیں فرمایا گیا کہ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ باقی رہے گا۔ تو علم مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کس طرح ثابت ہوگا؟

ارشاد: بلاشبہ اگر اس کے خلاف کسی حدیث میں آیا ہو کہ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ باقی نہ رہا تو مان لیا جائے گا۔ لیکن خلاف آنا تو درکنار احادیث صحیحہ میں اس کی تائید ہی آئی ہے۔ البتہ مطلقاً علم غیب کا منکر کافر ہے۔ کہ وہ سرے ہی سے نبوت کا منکر ہے۔ نبوت کہتے ہیں علم غیب دینے کو۔ امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں فرماتے ہیں النبوۃ ہی الاطلاع علی الغیب۔ امام ابن حجر مکیؒ مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں النبوۃ ماخوذۃ من النبأ بمعنی الخبر ای اطلعہ اللہ تعالیٰ علی الغیب۔ نبوت غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے۔

بلفظہٖ (ملفوظات حصہ سوم ص۶ و ص۷ طبع کراچی)

الجواب:۔ اس عبارت اور جواب میں خانصاحب نے سائل کو علمی چکہ دیکر اوری دی ہے۔ تفصیل تو ازالۃ الریب میں مذکور ہے۔ یہاں ہم اختصاراً چند باتیں عرض کرتے ہیں۔

(۱) قرآن کریم میں جو اصول دین، ضوابط اور قواعد بیان کیے گئے ہیں اس حد تک وہ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ باقی رہے گا۔ لیکن جو

اشیاء و امور قرآن کریم میں مذکور نہیں نہ تو وہ ان کے لیے تِبْیَانًا ہے ۔ اور نہ ان کی تبیان کی بقاء کا سوال ہی پیدا ہوتا ہے ۔ بلا دلیل ان کو بھی شامل کر کے ان کی تبیان کی بقاء کا دعوٰے باطل ہے ۔

(۲) جب قرآن کریم میں ہر ہر چیز کا ذکر نہیں تو مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کے علم کا اثبات قطعاً غلط ہے ۔

(۳) احادیث صحیحہ تو درکنار ہیں خود قرآن کریم کی نصوص قطعیہ مثلاً لا تعلمھم وغیرھا ۔ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ کی نفی کرتی ہیں ۔ اور احادیث اس پر مستزاد ہیں ۔ جن میں سے ایک حدیث مفصل طور پر ازالۃ الریب صـ۳۲۷ تا صـ۳۴۷ میں اور دوسری صـ۳۴۸ میں مذکور ہے ۔ اسی میں ملاحظہ کر لیں ۔

(۴) کوئی مسلمان اخبار الغیب اور انباء الغیب کا منکر نہیں ہے ۔ جن کا نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے اثبات ہے ان کو ہر مسلمان تسلیم کرتا ہے لیکن ان میں از ارض تا سماء از شرق تا غرب از عرش تا فرش ہر ہر ذرہ داخل نہیں ہے ۔ جیسا کہ خانصاحب اور ان کے اتباع کا غلط دعوٰی ہے ۔

(۵) امام قاضی عیاضؒ ۔ امام ابن حجر مکیؒ اور امام قسطلانیؒ کی عبارات میں اطلاع علی الغیب سے ہر ہر ذرہ مراد نہیں ہے ۔ جیسا کہ خانصاحب کا بے بنیاد دعوٰے ہے بلکہ امور غیبیہ اور انباء الغیب مراد ہیں ۔ امام قاضی عیاض مالکیؒ سے نفی علم غیب کے حوالے ازالۃ الریب صـ۹۴ و صـ۹۵ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں ۔ اور امام ابن حجر مکی رہ اور امام قسطلانیؒ کا نفی علم غیب پر حوالہ ازالۃ الریب صـ۷۶ و صـ۳۴ وغیرہ میں دیکھیں مزید ملاحظہ فرمائیں خانصاحب کا ایک شیدائی دریافت کرتا ہے ۔

عرض :- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا ۔ جب کہ اس کے الفاظ محفوظ ہوئے تو معانی کی حفاظت ضرور کہ معانی الفاظ سے منفک نہیں ہو سکتے ۔ اور قرآن عظیم کی صفت تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہے تو قرآن عظیم ہی سے تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ کا دوام ثابت ہو گیا ۔

ارشاد: قرآن عظیم کے الفاظ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا اگرچہ معانی ان الفاظ کے ساتھ ہیں لیکن ان معانی کا علم ہونا کیا ضرور؟ نبی کلام الٰہی کے سمجھنے میں بیانِ الٰہی کا محتاج ہوتا ہے ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ اور یہ ممکن ہے کہ بعض آیات کا نسیان ہوا ہو۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ۔ بلفظہٖ (ملفوظات حصہ سوم ص۸۰)

الجواب: قارئین کرام غور سے ملاحظہ فرمائیں کہ خانصاحب نے اپنے اختراعی عقیدہ کی حفاظت کے لیے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن کریم کے الفاظ کے معانی سے بھی بے خبر تسلیم کر لیا۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) اگر الفاظ قرآن کریم سے متشابہات اور حروف مقطعات مراد ہیں کہ ان کے معانی معلوم نہیں تھے جیسا کہ جمہور علماء کی تحقیق ہے تو خانصاحب کو اس کی تصریح کرنی چاہیئے تھی اور اس سے خانصاحب کا یہ باطل نظریہ رد ہو جاتا کہ ہر چیز قرآن میں مفصل واضح اور روشن طور پہ مذکور ہے کہ اصلاً کوئی خفا نہیں مگر وہ الفاظ عموم کے استعمال کرتے ہیں جس سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متشابہات اور حروف مقطعات کے علاوہ بھی الفاظ قرآن کے معانی سے بے خبر تھے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) اور اپنے خانہ ساز عقیدہ کے اثبات کی خاطر قرآن کریم کی بعض آیات کے نسیان کا مرتکب بھی آپؐ کو مانا (العیاذ باللہ تعالیٰ) غیر مسلم جب یہ جواب پڑھیں گے تو اس سے قرآن کریم کی صداقت اور حقانیت کے بارے میں وہ کیا تاثر لیں گے؟ یہ تو ایسا ہی جواب بلکہ شوشہ ہے جیسا کہ بعض غلط کار لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم مکمل نہیں ناتمام ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کے کچھ اوراق حضرت عائشہؓ کی بکری کھا گئی تھی۔ اور اس کے لیے ابن ماجہ ص۱۴۱ اور دار قطنی ص۵۰۰ ج۲ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں محمد بن اسحاق کذاب اور دجال راوی ہے۔ ملاحظہ ہو (تہذیب التہذیب ص۴۱ و ص۴۵ ج۹ وغیرہ) مگر ایسی مصنوعی روایتوں سے قرآن کریم کی حقانیت پر کیا زد پڑتی؟ یا پڑ سکتی ہے؟ ؎

طویل رات بھی آخر کو ختم ہوتی ہے ۔۔۔ شریف ہم نہ اندھیروں سے مار کھائیں گے

خان صاحب کی اپنے اس جملہ سے کہ اور یہ ممکن ہے کہ بعض آیات کا نسیان ہوا ہو۔
الّا ماشاء اللہ کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ جن آیات کی اللہ تعالیٰ کو نسخ مقصود تھی
انہیں آپ بھول گئے۔ اور بھول جانے کے بعد وہ آپ کے علم سے خارج ہو گئیں۔
اور ذرہ ذرہ سے اس وقت آپ کا علم وابستہ نہ رہا۔ اور آپ کے علم سے غائب ہو
گئیں تو بجا ہے مگر اس وقت غیب کے علم سے آپ کا اتصاف کیا رہا؟ اور
اگر عارضی طور پر نسیان مراد ہے تب بھی اس نسیان کے وقت آپ علم غیب
سے متصف نہ رہے۔ اور خان صاحب کا یہ ارشاد باطل ہو گیا۔
کہ حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کو اللہ تعالےٰ
عزّوجلّ نے تمام موجودات جملہ ماکان ومایکون الی یوم القیامۃ جمیع مندرجات لوح
محفوظ کا علم دیا اور شرق وغرب وسماء وارض وعرش وفرش میں کوئی ذرّہ حضور کے
علم سے باہر نہ رہا۔ وللہ الحجۃ السامیۃ۔ بلفظہٖ
(انباء المصطفیٰ ص ۴)

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ منسوخ التلاوت آیات بھول اور نسیان کی صورت میں آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذہن مبارک سے اٹھا اور مٹا دی گئی تھیں نہ کہ لوح محفوظ سے تو پھر
بھول اور نسیان کی صورت میں جمیع مندرجات لوح محفوظ کے علم کا کیا مطلب؟ ہم تو اس
تضاد بیانی کے سمجھنے سے سراسر قاصر ہیں۔ اور شاید اور بھی اس سے عاجز ہی ہوں۔ ؎

سبھی کو اپنے غم ہوتے ہیں لیکن مجھے جو غم ہے وہ میرا نہیں ہے

مسئلہ نسیان

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں قرآن کریم کے بھولنے کے بارے میں شرّاح
حدیث نے خاصی بحث کی ہے۔
نسیان کی ایک صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت جس کا منسوخ کرنا اللہ تعالےٰ
کو منظور ہو آپ کے ذہن مبارک سے کلیتہً نکال دے یہ بھی جائز ہے۔ اور الّا ماشاء اللہ کی
استثناء کے مطابق یہ بھی نسخ کی ایک قسم ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عارضی طور پر توجہ نہ ہونے کی وجہ سے نسیان ہو جائے۔ اور کسی کے توجہ دلانے پر یاد آجائے۔ یہ بھی جائز ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

سمع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قارئاً یقرأ من اللیل فی المسجد فقال یرحمہ اللہ لقد اذکرنی کذا وکذا آیۃً اسقطتھا من سورۃ کذا وکذا (بخاری ص۷۵۴ ج۲)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رات کے وقت مسجد میں ایک شخص سے قرآنِ کریم پڑھتے ہوئے سنا تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اس نے مجھے فلاں اور فلاں آیت یاد کرادی جس کو میں فلاں اور فلاں سورت سے بھلا چکا تھا۔

اور ایک روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

یرحمہ اللہ لقد اذکرنی کذا وکذا آیۃ من سورۃ کذا (بخاری ص۷۵۳ ج۲)

اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے بلاشبہ اس نے فلاں سورت کی فلاں اور فلاں آیت مجھے یاد کرادی۔

اور ایک روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا کہ

یرحمہ اللہ لقد اذکرنی کذا وکذا آیۃ کنت انسیتھا من سورۃ کذا وکذا (بخاری ص۷۵۳ ج۲)

اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے بے شک اس نے فلاں اور فلاں سورت کی فلاں اور فلاں آیت مجھے یاد کرادی۔ جو میں بھلا دیا گیا تھا۔

ان صریح روایات سے معلوم ہوا کہ عارضی طور پر توجہ نہ ہونے کی وجہ سے آپ کسی سورت کی بعض آیات بھول گئے تھے۔ اور ایک پڑھنے والے کے (جو حضرت عبد اللہ بن زید انصاریؓ تھے) پڑھنے سے وہ آپ کو یاد آگئیں۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ جن آیات کی ابھی تبلیغ نہیں کی اور نسخ بھی ان کی مطلوب نہیں تو ان میں نسیان اور بھول جائز نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال الاسمٰعیلی النسیان من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لشیئ من

امام اسماعیلیؒ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن کریم کا بھول جانا دو قسم پر ہے۔ ایک ایسا بھولنا

القرآن على قسمين احدهما
نسيان الذى يتذكره عن قرب
وذلك قائم بالطباع البشرية
وعليه يدل قوله صلى الله
تعالى عليه وسلم وانما انا بشر
انسى كما تنسون والثانى ان
يرفعه الله عن قلبه على
ارادة نسخ تلاوته وهذا المشار
اليه فى قوله تعالى سَنُقْرِئُكَ فَلَا
تَنْسٰى اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ واما القسم
الاول فعارض سريع الزوال الظاهر
من قوله تعالى اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ
وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ٥ واما الثانى
فداخل فى قوله تعالى مَا نَنْسَخْ
مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا الآية الى قوله
فان قلت كيف جاز عليه صلى
الله تعالى عليه وسلم نسيان
القرآن قلت الانساء ليس باختيار
وقال الجمهور جاز عليه النسيان
فيما ليس طريقه الابلاغ والتعليم
بشرط ان لا يقر عليه بل لابد
ان يذكره واما غيره فلا يجوز
قبل التبليغ واما نسيان ما بلغه

جو جلدی یاد آجائے اور یہ بشری طبائع میں قائم ہے
اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ بلاشک
میں بشر ہوں اور بھول جاتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو
اس کی دلیل ہے۔ اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کے
دل مبارک سے نسخ کے ارادہ سے اس کی تلاوت اٹھا
دے اور اسی طرف اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ ہم تجھے
پڑھائیں گے سو تو نہیں بھولے گا۔ مگر جو اللہ تعالیٰ
چاہے۔ باقی رہی پہلی قسم تو وہ عارضی ہے۔ جلدی
زائل ہونے والی ہے (اور یہ حفاظت قرآن کریم کے
خلاف نہیں) جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے
ظاہر ہے کہ بے شک ہم ہی نے قرآن کریم نازل
کیا اور ہم ہی البتہ اس کے محافظ ہیں۔ رہی دوسری
قسم تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہے
جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے
ہیں الآیۃ (پھر آگے فرمایا) اگر تو کہے کہ آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن کریم کا نسیان کیسے
جائز ہوا؟ تو میں جواب میں کہتا ہوں کہ بھلا دینا
اختیاری چیز نہیں ہے۔ اور جمہور فرماتے ہیں کہ جو
چیز تبلیغ وتعلیم کی مد میں نہیں اس میں آپ پر
نسیان طاری ہونا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس پہ برقرار
نہ رہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ وہ آپ کو یاد آجائے اور
باقی رہی وہ جو اس کے سوا ہیں تو تبلیغ سے پہلے آپ
کے حق میں اس کا نسیان جائز نہیں ہے اور جس چیز

کما فی ھذا الحدیث فھو جائز بلا خلاف۔ (کذا فی الفتح ج۱۰ ص۴۶۳ ھامش بخاری ج۲ ص۵۲۷ وراجع ھامش بخاری ج۲ ص۵۲۴) کی تبلیغ کر چکے ہوں جیسا کہ اس حدیث میں ہے تو اس میں آپ سے نسیان جائز ہے۔ اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دلیل ۲ ؛ مَا كَانَ حَدِيثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ (سورۂ یوسف) نہیں ہے وہ قرآن گھڑی ہوئی بات اور لیکن تصدیق ہے پہلی کتابوں کی اور تفصیل ہے ہر چیز کی۔

اس آیت کریمہ میں بھی قرآن کریم کو ہر چیز کی تفصیل قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں بھی لفظ کل ہے۔ جس کے بعد شیءٍ نکرہ ہے جو مفید استغراق ہے اور احناف کے نزدیک عام خاص کی طرح قطعی ہے بلا دلیل اس کی تخصیص ہرگز جائز نہیں یہاں بھی قیاس اقترانی کی شکل میں شکل اول بن کر نتیجہ موجبہ کلیہ ہی برآمد ہوگا مزید یہ کہ بیضاوی اور خازن میں لکھا ہے (ہم ان کے ترجمہ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ صفدر) ترجمہ یعنی قرآن میں ہر امر دینی کی سند بالواسطہ یا بلا واسطہ مراد ہے اور حلال و حرام حدود و احکام واقعات نصائح مثالیں وغیرہ۔ اور اہل علم جانتے ہیں کہ لفظ غیر ایسا شدید نکرہ ہے کہ اضافت کے بعد بھی اس کی نکارت زائل نہیں ہوتی اس لیے امور مذکورہ میں حصر کرنا جہالت ہوگی اور ہمارا مدعیٰ ثابت ہوگیا (محصلہ ص۳۳ و ص۳۴)

الجواب :- مؤلف مذکور کا اپنے بڑوں کی پیروی میں اس آیت کریمہ سے استدلال وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ کے جملہ سے ہے اور اس کی مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کے الفاظ تورات کے بارے میں بھی وارد ہوئے ہیں مؤلف مذکور کا علمی فریضہ تھا کہ وہ تورات کا بھی باقاعدہ ذکر کرتے کہ قرآن کریم کی طرح تورات میں بھی ہر ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔ اور اس طرح دونوں کے علوم برابر ہیں ان کے اعلیحضرت کا یہ جواب کہ تورات کی تفصیل کل شیءٍ اٹھ گئی تھی اور اس کا جواب الجواب قارئین کرام پہلے مفصل پڑھ چکے ہیں ازالۃ الریب ص۴۸۰ تا ص۴۸۲) میں متعدد تفاسیر سے کل شیءٍ کی سیر حاصل بحث موجود ہے۔ مؤلف مذکور کی جہالت پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ دعویٰ اور دلیل کی مطابقت سمجھنے سے ہی قاصر ہیں مرقات وغیرہ منطق کی کتابوں میں قیاس اقترانی

کا جملہ پڑھ لیا ہے اور اُسی کی رٹ لگائے پھرتے ہیں اور اپنی جماعت کے ناخواندہ لوگوں پر اپنے منطق دان ہونے کا رُعب جماتے ہیں ان کا اخلاقی اور علمی فریضہ ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کے ایک ایک لفظ کو ملحوظ رکھیں اور بن پڑے تو اس کے اثبات کی دلیل پیش کریں ان کا دعویٰ (جو خانصاحب سے سرقہ کیا ہے) یہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے تا دخول جنت و نار جمیع ماکان ومایکون کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھا اور اس پر دلیل وہ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ بیان کرتے ہیں مگر قارئین کرام بخوبی پہلے پڑھ اور سمجھ چکے ہیں کہ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ سے ان کا دعویٰ ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور بیضاوی وخازن کے حوالہ سے تو ان کے عمومی دعویٰ کی واضح تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

ای ازما من امر دینی الّا ولہٗ مستند فی القرآن بواسطۃ او بغیر واسطۃٍ فی قولہٖ فی الدین ای من الحلال والحرام والحدود والاحکام والقصص والمواعظ وغیر ذٰلک	یعنی کوئی امر دینی نہیں مگر قرآن کریم میں اس کی بالواسطہ یا بغیر واسطہ سند اور دلیل موجود ہے اور فی الدین سے حلال وحرام حدود واحکام واقعات ونصائح اور مثالیں وغیرہا مراد ہیں

اس عبارت میں امر دینی اور حلال وحرام حدود واحکام اور قصص ومواعظ وغیرہا کا ذکر اور تخصیص موجود ہے جو موجبہ جزئیہ کا مفہوم ہے نہ کہ تمام اُمور اور ہر ہر چیز کا جو موجبہ کلیہ کا مفاد ہے اور کُتب منطق ہی سے ثابت ہے کہ جب قضیۃ کا ایک مقدمہ کلیہ اور دوسرا جزئیہ ہو تو نتیجہ جزئیہ ہی نکلتا ہے نہ معلوم یہ منطق مؤلف مذکور نے کس کامل اور ماہر استاد سے پڑھی ہے کہ موجبہ کلیہ کا دعوےٰ موجبہ جزئیہ کی دلیل سے ثابت ہوتا ہے اور آخر میں تان اس پر توڑی ہے کہ لفظ غیر ایسا شدید نکرہ ہے کہ اضافت کے بعد بھی اس کی نکارت نہیں جاتی، مؤلف مذکور کی یہ بڑی ہی عجیب عربیّت دانی اور نحو شناسی ہے کہ وہ وغیر ذٰلک کے جملہ سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں اور عوام کو اس مغالطہ میں ڈالنے کا اُدھار کھائے بیٹھے ہیں کہ لفظ غیر جو ذٰلک کی طرف مضاف ہے شدید نکرہ ہے اور اس کی اضافت کے بعد بھی نکارت زائل نہیں ہوتی۔ یعنی ان کے خیال وزعم سے وغیر ذٰلک میں سب جائز وناجائز علوم داخل اور شامل ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الّا باللہ امام قاضی بیضاویؒ اور علامہ

خازنؒ تو لفظ فی الدین کی تشریح اور تفسیر کرتے ہیں اور حلال و حرام حدود و احکام اور قصص و مواعظ کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں وغیر ذلک یعنی ان امور کے علاوہ جو اور امور دین ہیں وہ مراد ہیں نہ یہ کہ معاذ اللہ تعالیٰ علم سحر اور سیمیا وغیرہ ناپاک علم بھی اس میں داخل ہیں ان کے اعلحضرت ہی فرماتے ہیں کہ سیمیا جو ایک نہایت ناپاک علم ہے (ملفوظات حصہ دوم ص طبع لکھنؤ) خدا کرے کہ مؤلف مذکور کو بات سمجھ آجائے اور طیش میں نہ آجائیں لیکن ؎

اگر تم طیش میں آکر میرا خط پھاڑ ڈالو گے تمہارے پاؤں چومیں گے میری تحریر کے ٹکڑے

مؤلف مذکور تو امام قاضی بیضاویؒ اور علامہ خازنؒ کی تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ میں نقل کردہ تفسیر سے تعمیم ثابت کر رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ امور مذکورہ میں حصر کرنا جہالت ہوگی۔ مگر ان کے اعلحضرت ان کی تفسیر سے تخصیص سمجھ رہے ہیں اب یہ فیصلہ وہ اپنے گھر ہی میں کر لیں کہ گرو سچا ہے؟ یا چیلہ؟ مؤلف مذکور کی عبارت تو قارئین کرام نے ملاحظہ کر لی ہے اب ان کے اعلیٰ حضرت کی عبارت بھی دیکھتے جائیں۔

عرض: بعض مقامات پر ائمہ تفسیر کا قول نہیں ملا جاتا ہے مثلاً قاضی بیضاویؒ نے یا اور ائمہ مثلاً خازنؒ وغیرہ نے تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ کو مخصص بتایا ہے (اور بقول مؤلف مذکور۔ امور مذکورہ میں حصر کرنا جہالت ہے۔ صفدر)

ارشاد:۔ قاضی بیضاویؒ یا خازنؒ وغیرہ ائمہ تفسیر نہیں کسی فن کا امام ہونا اور بات ہے اور اس فن میں کتاب لکھ دینا اور بات ہے۔ ائمہ تفسیر صحابہؓ ہیں اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں بھی عظام کی تخصیص ہے الخ بلفظہٖ (ملفوظات حصہ سوم ص طبع کراچی) خانصاحب نے گلو خلاصی کا کیا ہی تیر بہدف نسخہ اور اور اکسیر اعظم ایجاد کر دی ہے کہ جس مفسر کی تفسیر سے ان کے اختراعی عقیدہ پر زد پڑے اس کے سرے سے مفسر ہونے ہی کا انکار کر دیا جائے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اگر قاضی بیضاویؒ اور علامہ خازنؒ وغیرہ ائمہ تفسیر نہیں تو صاحب روح البیان اور صاوی وغیرہ کس باغ کی مولی کا نام ہے؟ اس لیے مؤلف مذکور اور ان کی جماعت سے گذارش ہے کہ وہ جب بھی قرآن کریم کی کسی آیت کریمہ کی تفسیر پیش کریں تو صرف حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی پیش کریں اور عظام کی تخصیص بھی اذہان سے اوجھل نہ ہونے دیں اور دوسرے حضرات مفسرین کرامؒ کی تفسیروں کے حوالے نقل کر کے جن

کے سہارے اُن کی گاڑی چلتی ہے اپنا اور قارئین کرام کا قیمتی وقت نہ ضائع کریں۔

اُرے او جلانے والے یہ تیرا ہی تھا نشیمن ؎
جسے تو نے پھونک ڈالا میرا آشیاں سمجھ کر

خانصاحب کے بعض عقیدتمندوں کا ناروا غلو

قارئین کرام نے فریق مخالف کے اعلحضرت کی پے درپے واضح غلطیاں ملاحظہ کرلی ہیں اور یہ صرف مُشتے نمونہ از خروارے ہے قرآن کریم کے لفظی ترجمہ کی غلطیاں تنقید متین اور اتمام البرہان میں ملاحظہ فرمالیں لیکن ان کے عقیدتمند مولوی محمد سعید صاحب نقشبندی امام مسجد (عرف) داتا صاحب لاہور مختصر حالات امام اہلسنت کے عنوان سے لکھتے ہیں ۔

اعلحضرت کا لغزشوں سے محفوظ رہنا

علماء دین کے اعلیٰ کارنامے چودہ صدی سے چلے آرہے ہیں مگر لغزش اور فلتتِ لسان سے بھی محفوظ رہنا یہ اپنے بس کی بات نہیں زورِ قلم میں بکثرت تفرد پسندی میں آگئے بعض تجدد پسندی پہ اُتر آئے تصانیف میں خود آرائیاں بھی ملتی ہیں لفظوں کے استعمال میں بھی بے احتیاطیاں ہوجاتی ہیں قولِ حق کے لہجہ میں بھی بوئے حق نہیں ہے حوالجات میں اصل کے بغیر نقل پر ہی قناعت کرلی گئی ہے لیکن ہم کو اور ہمارے ساتھ سارے علماء عرب وعجم کو (صرف وہم وخواب میں ۔صفدر) اعتراف ہے کہ حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلویؒ یا حضرت مولانا بحر العلوم فرنگی محلی پھر اعلحضرت کی زبان وقلم کا یہ حال دیکھا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے اور زبان وقلم نُقطہ برابر خطا کرے اس کو ناممکن فرما دیا اھ بلفظہٖ (سبحان اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ صفدر) (احکام شریعت ص۵ بریلوی ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی)

ہم اختصاراً یہی عرض کرسکتے ہیں کہ ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
چاکِ گریباں دیکھ ذرہ بندِ قبا دیکھ

خانصاحب نے قرآن کریم کے لفظی ترجمہ (اور احادیث کے معانی) میں اتنی اور اس قدر غلطیاں کی ہیں کہ تمام اُردو تراجم کی چھوٹی اور بڑی غلطیاں چُن چُن کر جمع کرلی جائیں تو تنہا خانصاحب کی

غلطیاں ہی سب پر غالب آئیں گی ان کے علاوہ فقہی مسائل، تاریخی حوالوں اور تکفیر علماء حق کے سلسلہ میں جو واضح غلطیاں انہوں نے کی ہیں وہ صرف انہیں کا حصہ اور نصیبہ ہے یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی ان کے غالی عقیدت مند انہیں معصوم عن الخطاء سمجھتے اور قرار دیتے ہیں بلکہ ان سے خطاء سرزد ہونے کو ناممکن قرار دیتے ہیں جب کہ جملہ مقلدین حضرات اپنے حضرات ائمہ مجتہدینؒ کو بھی معصوم عن الخطاٗ نہیں سمجھتے بلکہ ببانگ دہل وہ یہ کہتے ہیں کہ المجتہد یخطی و یصیب اور یہاں تو غیر مجتہد بلکہ خطاء ان کے پتلے کو معصوم عن الخطاٗ باور کرایا جا رہا ہے۔ اور ان کی زبان اور قلم سے نقطہ برابر خطاء کو ناممکن ٹھہرایا جا رہا ہے ہم نے اپنی بعض کتابوں میں ان کی بعض اغلاط کی نشاندہی کی ہے مگر ان کے اتباع نے کبوتر کی طرح ان سے آنکھیں بند کر لیں ہیں اور ان کو بالکل فراموش کیے ہوئے ہیں۔

بقول شخصے ؎

غلط ہو آپ کا دعویٰ کوئی خدا نہ کرے ۔۔۔ مگر حضور کو عادت ہے بھول جانے کی

قارئین کرام کے علم میں لانے کے لیے ہم یہاں خانصاحب کا صرف ایک ہی حوالہ پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو، بخاری صہ ۶۰۳/۲ اور مسلم صہ ۱۱۳/۲ میں غزوۂ ذات القرد کا تذکرہ آتا ہے جس میں حضرت سلمۃؓ بن الاکوع (المتوفی ۷۴ھ) نے تن تنہا کفار کے ایک لشکر کا تعاقب کر کے اس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اونٹنیاں چھڑالی تھیں۔ جس لشکر نے آپؐ کے نگران چرواہے کو شہید کر دیا تھا کفار کے اس لشکر کے سرکردہ کا نام عبدالرحمٰن الفزاری تھا۔ (ملاحظہ ہو مسلم صہ ۱۱۴/۲ اور مشکوٰۃ صہ ۳۴۹/۲) جو قبیلہ بنو فزارہ کا ایک فرد تھا۔ مگر خان صاحب کتب حدیث کتب اسماء الرجال اور تاریخ سے غفلت کی وجہ سے ان کا نام عبدالرحمٰن قاری بتاتے ہیں جو تابعی یا صغار صحابہؓ میں تھے جن کی روایت بخاری صہ ۲۶۹/۱، اور مشکوٰۃ صہ ۱۱۵/۱ وغیرہ میں موجود ہے۔ چنانچہ خانصاحب حضرت سلمۃؓ بن الاکوع کی شجاعت و بہادری کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ

ایک بار عبدالرحمٰن قاری کہ کافر تھا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے اونٹوں پر آپڑا چرانے والے کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا اسے قرأت سے قاری نہ سمجھ لیں بلکہ قبیلہ بنو قارہ سے اھ (ملفوظات حصہ دوم صہ ۴۴ مدینہ پبلشنگ کمپنی منتور محل بیکلوروڈ نوٹو کراچی)

اور ص۴۵ پر لکھتے ہیں اس عبدالرحمٰن قاری سے پہلے اھ اور ص۴۶ میں لکھتے ہیں کہ وہ پہلوان تھا اس نے کشتی مانگی انہوں نے قبول فرمالی اس محمدی شیر نے خوک شیطان کو دے مارا خنجر سے کر اس کے سینے پر سوار ہوئے اھ (خوک فارسی زبان میں خنزیر کو کہتے ہیں خانصاحب نے خوک و شیطان کے دو خطاب ان کو دیے ہیں)

یہاں خانصاحب نے پے بہ پے چند غلطیاں کی ہیں

(۱) جس کافر سربراہ کے لشکر کے ساتھ حضرت سلمہؓ بن الاکوع کا مقابلہ ہوا تھا اس کا نام عبدالرحمٰن الفزاری تھا مگر خانصاحب اس کا نام عبدالرحمٰن قاری بتاتے ہیں جو بنو قارہ کے ایک فرد تھے۔

(۲) عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کو بعض حضرات محدثین صغار صحابہؓ میں بتاتے ہیں (تجرید اسماء الصحابہ للذہبیؒ ص۳۷۷ ج۱ و اکمال فی اسماء الرجال ص۶۰۹ و تہذیب التہذیب ص۲۲۳ ج۶) اور بعض ثقہ تابعی بتاتے ہیں (اکمال ص۶۰۹ و تہذیب ص۲۲۳ ج۶) مگر خان صاحب ان کو کافر کہتے ہیں۔

(۳) ان کا نام عبدالرحمٰن بن عبدالقاری تھا مگر خانصاحب عبدالرحمٰن قاری بتاتے ہیں۔

(۴) ان کی وفات ۸۵ھ یا ۸۸ھ میں بعمر ۷۸ سال ہوئی (تہذیب ص۲۲۳ ج۶)

اور عبدالرحمٰن الفزاری کو حضرت ابو قتادہؓ نے قتل کیا (مسلم ص۱۱۴ ج۲ و ملفوظات حصہ دوم ص۴۶) اور یہ واقعہ غزوہ ذات القرد میں پیش آیا جو غزوۂ خیبر سے (جو محرم ۷ھ میں پیش آیا) تین دن پہلے کا ہے (بخاری ص۶۰۳ ج۲)۔

(۵) عبدالرحمٰن بن عبدالقاری مسلمان تھے مگر خان صاحب ان کو کافر۔ خوک اور شیطان سے تعبیر کرتے ہیں جب خان صاحب صحابی یا ثقہ تابعی کو کافر کہنے سے نہیں چوکے تو اگر وہ اس دور کے اہلِ حق علماء اور مجاہدین کو کافر کہدیں تو کون سی انوکھی بات ہے؟ کافروں کو مسلمان بنانا تو ان کے بس کا روگ نہیں۔ تکفیر مسلم ہی کے ذوق و شوق سے وہ فرحاں ہیں ؎

پھولوں کے قابل تو نہیں قطعاً تیرا دامن اے صاحبِ گلشن اسے کانٹوں سے ہی بھر دے

دلیل ۳ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (پ۷ سورۃ انعام)۔

اور ہم نے کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی

طرزِ استدلال: اس آیت کریمہ میں کتاب سے مراد قرآن کریم ہے جیسا کہ ملا جیون الحنفی نے نور الانوار

ص۲۲۵ کی پہلی سطر میں لکھا ہے (ہم ان کے ترجمہ پر ہی اکتفار کرتے ہیں صفدر) کہ یعنی یہ سوال کرنا درست نہیں ہے کہ حدیث مذکورہ سابقہ باری تعالیٰ کے قول مذکورہ (لفظ قول مذکر ہے مگر مؤلف مذکور کو تذکیر و تانیث کا امتیاز بھی نہیں ہاں تالیف کا شوق ضرور ہے۔ صفدر) کے مناقض ہے کہ جب ہر چیز قرآن میں ہے تو کیسے کہا گیا کہ اگر تو کتاب اللہ میں نہ پائے کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ نہ پانا کتاب اللہ میں نہ ہونے کو نہیں چاہتا یعنی ہو سکتا ہے کہ قرآن میں موجود ہو مگر نہ پایا جائے یعنی نہ معلوم ہو سکے نور الانوار کی اس عبارت سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ ملا جیون کے نزدیک اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن ہے۔ دوسرا یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن جامع ہے اور اس میں ہر چیز کا علم ہے الخ بلفظہٖ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔

شیٔ نکرہ تحت النفی مفید عموم و استغراق ہے قیاس اقترانی سے نتیجہ موجبہ برآمد ہوگا اور مفسرین کرام کا امور دین اور ما یحتاج الیہ کی قیود لگانا ہمیں ہرگز مضر نہیں اوّلاً اس لیے کہ یہ قیود اتفاقی ہیں۔ احترازی نہیں نہ کسی نے احترازی ہونے کی تصریح کی جو احترازی کہتا ہے اس پر بادلیل اس کا بیان ہے وثانیاً۔ ایک چیز کا ذکر دوسری چیز کی نفی کو مستلزم نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں وَقِیْکُمُ الْحَرَّ کہ تمہارے کپڑے تم کو گرمی سے بچاتے ہیں سردی سے بچانے کا ذکر نہیں مگر باوجود مذکور نہ ہونے کے منفی نہیں اسی طرح امور دین اور ما یحتاج الیہ کا ذکر غیر امور دین کی نفی کو مستلزم نہیں اس لیے مفسرین کرام کی قیودات ہمیں مضر نہیں لہٰذا ہمارا دعویٰ ثابت ہے۔ وثالثاً یہ کہ مفسرین کرام کے اقوال سے کتاب اللہ کے مطلق و عام کو مقید و مخصوص کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ یہ مطلق اور عام تو حدیث صحیح خبر واحد سے بھی مقید و مخصوص نہیں ہو سکتے ابتدا کیا سرفراز صاحب یا مخالفین اہل السنت کے نزدیک اقوال مفسرین خبر واحد صحیح سے زیادہ قوی اور معتبر ہیں؟ ہرگز نہیں ان آیات بینات کے عموم کی تخصیص اور اطلاق کی تقیید قرآن کی کسی آیت سے تو ہرگز نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم نے قرآن کے کسی ایک پارے یا سورت یا آیت کو کل شیٔ کا تبیان اور کل شیٔ کی تفصیل قرار نہیں دیا بلکہ ہم نے پورے قرآن کو تبیانا لکل شیٔ اور تفصیل لکل شیٔ قرار دیا ہے اور پورے قرآن سے تخصیص و تقیید کے لیے پیش کی جانی والی آیات مثلاً لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ وغیرہ (مؤلف مذکور کی علمیت دیکھیے کہ وہ آیات کو وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صفدر) قرآن ہی کی

آیات ہیں جن کو نکال لینے کے بعد قرآن پورا اور مکمل نہیں رہتا رہا احادیث سے تخصیص و تقیید کرنا تقیید کے بعد کہنا بھی مؤلف کی ادبی علمیت کو نمایاں کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی غلط اور باطل ہے اس لیے کہ جس قدر احادیث پیش کی جاتی ہیں یا کی جائیں گی وہ سب کی سب اخبار آحاد ہیں کوئی حدیث متواتر یا مشہور نہیں اور اخبار احاد سے تخصیص نسخ کتاب اللہ کو متلزم ہے اور وہ احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے اور عمومات قرآنیہ سے استدلال حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تاہنوز بلا انکار نکیر چلا آرہا ہے خود دیوبندیوں کے معروف شیخ الحدیث والتفسیر مولوی سرفراز صاحب نے تسکین الصدور ص۱۹۵ طبع اول میں مولانا نانوتوی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے الخ اور پھر اعلاء السنن ص۳۳ج۱ کے حوالہ سے لکھا ہے اور راہ سنت ص۱۴۶ میں الاعتصام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مطلقات کو مقید کرنا شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا ہے اور ہم تاریخ باب میں لفظ کل کی بحث میں سرفراز صاحب کو مسکت جوابات دیں گے اس بحث کا مطالعہ کرنے والے ضرور لطف اندوز ہوں گے۔

(محصلہ بقید بعض الکلمات ص۳۴ ص۳۵ ص۳۶)

الجواب: مؤلف مذکور کا الکتاب سے علی التعیین اور قطعی طور پر قرآن کریم ہی مراد لینا درست نہیں ہے اولاً اس لیے کہ جس طرح اس کی تفسیر قرآن کریم سے کی گئی ہے اسی طرح اس سے لوح محفوظ بھی مراد لی گئی ہے جلالین تک کی مختصر تفسیر میں اللوح المحفوظ کے الفاظ موجود ہیں (ملاحظہ ہو ص۱۱۵) اور آپ کے صدر الافاضل لکھتے ہیں۔ اس کتاب سے یہ قرآن کریم مراد ہے یا لوح محفوظ جمل وغیرہ۔

(خزائن العرفان ص۱۹۲ طبع لاہور)

اور مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں۔ کتاب سے مراد قرآن شریف یا لوح محفوظ ہے

(نور العرفان ص۲۱۱)

اور اگر قرآن کریم بھی مراد ہو تو پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے کہ اس میں ہر ہر چیز کی تفصیل روشن اور واضح طور پر موجود نہیں ہے اور اگر لوح محفوظ ہی مراد ہو تو مؤلف مذکور مع اپنی پوری جماعت کے یہ بتائیں کہ کس قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نص یا خبر متواتر سے صراحۃً یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لوح محفوظ کا مکمل اور مفصل علم حاصل تھا؟ وہ نص قطعی یا خبر متواتر علمی تھیلے سے باہر نکالیں تاکہ اس سے استفادہ ہو سکے صرف رازہی نہ رہے۔

وثانیاً، حضرت ملا جیونؒ کی عبارت مؤلف مذکور کو مفید اور ہیں کس طرح بھی مُضِر نہیں ہے اس لیے کہ وہ اس سے قبل یہ لکھتے ہیں۔

لان بعض الناس ینکر کون القیاس حجة لان اللہ تعالیٰ قال ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیٔ فلا یحتاج الی القیاس

کیونکہ بعض لوگ قیاس کے حجت ہونے کا انکار کرتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں ہر (دینی) چیز کی وضاحت ہے تو قیاس کی حاجت نہیں۔

پھر آگے خود اس کا جواب دیتے ہیں کہ

ان القیاس کاشف عما فی الکتاب ولا یکون مباینا لہٗ
(نور الانوار ص۲۲۸)

بلاشبہ قیاس ہر اُس چیز کو ظاہر کرتا ہے جو (اصولاً) کتاب میں موجود ہے اس لیے قیاس کتاب کے خلاف نہیں ہے۔

اور انہیں منکرین قیاس کو جواب دیتے ہوئے اثنار کلام میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ

ان الاحکام ثلاثة مثبت بظاھر الکتاب ومثبت بظاھر السنة ومثبت بالرد علیھما علی وجه القیاس الخ
(التفسیرات الاحمدیة ص۱۹۳)

احکام تین قسموں میں منقسم ہیں جو ظاہر[1] کتاب اللہ سے ثابت ہیں اور جو ظاہر[2] سنت سے ثابت ہیں اور جو احکام[3] ان دونوں کی طرف رد کر کے قیاس سے ثابت ہیں۔

اگر سب احکام قرآن کریم سے صراحتہً ثابت ہیں تو پھر سنت اور قیاس سے احکام کے ثابت ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اور نور الانوار کی عبارت مذکورہ کی تشریح میں مولانا عبد الحلیم لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

فانه لیس کل شیٔ مذکوراً فی القرآن باسمه الموضوع له لغة بحیث یکون المعنی منه جلیاً بل قد یکون المعنی خفیاً لا یدرك الا بالتامل فالقیاس یظهره انتهی بلفظه (قمر الاقمار ص۲۲۸)

اس میں شک نہیں کہ ہر چیز اپنے لغوی موضوع لہٗ نام کے ساتھ قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے بایں طور کہ اس کا معنی بالکل واضح ہو بلکہ کبھی معنی اخفیٰ بھی ہوتا ہے جس کا ادراک تامل کے بغیر نہیں ہو سکتا اور قیاس اس کو ظاہر کرتا ہے۔

اور خود مؤلف مذکور نے صفحہ ۲۸ میں حضرت ملاجیونؒ کی تفسیرات احمدیہ ص ۲ کا حوالہ یوں نقل کیا ہے

فمامن شیء الا ویمکن استخراجه من القرآن حتی استنبط بعضهم علم الهیئة والهندسة والنجوم والطب واکثر علوم العربیة منه وبعضهم عمر النبی صلی الله تعالی علیه وسلم ثلاثا وستین اھ	تو کوئی چیز ایسی نہیں جس کا استخراج قرآن کریم سے ممکن نہ ہو یہاں تک کہ بعض نے علم ہیئت اور جومیٹری اور نجوم اور طب اور اکثر علوم عربیہ قرآن کریم سے نکالے ہیں اور بعض نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک تریسٹھ سال بھی قرآن کریم سے نکالی ہے۔

حضرت ملاجیونؒ کی اس واضح اور روشن اور پہلے پیش کردہ مفصل عبارات سے معلوم ہوا کہ جائز اور مفید علوم ہی قرآن کریم سے استنباط کیے گئے ہیں نہ کہ علم سحر و سیمیا وغیرہ ناپاک علوم مؤلف مذکور نے تفسیرات احمدیہ کی عربی عبارت تو نقل کر دی ہے مگر اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ شاید حکمت اور راز یہ ہو کہ ان کے بے بنیاد دعویٰ کی قلعی نہ کھل جائے وہ یوں کہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہر ہر شیٔ کا واضح روشن اور مفصل ذکر ہے اور اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ سب علوم قرآن کریم میں واضح طور پر موجود نہیں ہیں بلکہ ان کا قرآن کریم سے استنباط و استخراج کیا گیا ہے اور اس عبارت میں تصریح ہے کہ اکثر علوم عربیہ کا استنباط و استخراج بھی قرآن کریم سے کیا گیا ہے یعنی نہ تو سب علوم عربیہ کا اور نہ غیر علوم عربیہ کا اور ایسے علوم غیر عربیہ بھی دنیا میں بے شمار ہیں کسی بھی عاقل اور اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں ہے لہٰذا انہوں نے اپنی خیر ترک ترجمہ ہی میں سمجھی ہے۔

ع ہم طالب شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

وثالثاً لفظ شیٔ کے عموم و استغراق اور قیاس اقترانی کا جواب پہلے مفصل گذر چکا ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں۔

ورابعاً حضرات مفسرین کرامؒ نے جو قیود لگائی ہیں ان کو اتفاقی کہہ کر ان کے احترازی ہونے کا انکار کرنا قطعاً باطل ہے اور مؤلف مذکور یوں آسان اور سستے طریقہ سے ہرگز گلو خلاصی نہیں کر سکتے کیونکہ ان قیود کے اتفاقی ہونے کا احتمال اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ کسی نص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ سے یا خبر متواتر سے صراحۃً ہر ہر چیز کے مفصل طور پر قرآن کریم میں مذکور ہونے کا ثبوت ہوتا حالانکہ نہ نقلاً اس کا ثبوت ہے اور نہ عقلاً کما مر۔

وخامساً بے شک کسی چیز کا ذکر دوسری چیز کی نفی کو مستلزم نہیں مگر جب کسی چیز کی نفی ہی قرآن کریم

میں صراحتہً موجود ہو تو اس کا انکار کرنا ایمان کا کون سا پہلو اور حصہ ہے؟ ازالۃ الریب میں ایسے دلائل سے پُر ہے مثلاً وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ اور وَمِنْهُمْ مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ اور لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ وغیرها من الآیات۔ یہ سب کی سب نصوص قطعیہ قرآنیہ ہیں نہ تو یہ اخبار آحاد ہیں اور نہ یہ حضرات مفسرین کرامؒ کے اقوال ہیں آخر تبلایئے ان سے کیا کیا جائے؟

دساؔدسا۔ مؤلف مذکور کی قرآن کریم سے جہالت ملاحظہ کیجئے وہ لکھتے ہیں کہ وَتَقِيكُمُ الْحَرَّ تمہارے کپڑے تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔ یہاں گرمی سے بچانے کا ذکر ہے سردی سے بچانے کا ذکر نہیں مگر باوجود مذکور نہ ہونے کے منفی نہیں ہے الخ حالانکہ اسی سورۃ النحل کی ابتداء میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ ترجمہ ہم ان کے اعلحضرت کا نقل کرتے ہیں۔

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ الآیۃ — اور چوپائے پیدا کیے ان میں تمہارے لیے گرم لباس اور منفعتیں ہیں۔ (پ ۱۴۔ النحل۔ ۱)

علاوہ ازیں تَقِيكُمُ الْحَرَّ الآیۃ سے پہلی آیت میں وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا الآیۃ کے الفاظ بھی موجود ہیں جس کے معنیٰ اون اور پشم کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اون اور پشم اور گرم لباس سردی ہی سے بچانے کے لیے ہوتا ہے اور اس کا قرآن کریم میں ذکر ہے پھر نہ مذکور ہونے کا کیا معنیٰ!؟ الغرض حضرات مفسرین کرامؒ کی ذکر کردہ قیود واموردین اور مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ وغیرہ بالکل برمحل اور بجا ہیں اور یہ سب قیود مؤلف مذکور کے باطل دعوے کے قطعاً مخالف اور انہیں سخت مضر ہیں الغرض ان کا دعوےٰ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوا اور نہ ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے یہ الگ بات ہے کہ طفل تسلی سے دل بہلا لیا جائے بقول شخصے ؎

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں — کھلونا دے کے بہلایا گیا ہوں

وسابعاً، مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ مفسرین کرام کے اقوال سے کتاب اللہ کے مطلق وعام کو مقید ومخصوص کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ خالص جہالت کا پلندہ ہے اوّل تو اس لیے کہ کیا حضرت ملا جیونؒ مفسر نہیں جنہوں نے لفظ الکتاب کو صرف قرآن کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے حالانکہ اس کی تفسیر لوح محفوظ سے بھی کی گئی ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ کتاب اللہ کے مطلق وعام کو ایک مفسر کے قول سے مقید ومخصوص کر دیا جائے؟ اور دومؔ اس لیے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے

کہ حضرت ملا جیونؒ تو یہ تصریح فرمائیں کہ بعض احکام قرآن کریم میں صراحۃً مذکور نہیں بلکہ بعض احادیث سے اور بعض قیاس سے ثابت ہیں اور مؤلف مذکور ان کا یہ نظریہ بیان کریں کہ قرآن جامع ہے اور اس میں ہر چیز کا علم ہے؟ اور سوئم اس لیے کہ حضرات مفسرین کرامؒ نے امور دین اور یحتاج الیہ کی قیود اپنی طرف سے نہیں لگائیں بلکہ ان کو قرآن کریم میں مذکور احکام پر عبور حاصل تھا اور نصوص کے پیش نظر یہ قیدیں لگائی ہیں۔

امورِ دین کی قید :-

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ الآیۃ

(پ ۲۵ - الشوریٰ - ۲)

تمہارے لیے دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو دیا اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ دین ٹھیک رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

(ترجمہ خانصاحب کا ہے)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد ہی دین کی تلقین اور حفاظت ہے اور اس آیتِ کریمہ میں پانچ اولوالعزم پیغمبروں کے نام مبارک مذکور ہیں۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہیں کہ آپ کی طرف دین وحی کے ذریعہ بھیجا گیا ہے۔ اور فریق مخالف کے صدر الافاضل لکھتے ہیں معنیٰ یہ ہیں کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ تک اے سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جتنے انبیاء ہوئے سب کے لیے ہم نے دین کی ایک ہی راہ مقرر کی جس میں وہ سب متفق ہیں وہ راہ یہ ہے۔ مراد دین سے اسلام ہے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی طاعت اور اس پر اور اس کے رسولوں پر اور اسکی کتابوں پر اور روزِ جزا پر اور باقی تمام ضروریات دین پر ایمان لانا لازم کرو کہ یہ تمام امور انبیاء کی امتوں کے لیے یکساں لازم ہیں۔ بلفظہ

(خزائن العرفان ص۲۰)

اور اسی دینِ حق کی تعظیم و احترام کی خاطر اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے ایمان والو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا وہ جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور کافران میں کسی

کو اپنا دوست نہ بناؤ (ترجمہ خانصاحب کا ہے ص۱۷۵) اس آیت کریمہ میں دِیْنَکُمْ کا جملہ صراحتہً مذکور ہے اور اسی دین حق کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے (وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ) اہل کتاب سے لڑنے کا حکم ہے، جب تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں (دیکھئے کنز الایمان ص۲۷۲) اور اسی دین حق کو اللہ تعالیٰ نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ سے مکمل کیا اور اس کی بشارت دی ہے غرضیکہ حضرات مفسرین کرامؒ نے ناانصافی قطعاً نہیں کی انہوں نے امورِ دین کی قید نصوص کے پیش نظر لگائی ہے۔ کیونکہ خدا خوفی کے ساتھ ان کا دینی مطالعہ بھی نہایت وسیع اور عمیق تھا اور مؤلف مذکور علم نافع سے بالکل بے بہرہ ہیں اور ان کی کشتی ہمیشہ ان کے مزعوم ساحلِ مراد میں غرق ہو جاتی ہے ؎

فریبِ اُمید کا کھانا پڑا ان کو محبت میں — خبر کیا تھی کہ ساحل پر سفینہ ڈوب جائیگا

اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تابیرِ نخل (کھجوروں کی مخصوص قسم کی پیوندکاری) کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا۔

انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیء من رأئی فانما انا بشر وفی روایۃ انتم اعلم بامر دنیاکم (مسلم ج۲ ص۲۶۴)

سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ میں بشر ہوں (رب نہیں اور نہ خدائی اختیارات میرے پاس ہیں، مصنف) جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے حکم دوں تو تم اس کو لو اور جب میں تمہیں اپنی رائے سے کچھ کہوں تو یقیناً میں بشر ہوں (اس میں خطا بھی ہو سکتی ہے) اور ایک روایت میں ہے تم دنیوی معاملات کو (مجھ سے) زیادہ جانتے ہو

اس حدیث کی بقدر ضرورت تشریح ازالۃ الریب میں موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد دینی امور کی تکمیل تھی (یعنی اصولاً) نہ کہ دنیوی امور کی جو بہت سے غیر متعلق ہیں۔

مایحتاج الیہ کی قید

مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ حضرات مفسرین کرامؒ نے مایحتاج الیہ کی قید لگا کر ناانصافی کا ثبوت دیا ہے یہ ان پر خالص بہتان اور نرا افتراء ہے بلکہ یوں کہیے کہ انہوں نے یہ قید لگا کر مؤلف مذکور اور ان کے عقیدۂ باطلہ میں ہمنوا لوگوں پر کاری ضرب لگائی ہے اور ان کے مردود عقیدے کی دھجیاں فضا کے

آسمانی میں بکھیر دی ہیں اور ان کے مشرکانہ عقیدہ کے بخیئے اُدھیڑ کر رکھ دیئے ہیں کہ رفو کرنے سے بھی وہ نہ جڑ سکیں یہ قید حضرات مفسرین کرامؒ نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کی روشنی میں لگائی ہے ۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ	اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی
اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا	جائیں تو تمہیں بُری لگیں اور اگر انہیں اس وقت
حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ الآیۃ	پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی
(پ ۷ ۔ المائدۃ ۔ ۱۴)	(ترجمہ از خانصاحب)

اس سے معلوم ہوا کہ لایعنی ۔ غیر ضروری اور مالا یحتاج الیہ امور کا سوال کرنا ہی ممنوع ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا لایعنی اور مالا یحتاج الیہ امور قرآن کریم میں اور نزول وحی کے زمانہ میں ظاہر نہیں کیے گئے ان کا اظہار مشروط بالسوال ہے اور ایسے امور کے بارے سوال ہی سے منع کیا گیا ہے اس آیت کریمہ کے شان نزول میں مختلف قسم کی لایعنی اور غیر ضروری باتوں کے سوال کے بارے تذکرہ تفسیروں میں موجود ہے چنانچہ حضرت ملا جیونؒ شان نزول کی ایک وجہ یہ لکھتے ہیں کہ

انه علیه السلام کان یخطب ذات	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن غصہ کی حالت
یوم غضبان من کثرۃ ما یسئلون عنه	میں خطاب فرما رہے تھے کیونکہ لوگ آپ سے بکثرت
بما لا یعنیهم الخ	لایعنی اور غیر ضروری باتوں کا سوال کرتے تھے ۔

(التفسیرات الاحمدیۃ ص ۲۵۰)

اور نزول قرآن کے زمانہ سے نزول وحی کا زمانہ مراد ہے چنانچہ حافظ ابو الفداء اسمٰعیل بن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

ای وان تسالوا عن هٰذه الاشیآء التی	یعنی اگر تم ان اشیاء کے بارے سوال کرو گے جن
نهیتم عن السوال عنها حین ینزل	کے سوال سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو جس زمانہ میں
الوحی علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی نازل کی جا
علیه وسلم تبیّن لکم	رہی ہے تو وہ اشیاء تم پر ظاہر کر دی جائیں گی ۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۱۰۶ ج ۲)

اور حضرت ملا جیونؒ فرماتے ہیں ۔

والمعنٰی لا تسئلوا عن اشیآء ان تسئلوا عنها حین ینزل القرآن ای فی زمان الوحی تبد لکم (التفسیرات الاحمدیۃ ص۲۵۰)

اور مطلب یہ ہے کہ تم (لایعنی) چیزوں کے بارے سوال نہ کرو۔ اگر تم ان کے بارے سوال کرو گے جب کہ قرآن کریم اتارا جا رہا ہے یعنی نزول وحی کے زمانہ میں تو وہ چیزیں تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔

اگر حضرات مفسرین کرامؒ لایحتاج الیہ کی قید لگائی ہے تو اس آیت کریمہ کی روشنی میں کہ نہ تو تم لایعنی چیزوں کے بارے میں سوال کرو اور نہ وہ قرآن کریم اور وحی کے ذریعہ نازل کی گئی ہیں بلکہ ان کے سوال ہی سے نہی وارد ہوئی ہے سو مؤلف مذکور کو حضرات مفسرین کرامؒ کی ناانصافی کا شکوہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اپنی جہالت کا کھلے طور پر ماتم کرنا چاہیئے کہ وہ قرآن کریم کے واضح احکام سے بھی جاہل ہیں سرفراز اور اہل شرک و بدعت کے مخالفین کے نزدیک حضرات مفسرین کرامؒ کے اقوال خبر واحد صحیح سے زیادہ قوی اور معتبر نہیں ہیں اور نہ یہاں تخصیص خبر واحد سے ہوئی ہے بلکہ تخصیص تو نصوص قرآنیہ سے ہوئی ہے جیسا کہ قارئین کرام نے بخوبی ملاحظہ کر لیا ہے صرف دقت نظر کی ضرورت ہے ۔

گلستاں کے لیے رونے سے کچھ بنتا نہیں فانی
نظر میں حسن پیدا کر سنور جائے گا ویرانہ

وقتاً فوقتاً مؤلف مذکور کا ہذیان ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں کہ۔ ان آیات تبیاناً لکل شیء کے عموم کی تخصیص اور اطلاق کی تقیید قرآن کی کسی آیت سے تو ہر گز نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم نے قرآن کے کسی ایک پارے یا سورۃ یا آیت کو کل شیء کا تبیان اور کل شیء کی تفصیل قرار نہیں دیا بلکہ ہم نے پورے قرآن کو تبیاناً لکل شیء اور تفصیل لکل شیء قرار دیا ہے اور پورے قرآن سے تخصیص و تقیید کے لیے پیش کی جانی والی آیات مثلاً لا تعلمھم نحن نعلمھم وغیرہ بھی قرآن ہی کی آیات ہیں جن کو نکالنے کے بعد قرآن پورا اور مکمل نہیں رہتا۔ الخ

اس عبارت میں جس ہذیان اور جہالت کا ثبوت مؤلف مذکور نے دیا ہے وہ ان کی جہالت کا واضح قرینہ ہے۔ ذیل کے امور کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) جن آیات کے عموم و اطلاق کا وہ دعویٰ کرتے ہیں ہم قرآن کریم ہی کی واضح آیات سے ان کی تخصیص و تقیید عرض کر چکے ہیں لہٰذا ان کا یہ دعویٰ کہ ان کی تخصیص و تقیید قرآن کی کسی آیت سے

ہرگز نہیں ہوسکتی قطعاً باطل اور مردود ہے۔

(۲) جب آپ قرآن کریم کے کسی ایک پارے یا سورت یا آیت کو کلِّ شیءٍ کا تبیان اور کُل شیءٍ کی تفصیل قرار نہیں دیتے بلکہ سارے قرآن کریم کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں تو آپ کو اور آپ کی جماعت کو قرآن کریم کی آخری سورت سے پہلے اور خصوصاً مکی سورتوں اور آیتوں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر اور مختار کل وغیرہ ہونے پر استدلال کرنے کا کیا حق ہے؟ کیونکہ ان پہلی سورتوں اور آیات کو تو آپ تبیاناً لکل شیءٍ اور تفصیل کل شیءٍ قرار ہی نہیں دیتے آپ کو قرآن کریم کی صرف آخری سورت سے ہی اپنے ان باطل دعووں پر استدلال کرنا چاہیئے لوگوں کو کیوں خواہ مخواہ دھوکہ دیتے ہیں؟ بلکہ ان کو یوں کہنا چاہیئے ؎

داستانِ غم سناؤں کیا قفس میں ہمدموں بجلیاں چمکیں، گریں اور آشیانہ جل گیا

(۳) مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ۔ اور پورے قرآن سے تخصیص و تقیید کے لیے پیش کی جانے والی آیات مثلاً لا تعلمھم نحن نعلمھم وغیرہ بھی قرآن ہی کی آیات ہیں جن کے نکالنے کے بعد قرآن پورا اور مکمل نہیں رہتا۔

قارئین کرام آپ اس مہمل منتشر کا کچھ معنیٰ خیز مطلب سمجھے؟ ایسا مہمل کلام تو شاید مدہوش پنڈت اور ملنگ بھی نہیں بولتے قارئین کرام خود بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ مؤلف مذکور میں بات سمجھنے کی سرے سے اہلیت ہی نہیں ہے۔

لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ وغیرہا آیات کو نہ تو کسی نے قرآن کریم سے نکالا ہے اور نہ نکالنے کے بعد مسلمان رہتا ہے اور نہ یہ کسی کے بس کا روگ ہے اور ان آیات کو تسلیم کرنے ہی سے قرآن کریم پورا اور مکمل ہوتا ہے۔ ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ وعونہٖ ازالۃ الریب ص ۳۰۱ سے تا ص ۳۲۰ میں لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سے نفی علمِ غیب پر استدلال کرتے ہوئے اور فریق مخالف کو جوابات دیتے ہوئے طویل علمی بحث کی ہے جس سے بد حواس ہو کر اور جواب سے قطعاً عاجز اور قاصر ہو کر مؤلف مذکور مہمل منتشر کہنے پر اتر آئے ہیں وہ ساری بحث ازالۃ الریب ہی میں ملاحظہ فرمائیں فرضی لطف ہی نہیں اگر ایمان ہوا تو حقیقی لطف آئے گا انشاء اللہ العزیز۔ ہم نے اس میں یہ کہا ہے سورۃ توبہ آخری سورت ہے اور اس میں یہ آیت کریمہ بھی موجود ہے کہ۔

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (پ ۱۱۔ التوبۃ۔ ۱۳)

اور بعض مدینے والے اڑ رہے ہیں نفاق پر لے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ان کو نہیں جانتے ہم ہی ان کو جانتے ہیں۔

یہ قرآن کریم کی آخری سورت کی آیت ہے جس سے قطعی طور پر ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ وسلم مدینہ طیبہ میں بسنے والے کچھ منافقوں کو نہیں جانتے تھے فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت نے جو غلط اور باطل تاویل کی تھی ہم نے اس کے جواب میں ایک بات یہ بھی کہی ہے۔ ان کو لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ کے بعد کوئی نص قرآنی یا خبر متواتر پیش کرنی چاہیئے تھی کہ ان منافقین کا علم آپ کو اس قطعی الدلالۃ نص سے اور اس متواتر اور صریح حدیث سے حاصل ہو گیا تھا الخ (ازالۃ ص ۳۰)

اور ہمارا مطالبہ اور چیلنج تاہنوز باقی ہے اور انشاء اللہ العزیز تا قیامت رہیگا۔ مؤلف مذکور کا قرآن کریم پر ایمان ہوتا تو اس حکم خداوندی کو بلا قیل و قال تسلیم کر لیتے اور غیرت ہوتی تو اس سے بعد کی نازل شدہ کوئی آیت کریمہ یا متواتر اور صریح حدیث نقل کرتے کہ لو اس آیت یا اس متواتر حدیث سے ان منافقین کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے صراحۃً ثابت ہے کیا ہے مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے کسی ذی علم اور غیور میں دم خم کہ یہ مطالبہ پورا کرے؟ دیدہ باید

قارئین کرام ملاحظہ کیجئے کہ اس صحیح اور مبنی بر انصاف مطالبہ کو مؤلف مذکور کس طرح گیارہویں شریف کا لذیذ حلوہ سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں اور جواب یہ دیا ہے کہ ان آیات کو قرآن سے نکالنے کے بعد قرآن پورا اور مکمل نہیں رہتا سبحان اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ کس نے ان آیات کو قرآن کریم سے نکالا؟ اور کون نکال سکتا ہے؟

چھپائیں گے کہاں تک راز محفل شمع کے آنسو کہے گی خاک پروانہ کہ پروانے پہ کیا گذری

و ثانیاً: مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ۔ باقی رہا احادیث سے تخصیص و تقیید کرنا تو یہ بھی غلط اور باطل ہے اس لیے کہ جس قدر احادیث پیش کی جاتی ہیں یا کی جائیں گی وہ سب کی سب اخبار آحاد ہیں۔ کوئی حدیث متواتر یا مشہور نہیں الخ ان کی کم فہمی اور جہالت پر دال ہے اولاً تو اس لیے کہ اہل حق میں سے کسی نے قرآن کریم کی کسی آیت کو خبر واحد کے ساتھ ہرگز مخصص و مقید نہیں کیا بلکہ وہ قرآن کریم کے

ظاہری عمومات کو خود قرآن کریم کی قطعی نصوص سے مخصص و مقید کرتے ہیں جس پر ازالۃ الریب میں دلائل کا انبار موجود ہے مگر اندھے کو کچھ دکھائی نہیں دیتا اہل حق نصوص قطعیہ سے استدلال کے بعد احادیث صحیحہ کو محض تائید و تشریح کے لیے پیش کرتے ہیں نہ کہ تخصیص و تقیید نصوص کے لیے۔ اور دوم اس لیے کہ مؤلف مذکور کو یہ بھی معلوم نہیں کہ خبر مشہور۔ خبر متواتر کے مترادف نہیں بلکہ مشہور خبر واحد کی قسم ہے حضرات محدثین کرام اسے مشہور کہتے ہیں اور بعض حضرات ائمہ فقہاء عظام اسے مستفیض کہتے ہیں (دیکھئے شرح نخبۃ الفکر ص۱۲ وغیرہ) مگر مؤلف مذکور اپنی جہالت سے یوں گویا ہیں۔ وہ سب کی سب اخبار آحاد ہیں کوئی حدیث متواتر یا مشہور نہیں ہے۔

وعاشراً: جب خبر واحد سے ہم نے نص قرآنی کو مخصص اور مقید کیا ہی نہیں تو کتاب اللہ کے نسخ کا کیا سوال؟ اور علماء احناف اور توضیح تلویح کا تذکرہ بھی بالکل بے سود اور غیر متعلق بات ہے اور محض تضییع وقت ہے۔ کیونکہ یہ حوالے جس دلیل کے خلاف ہیں وہ ہمارا مستدل ہی نہیں۔

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو!

وحادی عشر: بلاشک صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعینؒ سے لیکر تاہنوز عمومات قرآن کریم سے استدلال جاری و ساری ہے اور راقم اثیم نے بھی تسکین الصدور وغیرہ کتابوں میں کیا ہے لیکن وہاں جہاں دلائل سے عام کا عام ہونا ثابت ہو بخلاف اس کے جو عام ہی نہ ہو اور قطعی دلائل اس کے عام ہونے کا انکار کرتے ہوں تو ایسے خاص اور مقید کو عام اور مطلق قرار دینا پھر اس سے اپنی گاڑی چلانا صرف آپ لوگوں کو ہی زیب دیتا ہے کیونکہ آپ لوگوں کے عقائد و بدعات کی بنیاد ہی شبہات ضعیف احادیث اور غیر معصومین اور غیر مجتہدین کے اقوال پر قائم ہے اس لیے اس مقام پر تسکین الصدور کے حوالہ سے آپ کو ایک رتی فائدہ بھی نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔

وثانی عشر: لفظ کل کی بحث میں ہم بھی اور قارئین کرام بھی ان شاء اللہ العزیز دیکھ لیں گے کہ شائقین علم آپ کی بے جان بحث سے محظوظ و لطف اندوز ہوتے ہیں یا آپ کی جہالت اور کم فہمی پر متاسف اور حیران ہوتے ہوئے دوسروں کی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں؟

جاتے دے اے تصور جاناں نہ کر تلاش — ایسا نہ ہو کہ وہ کہیں دشمن کے گھر ملے

دلیل ۴۲ وَتَفْصِيْلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ (پ ۱۱۔ سورۃ یونس رکوع ۹)

اور کتاب کی تفصیل ہے جس میں کوئی شک نہیں یعنی لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے قرآن سب کی تفصیل ہے بلاشبہ۔ جلالین میں ہے تفصیل الکتب تبیین ماکتب اللہ من الاحکام وغیرھا اسی طرح جمل روح البیان صاوی وغیرہ میں لکھا ہے اور غیر مضاف ہوکر بھی نکرہ ہی رہتا ہے جو مفید تعمیم ہے معلوم ہوا کہ قرآن میں لوح محفوظ کی تفصیل موجود ہے اور لوح محفوظ میں تمام علوم ہیں تو قرآن میں بھی ہیں اور جو قرآن میں ہیں وہ سینۂ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہیں انتہیٰ بلفظہٖ (ص۳۹ و ص۳۶)

الجواب: تفصیل الکتاب۔ لفظ غیر اور قیاس اختراعی اقترانی کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ مؤلف مذکور نے جمہور حضرات مفسرین کرام کی راجح تفسیر کو کہ الکتاب سے خود قرآن کریم اور اس میں لکھی ہوئی باتیں یا پہلی کتابوں میں جو اصولی باتیں لکھی ہوئی تھیں مراد ہے چھوڑ کر اس مقام پر جمل روح البیان صاوی اور خازن صاحب کی مختار مگر مرجوح تفسیر سے کہ اپنی گاڑی چلانے کی کوشش کی ہے اور پہلے یہ بات بھی عرض کی جا چکی ہے کہ اگر لوح محفوظ بھی مراد ہو تب بھی اس کے مندرجات کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تفصیلی علم پر کوئی قطعی دلیل موجود نہیں۔

جلالین کا حوالہ ترجمہ کے ساتھ جوڑ کر مؤلف مذکور نے یہ مغالطہ دیا ہے کہ صاحب جلالین بھی الکتاب سے لوح محفوظ مراد لے رہے ہیں حالانکہ یہ تاثر بالکل غلط ہے وہ یہ لکھتے ہیں۔

وَلٰكِنْ اُنْزِلَ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ من الكتب وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ تبيين ماكتب الله من الاحكام وغيرها (ص۱۷۲)	اور لیکن اُتارا گیا ہے اس چیز کی تصدیق کے لیے جو اس سے پہلے ہیں یعنی کتابیں اور تفصیل ہے لکھی ہوئی باتوں کی یعنی جو احکام وغیرھا اللہ تعالیٰ نے لکھے ہیں ان کی تفصیل ہے۔

صاحب جلالین الکتاب کو مصدر بنا رہے ہیں اور احکام وغیرھا سے مقید کرتے ہیں نہ کہ لوح محفوظ مراد لے رہے ہیں اور غیرھا سے حدود و امثال اور مواعظ وغیرھا مراد ہیں جو قرآنِ کریم میں مذکور ہیں اور اس کی شان بھی یہی ہے اس مقام پر الکتاب سے لوح محفوظ فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت (وغیرہ) نے مراد لی ہے (دیکھیے کنز الایمان ص۳۰۸) مؤلف مذکور کا یہ دعویٰ کہ تو قرآن میں بھی (تمام علوم) ہیں غیر مسلّم ہے کما مر مفصلاً غرضیکہ اس دلیل سے بھی ان کا دعویٰ ہرگز ثابت نہیں ہوتا ویسے ہی دل میں

خوشی مناتے رہیں کہ ہمیں مفید دلیل اور آشیاں مل گیا ہے تو ان کی اپنی مرضی ہے مگر بالآخر وہ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ؎

بہت تھا شوق ہمیں آشیاں بنانے کا
سزا کے طور پہ ہم کو ملا قفس جالبؔ

دلیل ۵ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝

ترجمہ:۔ اور ہر خشک و تر چیز کتاب مبین میں ہے ۔ رطب و یابس نکرہ جیسز نفی میں وارد ہیں جو مفید استغراق و عموم ہیں معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں ہر چیز کا علم ہے اور پہلے بتایا گیا ہے کہ لوح و محفوظ کے تمام علوم قرآن میں ہیں اور قرآن کے تمام علوم سینۂ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہیں۔ تفسیر کبیر اور روح البیان و خازن میں ہے لوح محفوظ میں ہر چیز کا بیان ہے بلکہ تفسیر مدارک اور تفسیر تنویر المقیاس میں بھی یہی لکھا ہے ملخصاً اور خازن میں لکھا ہے ان القرآن مشتمل علی جمیع الاحوال کہ قرآن میں تمام احوال کا بیان ہے۔ تفسیر انوار التنزیل میں بھی یونہی لکھا ہے امام شعرانیؒ طبقات کبریٰ میں فرماتے ہیں لو فتح عن قلوبکم اقفال السدد لاطلعتم علی ما فی القرآن من العلوم واستغنیتم عن سواہ فان فیہ جمیع مارقم فی صفحات الوجود الخ تفسیر اتقان میں لکھا ہے قال المجاھد یوما ما من شئ فی العالم الا ھو فی کتاب اللہ فقیل لہ، فاین ذکر الخانات فقال فی قولہ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ الآیۃ اور تفسیر حسینی میں تبیانا لکل شیء کی تفسیر میں لکھا ہے بیان روشن برائے ہمہ چیز از امور دین و دنیا تفصیل و اجمال۔ ان عبارات میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ تمام احوال اور تمام امور دین و دنیا اور ان کی تفصیلات اور جہان کی ہر چیز کا علم قرآن کریم میں موجود ہے اور ظاہر ہے قرآن کریم کا علم حضور علیہ السلام کو عطا ہوا ہے لہٰذا ہمارا مدعیٰ ثابت ہو گیا۔ مزید آیات قرآنیہ بھی پیش کی جا سکتی ہیں مگر چونکہ ہمارے اکابر نے اس قدر کتابیں لکھیں ہیں اس موضوع کے متعلق اور اس قدر دلائل قائم کیے ہیں کہ انبار لگا دیے ہیں اور منکرین کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات بھی دے دیے ہیں جن کا استیعاب قریباً ناممکن ہے اس لیے ہم اپنی پانچ ادلہ پر اکتفار کرتے ہیں اور سرفراز صاحب کے اعتراضات اور دلائل کے جواب میں احادیث اور اکابرین امت کی عبارات مدعا مذکور پہ نقل ہوں گی اس لیے

یہاں ان کو ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا جس سے ہم اجتناب ضروری سمجھتے ہیں۔ انتہیٰ بلفظہٖ
(ص۳۴ و ص۳۵)

الجواب : قارئین کرام بخوبی پڑھ چکے ہیں کہ بقول مؤلف مذکور کے اُن کے پاس قرآن کریم سے اپنے مدعیٰ کے اثبات کے لیے صرف پانچ دلیلیں ہیں باقی غیر متعلق اور لایعنی دلائل کا ہوائی انبار ان کے اکابرین نے لگا دیا ہے ان کی قرآنی چار دلیلوں سے تو ان کے دعویٰ کا اثبات بالکل نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے اور نہ تا قیامت ہو سکیگا۔ حال آپ معلوم کر چکے ہیں اب آپ پانچویں دلیل کا حشر بھی دیکھ لیجیے کہ ان کا یہ باطل مدعیٰ پانچویں دلیل سے بھی قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔

اولاً اس لیے کہ لوح محفوظ میں تو تمام چیزیں درج ہیں لیکن لوح محفوظ کی تمام چیزیں قرآن کریم میں درج نہیں ہیں اور نہ یہ اس کی شان کے لائق ہیں کیونکہ لوح محفوظ میں تو علم سحر لودیمیا وغیرہ ناپاک علم بھی درج ہیں کہ ان کو لوگ کریں گے اور قرآن کریم ہدایت و رشد کی کتاب ہے وہ ایسے ناپاک علوم سے قطعاً پاک ہے وثانیاً لوح محفوظ اور تقدیر میں جو امور درج ہیں ان کو تفصیلی طور پر بجز پروردگار کے اور کوئی نہیں جانتا اور ازالۃ الریب میں اس پر بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے صریح حوالے دیئے ہیں۔ علی الترتیب ص۱۲ اور ص۱۲۵ دیکھیے۔

حضرت امام محی الدین ابو زکریا یحیٰی بن شرف النوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ

وقد طوی اللہ تعالٰی علم القدر عن العالم فلم یعلمہ نبی مرسل ولا ملک مقرب	بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کے علم کو عالم اور جہان سے مخفی رکھا ہے سو اس کو کوئی نبی مرسل اور ملک مقرب نہیں جانتا۔

(نووی شرح مسلم ص۳۳۴/۲۶)

الحاصل نہ تو تمام لوح محفوظ اور تقدیر کا علم روشن مفصل اور واضح طور پر قرآن کریم میں درج ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لوح محفوظ کا تفصیلی علم حاصل ہے اور نہ اس کے لیے کوئی قطعی دلیل موجود ہے۔

خانصاحب نے لوح محفوظ کے تمام مندرجات کے علم کے اثبات کے لیے جو دلیل پیش کی ہے وہ یہ ہے۔ حدیث ترمذی وغیرہ (جسے بقول ان کے دس صحابہ روایت کرتے ہیں)

میں یہ مضمون ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اتانی ربی فی احسن صورۃ ــــــ
قال یامحمد فیما یختصم الملأ الاعلیٰ ــــــ فقلت لا ادری ــــــ
فوضع کفہ بین کتفی فوجدت بردانا ملہ بین ثدیی فتجلی لی کل شیء وعرفت ــــ
ایک روایت میں فرمایا مافی السماء والارض ــــــ اور دوسری روایت میں فرمایا فعلمت
مابین المشرق والمغرب ۔ ان روایات کا ترجمہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ تینوں روایتیں
صحیح ہیں ــــــ پھر آگے لکھتے ہیں مسلمان دیکھیں نصوص میں بلاضرورت تاویل وتخصیص
باطل ونامسموع ہے اللہ عزوجل نے فرمایا ہر چیز کا روشن بیان کرنے کو یہ کتاب ہم نے تم پر اتاری
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لی تو بلاشبہ یہ رؤیت ومعرفت
جمیع مکنوناتِ قلم ومکتوبات لوح کو شامل ہے جس میں سب ماکان ومایکون من الیوم الاول الی یوم الآخر
وجملہ ضمائر وخواطر سب کچھ داخل ۔ اھ (ملفوظات حصہ اوّل طبع کراچی ص۳۰ وص۳۱ وص۳۲)

لیکن خانصاحب کا اس حدیث سے استدلال قطعاً باطل ہے ۔ اوّلاً اس لیے کہ ہم نے روایت
اور درایت کے لحاظ سے اس کی مفصل بحث ازالۃ الریب ص۵۱۸ تا ص۵۲۳ میں کر دی ہے اس کو
ضرور ملاحظہ فرمائیں کہ امام بیہقیؒ علامہ خازنؒ اور امام سیوطیؒ وغیرہ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے
وثانیاً اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تو بھی اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا خود خانصاحب
لکھتے ہیں کہ باب عقائد میں ضعاف تو درکنار بخاری ومسلم کی صحیح حدیثیں بھی مردود ہیں جب تک
قطعی الدلالۃ اور متواتر نہ ہوں بلفظہ (فتاوٰی رضویہ جلد دوم ص۵۰۵)

اور یہ حدیث نہ تو قطعی الدلالۃ ہے اور نہ قطعی الثبوت ہے تو پھر اس سے قرآن کریم کے
خلاف عقیدہ کیسے ثابت ہوگا ؟

وثالثاً : قرآن کریم کی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نصوص سے ثابت ہے مثلاً

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الآیۃ   اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں کا
(پ۱۲ ـ ہود ـ ۱۰)   اور زمین کا ۔

اس میں للہ کو حصر ہی کے لیے مقدم کیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا غیب صرف
پروردگار ہی کو حاصل ہے اور کسی کو نہیں ہے اور

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط — تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمانوں اور زمین میں غیب کی مگر صرف اللہ تعالیٰ۔

(پ ۲۰۔ النمل۔ ۵)

اس آیت کریمہ میں بھی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں غیب نہیں جانتا اور

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (پ ۴۔ آل عمران ۱۱) — اور اللہ ہی دلوں کے بھید جانتا ہے۔

ان نصوص قطعیہ قرآنیہ سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ ما فی الارض والسماء کا غیب اور دلوں کے راز اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معلوم نہیں (والّٰما اعطی اللّٰہ تعالیٰ لاحد وثبت بدلیل قطعی وھو شیٔ محدود بنسبۃ الغیب۔ مصنفؔ) تو ان آیات قطعیات کے خلاف خبر واحد کو اور وہ بھی ضعیف کو کون تسلیم کرتا ہے؟ اب قارئین کرام ہی انصاف سے فرمائیں کہ نصوص میں بلا ضرورت باطل تاویل اور نا مسموع تخصیص کا ارتکاب کون کرتا ہے؟ اور کس نے کیا ہے؟ ؎

تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط — الفت وہ راز ہے جو چھپایا نہ جائیگا

یہی وہ بڑی اور وزنی دلیل ہے جس سے خانصاحب اور اُن کے اتباع سماء و ارض مشرق و مغرب اور جملہ ضمائر و خواطر کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے لیے ثابت کرتے ہیں اور قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ دلیل کی تخصیص کے لیے کوئی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل بھی پیش نہیں کر سکتے ؏ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں، اور قرآن کریم کا معارضہ خبر واحد اور وہ بھی ضعیف سے کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم ایسی لایعنی تاویل و تخصیص کو خاطر میں نہیں لاتے اور صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ

وذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ — حضرات احناف نے صراحت کے ساتھ ایسا اعتقاد رکھنے والے کی تکفیر کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرتا اور اس کا عقیدہ رکھتا ہو کیونکہ یہ عقیدہ اللہ تعالےٰ کے اس

وَلَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ (المسامرۃ ص ۹۸ طبع مصر و شرح فقہ اکبر ص ۱۸۵ طبع کانپور)

ارشاد کے سراسر مخالف ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے ان میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا ہاں مگر صرف اللہ تعالیٰ ہی غیب کا علم رکھتا ہے اور بس ۔

یہ اور اس مضمون کے متعدد حوالے ہم نے ازالۃ الریب ص ۲۲۳ تا ص ۲۲۶ میں مفصل عرض کیے ہیں مؤلف مذکور کا تفسیر کبیر، روح البیان۔ تفسیر خازن۔ مدارک اور تفسیر تنویر المقباس کے حوالہ سے یہ لکھنا کہ لوح محفوظ میں ہر چیز کا بیان ہے بجا ہے لیکن اس سے ان کو رتی برابر فائدہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لوح محفوظ کا سارا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کسی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ اور امام فخر الدین الرازی (المتوفی ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں کہ

وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ ۔ يدل على اعترافه بانه غير عالم بكل المعلومات (تفسیر کبیر ص ۲۲۳ ج ۴)

وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ کا جملہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ آپ کل معلومات نہیں جانتے ۔

اس تصریح کے ہوتے ہوئے حضرت امام رازیؒ کی کسی مجمل عبارت سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرنا دور از انصاف بات ہے جو کسی بھی عقلمند پر مخفی نہیں۔ اور نہ ہو سکتی ہے۔ اور وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

واما قوله من كل شيء فهو شبهة فيه انه ليس على العموم بل المراد من كل ما يحتاج اليه موسى وقومه فى دينهم من الحلال والحرام والمحاسن والقبائح ۔ (تفسیر کبیر ص ۲۳۷ ج ۱۴)

من کل شیء کے قول میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سے عموم مراد نہیں بلکہ ہر وہ چیز مراد ہے جس کی دینی لحاظ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم کو حلال اور حرام اور محاسن و قبائح کی صورت میں حاجت تھی ۔

اور علامہ خازنؒ کے حوالہ سے بھی کہ قرآن میں تمام احوال کا بیان ہے مؤلف مذکور کا مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کی مراد کل احوال سے صرف امور دین ہیں۔ اور ازالۃ الریب ص ۲۷۹ میں ان کا مفصل حوالہ موجود ہے ۔

رہا امام شعرانیؒ کا حوالہ تو وہ بھی ان کو سود مند نہیں۔ کیونکہ امام شعرانیؒ نہ کسی نص کا نام ہے اور نہ خبر متواتر کا۔ وہ ایک صوفی ہیں۔ عبارۃ تو یہ ہے در کنار فقہ میں بھی ان کا کوئی مسئلہ اور جزئیہ جو حضرات فقہائے کرام کے خلاف ہو قابل قبول نہیں۔ اور پھر ان کا قول مجمل اور قابل تاویل ہے اور مراد یہ ہے کہ صفات وجود میں جتنے علوم نافعہ اور رشد و ہدایت کے ہیں ان کا منبع قرآن کریم ہے۔ نہ یہ کہ معاذ اللہ تعالیٰ علم سحر و سیمیا وغیرہ ناپاک علم بھی اس سے نکلے ہیں۔

تفسیر حسینی کا حوالہ

مؤلف مذکور نے جن حضرات مفسرین کرامؒ کے حوالے پیش کیے ہیں ان کے حوالے تو انہیں کسی طرح بھی مفید نہیں جیسا کہ قارئین کرام ملاحظہ کر چکے ہیں۔ البتہ تفسیر حسینی کا حوالہ بظاہر ان کی تائید کرتا ہے کیونکہ اسمیں "بیان روشن برائے ہمہ چیز از امور دین و دنیا تفصیل و اجمال" کے الفاظ بھی موجود ہیں لیکن نصوص احادیث متواترہ اور حضرات فقہائے کرامؒ کے اجماعی فتویٰ کے مقابلہ میں تفسیر حسینی کے حوالہ کی کیا حیثیت ہے۔ جب کہ اس کے مصنف حسین بن علی الکاشفی والمتوفی ۹۱۰ھ شیعہ تھے۔ اور شیعہ کا حضرات ائمہ کرام کے لیے اثبات علم غیب کا عقیدہ واضح ہے۔ دیکھئے ازالۃ الریب ص۲۸۳۔ اکسیر فی اصول التفسیر ص۵۵ میں مؤلف تفسیر حسینی کے بارے لکھا ہے کہ

مذہب شیعہ داشت ایں تفسیر وے چیزے نیست۔ بلفظہٖ۔

اور مشہور شیعی عالم علامہ شوستری نے مجالس المؤمنین ص۵۴۷ و ص۵۴۸ میں ان کا طویل ترجمہ ذکر کیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مؤلف مذکور کی پیش کردہ کسی دلیل سے اور کسی حوالہ سے ان کا مشرکانہ عقیدہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ ان کی اختراعی منطق سے یہ بنیادی عقیدہ حل ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کو سمجھنے کے لیے فکر آخرت کے ساتھ نور بصیرت کی بھی اشد ضرورت ہے جس سے فریق مخالف کا دامن خالی ہے بعض کتابوں میں غیر معصوم لاتعلق اور بے جوڑ حوالے دیکھنے سے کیا بنتا ہے؟ ؎

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی   جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

بے جا دفاع: مؤلف مذکور جب بزعم خویش قرآن کریم کی پانچ دلیلوں سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کر چکے (اور قارئین کرام بخوبی معلوم کر چکے ہیں کہ ان دلائل سے ان کا دعویٰ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے) تو اس کے بعد انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر انکار علم غیب کے دلائل کا دفاع یوں کیا۔

(۱) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام معاصی سے معصوم ہیں۔ مگر زلّۃ سہو و نسیان و ذھول ان سے ممکن ہے۔

(۲) سہو و نسیان و ذھول ہرگز علم کے منافی نہیں۔ کسی چیز کا بھول جانا یا اس سے ذھول ہو جانا لاعلمی کی دلیل نہیں ہے بھولتی وہی چیز ہے جو پہلے علم میں ہوتی ہے۔ جب توجہ دلائی جاتی ہے یاد آجاتی ہے۔ اگر علم میں نہ ہو تو کبھی یاد نہ آئے۔ معلوم ہوا کہ بھولنا اور اسی طرح ذھول علم کے منافی نہیں۔

(۳) عدم توجہ بھی عدم علم کی دلیل نہیں۔ جب توجہ دلائی جاتی ہے تو جو چیز عدم توجہ کی وجہ سے غیر مستحضر تھی وہ مستحضر ہو جاتی ہے۔

(۴) کسی وقت مستحضر نہ ہونا بھی عدم علم کی دلیل نہیں بلکہ عین ممکن ہے کہ مستحضر نہ ہو مگر علم میں ہو۔

(۵) ہر شئ ہر وقت علم میں ہو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی وقت کوئی چیز بھولے نہیں۔ یا ذاہل نہ ہو۔ یا ہر وقت مستحضر ہے۔ یہ شان تو صرف خالق و مالک کی ہے۔ کہ نہ بھولے نہ ذھول ہو نہ عدم استحضار۔ (محصلاً اثبات علم الغیب صـ ۳۸ و صـ ۳۹)

الجواب:۔ مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ کہا ہے شق اول کے علاوہ باقی تمام شقیں مخدوش اور غیر مسموع ہیں

شق دوم تو اس لیے کہ اوّلاً مؤلف مذکور کے اکابر کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسیان کے بارے میں متضاد نظریات ہیں۔ ان میں قائل بھی ہیں اور منکر بھی اور غالباً ان کو اپنی جماعت کے بعض بڑوں کا مسلک معلوم نہیں ہے۔ مؤلف بہار شریعت لکھتے ہیں۔

زمین و آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیش نظر ہے۔ بلفظہٖ (بہار شریعت صـ ۱۴ حصہ اول)

ظاہر امر ہے کہ جب ہر ذرہ پیش نظر ہو تو ذھول و نسیان کا کیا مطلب؟ اور ان کے مولانا محمد عمر صاحب لکھتے ہیں۔

یا ایھا النبی الحاضر ہر وقت ہر ذرے ذرے کی خبر رکھنے والے اھ بلفظہٖ (مقیاس النور صـ ۱ و صـ ۶۹)

جب ہر وقت ہر ذرہ ذرہ کی خبر ہو تو پھر ذہول و نسیان کا کیا معنیٰ ؟

وثانیاً : بقول مؤلف مذکور کے اگر علم کے بعد کسی وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذہول و نسیان ہو جائے تو اس وقت تو آپ کو علم غیب نہ رہا۔ کیونکہ غیب کا معنیٰ یہ ہے کہ ما غاب عن المخلوق یعنی جو چیز مخلوق سے غائب ہو۔ نسیان اور غائب ہونے کی صورت میں تو علم غیب سے اتصاف نہ رہا۔ اور یہ بات تو مؤلف مذکور کے دعویٰ علم غیب کے سراسر خلاف ہے۔

وثالثاً : ان کا یہ کہنا کہ جب توجہ دلائی جاتی ہے یاد آجاتی ہے اگر علم نہ ہو تو کبھی یاد نہ آئے الخ قطعاً باطل ہے۔ اس لیے کہ علم غیب اور نسیان و ذہول متضاد چیزیں ہیں۔ یہ کیسے جمع ہو گئیں ؟ کیونکہ توجہ دلانے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے علم میں چیز نہیں رہی اور یہ علم کے منافی ہے۔ علاوہ ازیں توجہ دلانے کے ساتھ بعض اوقات ذہین آدمی کو غیر معلوم چیزیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں تو توجہ دلانے کے بعد حاصل ہو جانا اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ پہلے ہی سے حاصل تھی۔ اور اس کے بطلان کے لیے حضرت ابوہریرہؓ کی یہ صحیح حدیث ہی کافی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعتوں والی نماز پڑھائی اور بھول کر دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ حضرت ذوالیدین (عمیرؓ بن نضلۃ) نے فرمایا کہ

أَنَسِيتَ ام قصرت فقال لم أَنْسَ ولم تقصر قال بلىٰ قد نَسِيتَ - الحديث

کیا آپ بھول گئے ہیں ؟ یا نماز کم ہو گئی ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز کم ہوئی ہے۔ حضرت ذوالیدینؓ نے کہا ہاں! حضرت! آپ تحقیق سے بھول گئے ہیں

(بخاری ص ۱۶۴ ج ۱ واللفظ لہ و مسلم ص ۲۱۳ ج ۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ توجہ دلانے کے باوجود بھی آپ کو غلطی یاد نہ آئی اور اپنے نسیان کا یقین نہ آیا۔ یہاں تک کہ

فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاصحابہ أحقٌ ما يقول قالوا نعم الحديث

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ کیا جو کچھ ذوالیدینؓ کہتا ہے صحیح ہے ؟ انہوں نے کہا صحیح ہے۔

(بخاری ص ۱۶۳ ج ۱ واللفظ لہ و مسلم ص ۲۱۳ ج ۱)

اس صحیح حدیث کا ایک ایک جملہ مؤلف مذکور کے بے بنیاد دعویٰ کی بیخ کنی کے لیے کافی ہے اور سوئم و چہارم و پنجم اس لیے کہ ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ توجہ دلانے کے باوجود بھی آپ اپنا نسیان نہ جان سکے۔ تاوقتیکہ حضرات صحابہ کرامؓ سے اس امر کی تصدیق نہ کرا لی گئی۔ عدمِ علم اور کس چیز کا نام ہے؟ مؤلف مذکور کی یہ نرالی منطق ہے کہ عدم توجہ سے عدم استحضار بھی ہو اور پھر بھی علمِ غیب کا دعویٰ برقرار رہے؟ علم غیب سے اتصاف بھی ہو اور ذہول و عدم استحضار بھی ساتھ ساتھ رہے؟ گویا علم اور عدمِ علم ان کے نزدیک دونوں کسی مرحلہ میں جمع ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے مؤلف مذکور یہ کہہ دیں۔

نہ پوچھ مجھ سے مرے ذوقِ خود فریبی کو
خزاں میں بھی یہی سمجھا کہ اب بہار آئی

مرادآبادی صاحب کی آپؐ کے نسیان کے بارے دورنگی

مؤلف مذکور تو اپنے کمزور علم کی بناء پر نسیان اور لمحہ بھر کے عدمِ علم کو علمِ غیب کے خلاف نہیں سمجھتے لیکن ان کے بڑے نسیان اور لمحہ بھر کے عدم علم کو بھی علمِ غیب اور نبوت کے خلاف سمجھتے ہیں چنانچہ ان کے مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی نسیان کے رد کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

اور یہ (نسیان) صرف زبانی بات ہے اس پر نہ کوئی دلیل ہے نہ شاہد۔ کوئی پوچھے کہ آپ نے کہاں تصریح پائی کہ علم عطا فرما کر چھین لیا جاتا ہے یہ بے دلیل محض تعصب سے یہ کہہ دیا کہ ہمیشہ نہیں رہتا۔ (بلفظہٖ)

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں۔

پھر کسی طرح ممکن نہیں کہ آپ یہ بات ثابت کر سکیں کہ وہ علم تھوڑی دیر کے بعد جاتا رہا۔ اور اگر ممکن ہے تو ھاتوا برھانکم (الکلمۃ العلیا م۲۷)

مؤلف مذکور ذہول اور نسیان کی صورت میں تھوڑی سی دیر کے لیے آپؐ کا عدمِ علم تسلیم کرتے ہیں اور مرادآبادی صاحب اس کو ممکن ہی نہیں مانتے اور اس پر دلیل طلب کرتے ہیں ھاتوا برھانکم۔ ہمارا برہان و دلیل تو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ۔ احادیث صحیحہ اور جمہور اہلِ اسلام کا ارشاد ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بشمولیت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نسیان ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ عدم نسیان تو صرف رب تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے وَمَا کَانَ

رَبُّکَ نَسِیًّا اور حضور کا رب بھولنے والا نہیں اور غفلت اور نسیان سے پاک ہے۔
ترجمہ خانصاحب کا ہے اور تفسیری جملہ مرادآبادی صاحب کا ہے (خزائن العرفان ص۴۳۸)

(۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝ (پ ۱۶ - طٰہٰ - ۶)

اور بے شک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ (یہ ترجمہ خانصاحب کا ہے کنزالایمان ص۴۴۳)

مفتی احمد یار خان صاحب اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ آدم علیہ السلام نے عمداً گندم نہ کھائی۔ یا ممانعت بھول گئے یا وجہ ممانعت سمجھنے میں خطا ہو گئی۔ لہٰذا وہ گنہگار نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم جیسوں کے لیے بھول چوک معاف ہے مگر انبیاء کرام پر اس سے بھی عتاب ہو جاتا ہے انکی عظمت شان کی وجہ سے۔ تیسرے یہ کہ کوئی شخص اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ سمجھے۔ آدم علیہ السلام معصوم اور جنت محفوظ جگہ تھی۔ پھر بھی ابلیس کا داؤ چل گیا تو ہم کس شمار میں ہیں۔ بلفظہٖ۔ (نورالعرفان ص۵۱۰)

(۲) حضرت موسیٰ۔ حضرت خضر اور حضرت یوشع بن نون علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ایک مخصوص واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اس میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا (جو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سفر میں خادم تھے اور بعد کو نبوت ملی تھی) یہ مقولہ بھی مذکور ہے۔

فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ الآیۃ (پ ۱۵ - الکہف - ۹)

تو بے شک میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا مذکور کروں۔ (ترجمہ خانصاحب کا ہے کنزالایمان ص۴۲۶)

مفتی احمد یار خان صاحب اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یوشع علیہ السلام بیدار تھے۔ اور یہ دیکھ رہے تھے۔ مگر جب موسیٰ علیہ السلام جاگے تو وہ آپ سے یہ واقعہ عرض کرنا بھول گئے۔ اور دونوں صاحب وہاں سے روانہ ہو گئے۔ بلفظہٖ (نورالعرفان ص۴۷۹) اور اسی واقعہ میں ہے کہ حضرت

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبل از وقت حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کرنے پر معذرت کرتے ہوئے فرمایا لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ ۔ مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کرو۔ (ترجمہ از خانصاحب)

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ الآیۃ (پ ۱۵ ۔ الکہف ۔ ۴)

اور اپنے رب کی یاد کر جب تو بھول جائے ۔ یعنی انشاء اللہ کہنا یاد نہ رہے تو جب یاد آئے کہہ لے اھ ترجمہ خانصاحب کا ہے اور تفسیر مراد آبادی صاحب کی ہے (ملاحظہ ہو خزائن العرفان ص ۴۲۹ طبع تاج کمپنی لاہور)

اور مفتی احمد یار خان صاحب اسکی تفسیر میں لکھتے ہیں

یعنی اگر انشاء اللہ کہنا یاد نہ رہے تو جب آوے کہہ لیں ۔ روح البیان نے فرمایا کہ اس جملہ کے نزول کے وقت حضور نے انشاء اللہ فرمایا اھ (نور العرفان ص ۴۷۲)

یعنی پہلے بھول گئے تھے اور اب فرمایا ۔ خود مراد آبادی صاحب لکھتے ہیں۔

شان نزول اہل مکہ نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جب اصحاب کہف کا حال دریافت کیا تھا تو حضور نے فرمایا کل بتاؤں گا ۔ اور انشاء اللہ نہیں فرمایا تھا ۔ تو کئی روز وحی نہیں آئی پھر یہ آیت نازل ہوئی (ملفظہ ص ۴۲۹)

مراد آبادی صاحب تو نسیان کے امکان پر دوسروں سے برہان طلب کر گئے ہیں ۔ مگر یہاں نص قطعی اور خود ان کے اپنے اقرار سے وقوع نسیان ثابت ہو گیا ہے ۔ ؎

میری نگاہ شوق پہ اس درجہ سختیاں   اپنی نگاہِ شوخ کی کوئی سزا نہیں

ان آیات کریمات سے واضح طور پر یہ ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھول اور نسیان ہو سکتا ہے ۔ اور ایسے واقعات عملاً پیش آئے

مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں۔

کہ انبیاء کرام کے بھول و نسیان بھی رب کی طرف سے ہوتے ہیں ۔ دغیر نبی کا نسیان بھی رب تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے ۔ حدیث فانما اطعمہ اللہ وسقاہ

بخاری صـ۲۵۹ ج۱ واللفظ لہ ومسلم صـ۳۶۴ ج۱ وابوداؤد صـ۳۳۳ ج۱ وترمذی صـ۹۰ ج۱ وابن ماجہ صـ۱۲۳ وغیرہ۔ اس کی واضح دلیل ہے کہ بھول کر روزہ افطار کرنے والے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اللہ تعالی نے کھلایا اور پلایا ہے علاوہ ازیں اہل حق کے نزدیک ہر فعل کا خالق صرف پروردگار ہی ہے۔ صفدر) جن میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ سارے عالم کا ظہور آدم علیہ السلام کے ایک نسیان کی برکت سے ہے۔ لہٰذا ہماری اور ان کی بھول میں بڑا فرق ہے ہماری بھول نفسانی یا شیطانی ہے ان کی بھول رحمانی حدیث انسٰی الخ میں تشبیہ صرف بھول میں ہے۔ بلفظہ۔
(نور العرفان صـ۹۶۵)

اور نیز لکھتے ہیں کہ

جہاں کہیں نماز وغیرہ میں حضور کو نسیان ثابت ہے وہ ظاہری نسیان ہے۔ اور رب کی مشیت سے ہے۔ جیسں ہزارہا حکمتیں ہیں ورنہ حضور کمزوری حافظہ نسیان کی بیماری سے پاک ہیں بلفظہ (نور العرفان صـ۹۶۶)

بجا ہے۔ جس طرح بعض افراد کو مستقل طور پر نسیان کی بیماری لاحق ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس سے محفوظ تھے۔ لیکن کسی وقت بھول چوک کا صادر ہو جانا لوازمات بشریہ میں سے ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے اول الناس اول ناس۔ پھر ماوشما کس شمار میں ہے

بھول جانا تو رسم دنیا ہے — آپ نے کون سا کمال کیا

احادیث بھی بے شمار ہیں ہم صرف ایک ہی حدیث کا ذکر بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ایک نماز میں بھول گئے حضرات صحابہ کرامؓ کے توجہ دلانے اور بقیہ نماز کی تکمیل کے بعد آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ولٰکن انما انا بشر مثلکم انسٰی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی الحدیث (بخاری صـ۵۸ ج۱ واللفظ لہ ومسلم صـ۲۱۲ ج۱ ونسائی صـ۱۳۹ ج۱ وابوداؤد صـ۱۴۶ ج۱ وابن ماجہ صـ۸۶)	اور لیکن یقینی بات ہے کہ میں تو تمہارے جیسا بشر ہوں۔ بھول جاتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو سو جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد کرا دیا کرو۔

اس صحیح حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھول جاتے تھے صرف نماز کے سلسلہ میں شیخ تقی الدین ابن دقیق العیدؒ (المتوفی ۷۰۲ھ) کی تحقیق کے مطابق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چار مرتبہ بھولے ہیں (فیض الباری صہ ۲/۳۴) اور حافظ ابن القیمؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) کی تحقیق یہ ہے کہ پانچ دفعہ بھولے ہیں (زاد المعاد صہ ۱/۷۴)

شیخ الاسلام حافظ ابن دقیق العیدؒ بھول ونسیان کے سلسلہ میں حضرت ذوالیدین (اور ان کو ذوالشمالینؓ بھی کہتے ہیں۔ عمیرؓ بن عمرو بن نضلۃ الخزاعی الملقب بالخرباق) کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

انہ یدل علی جواز السہو فی الافعال علی الانبیاء علیہم السلام وھو مذھب عامۃ العلماء والنظار وھٰذا الحدیث مما یدل علیہ وقد صرّح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی حدیث ابن مسعودؓ بانہ ینسیٰ کما ینسون وشذّت طائفۃ من المتوغلین فقالت لا یجوز السہو علیہ وانما یُنسیٰ علیہ عمداً ویتعمّدُ صورت النسیان لِیَسُنَّ وھذا باطل لاخبارہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بانہ ینسیٰ (احکام الاحکام صہ ۱/۷۸)

یہ حدیث حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے افعال میں بھول ونسیان کے جواز پر دال ہے اور یہی اکثر علماء اور ارباب بصیرت کا مذہب ہے اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ آپؐ بھی ویسے ہی بھول جاتے ہیں جیسے لوگ بھولتے ہیں۔ اور جہالت و بدعت میں منہمک ایک طائفہ نے یہ شاذ قول اختیار کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھول جائز نہیں۔ ہاں آپ پر عمداً نسیان طاری کیا جاتا ہے اور آپ عمداً نسیان کی صورت بناتے ہیں تاکہ اس کے احکام جاری کریں۔ مگر یہ قول باطل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپؐ بھول جاتے ہیں۔

اور حضرت امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) حدیث انما انسیٰ کما تنسون کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ

فيه دليل على جواز النسيان عليه صلى الله تعالى عليه وسلم في احكام الشرع وهو مذهب جمهور العلماء وهو ظاهر القرآن والحديث واتفقوا على انه صلى الله تعالى عليه وسلم لا يقر عليه بل يعلمه الله تعالى به اھ	اس حدیث میں دلیل ہے کہ احکام شرع میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نسیان جائز ہے اور یہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔ اور قرآن و حدیث سے ظاہر یہ ثابت ہے۔ اور علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھول نسیان پر برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھولی ہوئی چیز بتلا دیتے ہیں۔

(شرح مسلم ص ۲۱۲ ج ۱)

اور حدیث ذوالیدین سے ثابت شدہ فوائد بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

منها جواز النسيان في الافعال والعبادات على الانبياء صلوات الله وسلامه عليهم اجمعين وانهم لا يقرون عليه اھ۔ (شرح مسلم ص ۲۱۴ ج ۱)	ان فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ افعال و عبادات میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نسیان جائز ہے مگر وہ نسیان پر برقرار نہیں رکھے جاتے

جب ایک چیز ظاہر قرآن و حدیث اور جمہور علماء اسلام کی تصریحات سے ثابت ہو تو اس سے بڑا برہان اور دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارا دامن کم دلائل و براہین سے پُر ہے اور جو دعویٰ قرآن و حدیث اور جمہور علماء ملت کی تصریحات سے مبرہن ہو اس کے حق ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ ہم تو اس دعویٰ اور ان براہین کو ماننے پر مجبور ہیں ؎

شکایت تو نہیں کرتا ہوں لیکن عرض اتنی ہے
وہ آخر کیا کرے جو ہر طرح مجبور ہو جائے

لہٰذا ہم تو فرض سے فارغ ہیں۔ مؤلف مذکور یا تو مراد آبادی صاحب کو معقول جواب دیں یا ان کے مقروض رہیں ؎

من نگویم کہ ایں ممکن آں کن ۔۔۔ مصلحت بیں و کار آسان کن

مسئلہ نسیان اور مولوی محمد عمر صاحب :۔ ان کے مولانا محمد عمر اچھروی دلائل علم غیب نبی صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم پر اصولی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(مولوی محمد عمر صاحب اچھروی فریق مخالف کے محقق اور مناظر عالم تصور ہوتے تھے)

اگر کسی نے بالفرض نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کچھ وقت کے لیے معاذ اللہ تعالےٰ اس خبر سے بے علم سمجھا تو اس اعتقاد کی بناء پر اتنی دیر وہ منکر نبوت رہے گا۔ یا اس کو یہ ماننا پڑے گا کہ نبی علیہ السلام کی کچھ دیر کے لیے عدم علمی اس کے نبوت کے انعدام پر دال ہوگی اور نبوت کا نبی سے منعدم ہونا ایک آن کے لیے بھی اصول نبوت کیا بلکہ اصول الٰہیہ کے خلاف ہے۔ ماننا پڑے گا کہ نبی علیہ السلام اپنے علم غیب عطائی سے ایک آن کے لیے بھی بے خبر نہیں ہو سکتے جیسا کہ نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم تمام عالمین کے علم سے ایک آن کے لیے بھی بے خبر نہ تھے۔ اور نہ ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں الخ (مقیاس حنفیت ص۲۹۱)

فریق مخالف کے حضرت علامہ مولانا محمود احمد صاحب رضوی لکھتے ہیں

حضور کا علم نسیان سے پاک ہے:۔ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ارشاد ہوتا ہے سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى محبوب ہم تم کو پڑھاتے رہیں گے اور تم کو نسیان نہ ہوگا۔ آیت مذکورہ (وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلٰى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ) سے ظاہر ہوا تھا کہ آدم علیہ السلام کے علم میں نسیان موجود تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نسیان عوارض بشریت سے ہے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق یہ اعلان ہو رہا ہے کہ محبوب کا علم نسیان سے پاک ہے۔ اور عوارض بشریت کو رسالت نبویہ سے دور کا لگاؤ بھی نہیں ؎

بشر ضرور ہیں پر داخل انام نہیں — شمار دانۂ تسبیح میں امام نہیں

ایک شبہ کا ازالہ

آیت بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ علم نبیؐ نسیان سے پاک ہے مگر احادیث صحیحہ سے آپ کے فعل میں سہو کا ذکر آیا ہے چنانچہ حدیث ذوالیدینؓ سے حضور کا دو رکعت پر سلام پھیرنا اور حدیث ابن مسعودؓ سے آپ کا ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھانا مذکور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آیت و حدیث متعارض نہیں ہیں کیونکہ نسیان کا تعلق علم سے ہے اور سہو کا تعلق فعل سے ہے لہٰذا

حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ فعل نبوی میں سہو واقع ہوا علم میں نہیں بلکہ حضور کے افعال بھی سہو سے پاک ہیں اور نماز میں جو سہو ہوا اس کے متعلق شراح احادیث فرماتے ہیں۔

یہ تعلیم امت کے لیے تھا بلفظہٖ (جامع الصفات ص۲۳ و ص۲۴ طبع نوریہ رضویہ لائلپور)

الجواب:- قارئین کرام نے علمی اور تحقیقی جوابات تو بہت کچھ دیکھے اور پڑھے ہوں گے مگر اس مجموعۂ تضاد جواب اور تحقیق کی تو شان ہی نرالی اور انوکھی ہے جو سراسر مردود ہے۔ اولاً تو اس لیے کہ لغت میں سہو و نسیان کا ایک ہی مطلب ہے ان میں یہ فرق کرنا کہ نسیان کا تعلق علم سے ہے اور سہو کا تعلق فعل سے ہے قطعاً غلط ہے جو کسی طرح مسموع نہیں ہے۔ مصباح اللغات ص۴۰۴ میں ہے۔ سہو غافل ہونا بھولنا۔ دل کا دوسری طرف متوجہ ہونا۔ اور ص۸۷۳ میں ہے نسیان بھولنا۔ اور غیاث اللغات ص۲۸۰ میں ہے۔ سہو بالفتح فراموشی و فراموش کردن و غافل شدن۔ اور ص۵۲۳ میں نسیاً منسیاً کا معنی کرتے ہیں بمعنی فراموش۔ از یاد رفتہ یعنی کمال فراموش۔ اور المنجد اردو ص۴۹۹ میں ہے۔ سہو غافل ہونا بھولنا دل کا دوسری طرف پھر جانا۔ اور ص۱۰۱۴ میں ہے نسیان چیز کو بھولنا۔ جب دونوں لفظوں کا ایک ہی مفہوم ہے تو ایک کو علم سے اور دوسرے کو فعل سے متعلق کرنا مردود ہے۔ وثانیاً اس لیے کہ آیت کریمہ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى کے آگے اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ کی استثناء بھی موجود ہے جو بعض صورتوں میں مثبت نسیان ہے مگر جناب رضوی صاحب اس کو بالکل ہضم کر گئے ہیں وثالثاً اس لیے کہ آیت کریمہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ الآیۃ کو بھی جس میں آپؐ کے نسیان کے وقوع کا ذکر ہے بالکل ہڑپ کر گئے ہیں ورابعاً اس لیے کہ آیت کریمہ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الآیۃ اور حدیث اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ الحدیث کو بھی پی گئے ہیں جن میں کلمہ اِنَّمَا کے ساتھ جو حصر کے لیے ہے (اور خود رضوی صاحب جامع الصفات ص۱۲ میں کلمہ اِنَّمَا کے بارے لکھتے ہیں۔ اس کلمہ نے حصر کا فائدہ دیا ہے بلفظہٖ) آپ کی بشریت اور نسیان کا واضح ثبوت ہے مگر مؤلف مذکور کہتے ہیں کہ عوارض بشریت کو رسالت نبویہ سے دور کا لگاؤ بھی نہیں۔ وخامساً اس لیے کہ جس سہو و نسیان کا آپ سے وقوع ہوا اس کا تعلق آپ کی ذات مقدسہ سے تھا جو منبع علم تھی اور اسی لیے آپ نے پہلے تو لَمْ اَنْسَ فرما کر یہ واضح فرما دیا کہ میں اس فعل کو نہیں بھولا اور پھر حضرات صحابہ کرامؓ کی طرف مراجعت فرما کر اور ان سے تصدیق کروا کر فرمایا

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ اَنْسٰی الحدیث یعنی مجھ سے جو بھول ہوئی ہے وہ بشری تقاضا سے ہوئی ہے اور جو چیز نسیان اور سہو کے وقت آپ کے علم و خبر میں نہ تھی وہ صحابہ کرامؓ کے بتلانے سے علم میں آگئی اور یہ نسیان و سہو جو آپؐ کی ذات مقدسہ سے صادر ہوا علم و فعل دونوں سے متعلق ہے وسادساً ہم شراح حدیث کے حوالے سے عرض کر چکے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے سہو و نسیان کا وقوع ہو سکتا ہے اور ہوا ہے باطل پرست اس کے منکر ہیں۔

وسابعاً:۔ سہو و نسیان کا تعلق بواسطۂ ذات علم اور فعل دونوں سے ہوتا ہے کہ غفلت کی وجہ سے فعل میں کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں وہ فرق کرنا جو رضوی صاحب نے کیا ہے علمی طور پر قطعاً قابل التفات نہیں۔

لطیفہ:۔ مؤلف اثبات علم الغیب تو نسیان اور ذہول اور لمحہ بھر کی بے خبری کو جائز قرار دیتے ہیں مگر ان کے مولانا محمد عمر صاحب اچھروی اس نظریہ والے کو منکر نبوت قرار دیتے ہیں کما مر اب یہ فیصلہ وہ آپس میں کرلیں کہ کون حق پر ہے؟ اور کون باطل کے دامن میں پناہ گزیں ہے؟ ہمارا مشورہ تو انہیں یہی ہے کہ ہم مسلک ہونے کی وجہ سے دونوں ایک ڈگر پر چلیں ؎

فریب دے کے لیا دل تو کیا کیا تم نے بتائیں ہم تمہیں آتا نہیں اگر لینا

اور شق چہارم اس لیے بھی باطل ہے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو لیلۃ القدر کی تعیین من جانب اللہ تعالیٰ بتادی گئی تھی پھر آپؐ کے ذہن مبارک سے بالکل نکال دی گئی چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ

وقد اُرِیتُ ھٰذہ اللیلۃ ثُمَّ اُنْسِیتُھَا الحدیث (بخاری ص۲۷۱ ج۱ و مسلم ص۳۷۰ ج۱) — بلاشک و شبہ لیلۃ القدر کی رات مجھے بتلائی گئی پھر مجھے وہ رات بھلا دی گئی۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ

خرجت لاخبرکم بلیلۃ القدر فتلاحٰی فلان و فلان فرفعت الحدیث (بخاری ص۲۷۱ ج۱ و الفاظ لہ و مسلم ص۳۷۰ ج۱) — میں تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے (اپنے حجرہ سے) نکلا مگر فلاں فلاں (حضرت کعبؓ بن مالک اور حضرت عبداللہؓ بن ابی حدرد) آپس میں جھگڑ رہے تھے سو لیلۃ القدر کی تعیین (میرے علم سے) اٹھالی گئی۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ توجہ تام کے بعد بھی آپؐ سے ذُہول و نسیان رفع نہیں ہوا۔ کیونکہ آپؐ اپنے حجرۂ مبارکہ سے قصداً اور ارادۃً حضرات صحابہ کرامؓ کو لیلۃ القدر کی تعیین کی خبر دینے کے لیے نکلے تھے مگر فتلاحیٰ فرفعت اس کی تعیین آپؐ کے قلب اور ذہن مبارک سے بالکل اٹھالی گئی اور آپؐ حضرات صحابہ کرامؓ کو اس کی خبر نہ دے سکے اور اُمّت کی بہتری بھی اسی میں تھی کہ وہ رات مبہم رکھی جائے تاکہ بکثرت عبادت ہوتی رہے اور لوگ صرف متعین رات ہی پر تکیہ نہ لگالیں اب فریق مخالف ہی یہ بتائے کہ دوامی نسیان کے بعد علم کیسے رہا؟ الغرض کیا لیلۃ القدر کا علم اور اس کی خبر دینا ذرہ ذرہ میں شامل نہیں ہے؟ اس صحیح حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ لیلۃ القدر کی تعیین کا علم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپؐ کے ذہن مبارک سے نکال دیا گیا ؎

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا　　　پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

بابِ دوم

مؤلف مذکور کی طرف سے اثبات علم الغیب پر پیش کردہ قرآنی دلائل کی حقیقت کو جن پر انہوں نے اور ان کے اکابر نے اپنے خاص مشرکانہ عقیدہ کی بنیاد رکھی ہے قارئین کرام بخوبی ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب ان کی سیاسی لن ترانی بھی ملاحظہ فرمائیے وہ لکھتے ہیں۔

قارئین کرام جناب سرفراز صاحب نے ص۲۱ سے ص۲۷ تک سخنہائے گفتنی کے عنوان میں حالات زمانہ کا رونا روتے ہوئے جو چند باتیں لکھی ہیں ان میں ایک یہ ہے۔

(۱) نمبر ایک یہ ہے کہ برطانیہ کے ایماء پر بہت سے خودغرضوں نے مخفی مصالح کے پیش نظر اکابرین دیوبند کی تکفیر اور تفسیق کی جن میں مفتی مولوی پیر گدی نشین شامل تھے بالخصوص مولوی احمد رضاخان پیش پیش تھے اسی وجہ سے انہوں نے قرن الشیطان کا معنی دیوبند کیا ہے حالانکہ اکابرین دیوبند نے انگریز کا مقابلہ کیا اسیر ہوئے اور اس شعر کا مصداق بنے۔

جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی تو ہے برسر میدان مگر جھکی تو نہیں

امر اول کا جواب:۔ اب اس کا جواب پڑھیے اور حقیقت سے آگاہی حاصل کیجیے کیونکہ حقیقت کے چہرہ سے اب پردہ اٹھتا ہے۔

جواب:۔ جواب یہ ہے کہ اعلیٰحضرت امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے متبعین کو یہ الزام دینا کہ انہوں نے انگریز کے ایماء پر اکابرین دیوبند کی تکفیر کی یہ کہنا تو آسان ہے مگر اسے ثابت کرنا کارِ دارد ہے بلکہ ناممکن ہے اور یہ سفید جھوٹ ہے جس کو آج تک اذناب دیوبند ثابت نہیں کر سکے یہی وجہ ہے کہ سرفراز صاحب بھی اس الزام کے ثبوت میں ایک حوالہ بھی پیش نہیں کر سکے جو ان کے عجز کی واضح دلیل ہے البتہ علماء دیوبند کے متعلق حوالجات کثیرہ سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ وہ انگریز

کے تنخواہ دار اور نمک خوار تھے نور اور فرمانبردار رہے ہیں اور انگریز کو اپنا مالک و مختار بلا خوف لومۃ لائم سمجھتے رہے ہیں حسب ذیل دس حوالجات پر سردست اکتفار کرتے ہیں

(۱) مکالمۃ الصدرین ص۱ (مطبوعہ رحمانی پریس دہلی) پر مولوی اشرف علی تھانوی کے متعلق لکھا گیا ہے کہ وہ انگریز سے چھ سو روپے ماہوار لیا کرتے تھے۔

(۲) تذکرۃ الرشید حصہ اول ص۷۳ میں ہے بعضوں کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی (انگریزی حکومت) کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔

(۳) تذکرۃ الرشید حصہ اول ص۸۰ میں فرماتے ہیں۔ جب میں حقیقت میں سرکار (برٹش) کا فرمانبردار ہوں تو ان جھوٹے الزامات سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔

ان تین عبارتوں میں گنگوہی صاحب انگریز کی حکومت کو رحم دل اور اپنی مالک و مختار اور اس کے فرمانبردار ہونے کا اعلان و اقرار کر رہے ہیں اور اشرف علی تھانوی صاحب اور انگریز سے چھ سو روپے ماہانہ تنخواہ ملنے کا ثبوت مل رہا ہے۔ اور انگریز کی حکومت کے زمانے کو امن و عافیت کا زمانہ قرار دیا جا رہا ہے کیوں جناب سرفراز صاحب یہ حوالجات ثلاثہ آپ کی تشفی کے لیے کافی اور وزنی نہیں ہیں؟ ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

(۴) مکالمۃ الصدرین مطبوعہ دہلی رحمانی پریس ص۸ پر ہے کہ

مولوی حفظ الرحمن سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند دہلی نے کہا کہ الیاس صاحب کی تبلیغی تحریک کو (تبلیغی جماعت) ابتداءً حکومت کی طرف سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا۔

(۵) تذکرۃ الرشید حصہ دوم ص۲۷۰ پر لکھا ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ حافظ جانی نے بتایا ہے کہ ہم قافلہ میں ہمراہ تھے بہت سی کرامتیں سید صاحب کی دیکھیں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی مولوی اسماعیل دہلوی مولوی محمد حسین رامپوری بھی ہمراہ تھے یہ سب حضرات سید صاحب کے ہمراہ جہاد

میں شریک تھے سید صاحب نے پہلا جہاد (ہمسایہ) یار خاں حاکم یاغستان سے کیا تھا۔

(۶) سیرت سید احمد حصہ اوّل صنہ۹ مرتبہ ابوالحسن ندوی میں ہے کہ انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا لے کر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور پادری کر کر دریافت کیا اور بتایا کہ میں تین دن سے جناب کا منتظر تھا تین گھنٹے سید صاحب کی خدمت میں رہا سید صاحب اور ساتھیوں نے کھانا وصول کیا۔

ان تین حوالجات سے صاف ظاہر ہے کہ تبلیغی جماعت کو گورنمنٹ سے روپیہ ملتا تھا اور رشید احمد گنگوہی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ سید صاحب اور اسماعیل صاحب نے انگریزوں اور سکھوں کی بجائے یاغستان کے حاکم یار محمد خاں سے پہلا جہاد کیا غور فرمایئے کہ یار محمد خاں کسی سکھ کا نام ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ ایک مسلمان حاکم تھا جس کے ساتھ انگریز کی حمایت کرتے ہوئے ان لوگوں نے پہلی جنگ کی کیا اس سے اکابر دیوبند کی انگریز دوستی کا واضح ثبوت نہیں ملتا؟ کیا انگریز کا پالکیوں میں کھانا لے کر سید صاحب کی خدمت میں جانا اور ان کا اس کھانے کو وصول فرمانا انگریز دوستی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر یہ جنگ انگریز کی حمایت میں نہیں تھی تو پھر انگریز کو اتنے تکلفات کی کیا ضرورت تھی؟ کیا وہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن نہیں تھا؟ کیا ایسے لوگ اس شعر کا مصداق بنائے جا سکتے ہیں ؎

جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی کٹی ہے بر سر میداں مگر جھکی تو نہیں

سچ ہے۔ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

(۷) حیات طیبہ صنہ۲۹۶ مرتبہ مرزا حیرت دہلوی میں ہے کہ۔ اسماعیل صاحب جہاد پر وعظ فرما رہے تھے ایک آدمی نے پوچھا کہ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے تو جواب دیا کہ ان کے خلاف جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں ہے ایک تو ہم ان کی رعیت ہیں وہ مذہبی ارکان کی ادائیگی میں رکاوٹ نہیں ڈالتے ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔ بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ کرے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس کا مقابلہ کریں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں (ملخص)

(۸) بالکل بعینہٖ مذکورہ واقعہ تواریخ عجیبہ صنہ۷۳ مرتبہ محمد جعفر تھانیسری مطبوعہ فاروقی دہلی میں بھی موجود ہے۔

(۹) تواریخ عجیبہ صنہ۱۸۲ میں ہے کہ اس سوانح اور مکتوبات مسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ

سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ارادہ ہرگز نہیں تھا وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے۔

(۱۰) تواریخ عجیبہ ص۱۹ پر سید صاحب کا یہ مقولہ بھی درج ہے کہ سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں الخ

ان حوالہ جات عشرہ سے واضح تر ہو جاتا ہے کہ اکابرین دیوبند کے نزدیک انگریزوں کے خلاف جہاد جائز نہیں تھا اور وہ اس کو اپنی رحم دل گورنمنٹ سمجھتے تھے اور انگریز پر حملہ کرنے والے کے خلاف لڑنا مسلمانوں پر فرض گردانتے تھے۔

کیوں جناب صفدر صاحب انگریز دوستی کے ثبوت میں یہ دس حوالے ناکافی تو نہیں ہیں، آپ کی تشفی اور تسلی ہوئی ہے یا نہیں؟ کیا آفتاب نیمروز کی طرح یہ ثابت نہیں ہو گیا کہ دیوبندی علماء کے اکابر و پیشوا انگریزوں کے اشاروں پر چلتے تھے اور ان کی محبت کا دم بھرتے تھے یہ تمام حوالہ جات تقریباً دیوبندیوں کے اپنے ہیں کوئی ایک حوالہ بھی بریلویوں کا نہیں ہے شاید اسی قسم کے موقع پر یہ شعر کہا گیا ہے ؎

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے — اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(انتہیٰ بلفظہ اثبات علم الغیب حصہ اول ص۳۹ تا ص۴۲)

الجواب: مؤلف مذکور کے الزامات کی حقیقت

تاریخی حقائق کی روشنی میں اکابر علماء دیوبند کے بے داغ اور بے لوث مجاہدانہ کردار کو واضح کر دینے کے بعد اس کی ضرورت تو باقی نہیں رہتی کہ مؤلف مذکور کے فرسودہ الزامات کی طرف توجہ دی جائے لیکن قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لیے مؤلف مذکور کی تاریخ دانی اور ان کی دیانت کو ان کے اعتراضات کی روشنی میں آشکارا کیا جاتا ہے۔ دراصل یہ وہی فرسودہ اعتراضات ہیں جو مؤلف مذکور نے اکابر علماء دیوبند کے مخالفین کی کتب سے بغیر اصل کتب کی طرف رجوع کیے نقل کر دیے ہیں۔ اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیے اور مؤلف مذکور کی تاریخ دانی کی داد دیجئے۔

پہلا الزام: مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ

مکالمۃ الصدرین ص۱ (مطبوعہ رحمانی پریس دہلی) پر مولوی اشرف علی تھانوی کے متعلق

یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ انگریز سے چھ سو روپے ماہانہ لیا کرتے تھے۔

(اثبات علم غیب ص۴۲)

الجواب: خدا معلوم اتنا بڑا دعوٰے کرتے ہوئے مؤلف مذکور نشہ کی حالت میں تھے یا خوف آخرت سے بالکل آزاد اور بے پرواہ ہو چکے تھے۔ کیونکہ یقیناً مؤلف مذکور کا یہ دعوٰی ہی سرے سے باطل ہے اولاً۔ اس لیے کہ مکالمۃ الصدرین کوئی مستند کتاب نہیں کیونکہ اگر اس کتاب میں درج شدہ باتیں واقعتاً کوئی مکالمہ تھا تو اس پر فریقین کے سربراہوں کے دستخط ہونے چاہیئے تھے۔ جب کہ اس پر نہ تو حضرت مولانا مدنیؒ کے دستخط ہیں اور نہ حضرت علامہ عثمانیؒ کے اصل حقیقت اس کی فقط اتنی ہے کہ نظریہ قومیت کے اختلاف کے دِنوں میں جمعیۃ علماء ہند کے ارکان کا ایک وفد حضرت علامہ عثمانیؒ کی تیمارداری کے لیے ان کے مکان پر حاضر ہوا۔ اس ملاقات میں چند ایک اختلافی مسائل بھی زیر بحث آئے ارکانِ جمعیۃ اور حضرت علامہ عثمانیؒ کے سوا اس مجلس میں کوئی اور شخص موجود نہیں تھا۔ جمعیۃ علماء ہند کے مخالفین کو جب اس ملاقات کا علم ہوا تو انہیں ان بزرگوں کا آپس میں مل بیٹھنا سخت ناگوار گزرا۔ چنانچہ ان مخالفین نے بتوسط مولوی محمد طاہر صاحب حضرت مولانا علامہ عثمانیؒ کی شخصیت کو استعمال کر کے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ ان بزرگوں کو دوبارہ آپس میں مل بیٹھنے کا موقع ہی نہ مل سکے، مولوی محمد طاہر صاحب نے کچھ باتیں تو حضرت علامہ عثمانیؒ سے حاصل کیں اور بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا کر مکالمۃ الصدرین کے نام سے رسالہ طبع کرا دیا۔ اس رسالہ کے غیر مستند ہونے کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے مرتب (مولوی محمد طاہر صاحب) بزرگوں کی اس ملاقات میں سرے سے شریک ہی نہیں تھے چنانچہ حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

> مگر خود غرض چالاک لوگوں نے نہ معلوم مولانا (عثمانی) کو کیا سمجھایا اور کس قسم کا پروپگنڈہ کیا کہ کچھ عرصہ بعد یہ رسالہ مکالمۃ الصدرین میں شائع کر دیا گیا۔ جس میں نہ فریقین کے دستخط ہیں۔ نہ فریق ثانی (اراکین جمعیۃ) کو کوئی خبر دی گئی۔ نہ ان میں سے کسی سے تصدیق کرائی گئی۔ خود مولانا موصوف کے دستخط بھی نہیں بلکہ مولوی محمد طاہر صاحب کے دستخط ہیں جو اثناء گفتگو میں موجود تک نہ تھے الخ (کشف حقیقت ص۵۰)

ارکانِ جمعیۃ کو جب اس رسالہ کی اشاعت کا علم ہوا تو عوام کے بے حد اصرار پر حضرت مولانا مدنیؒ نے

۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء میں "کشفِ حقیقت" کے نام سے اس کا جواب لکھا، جو دلّی ورکس پرنٹنگ سے طبع ہوا جس میں انہوں نے اس بات کی صراحت فرمائی کہ رسالہ مذکورہ اس کے مرتب کے ذہن کی اختراع ہے جسے غلط طور پر حضرت علامہ عثمانیؒ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے چنانچہ حضرت مولانا مدنیؒ فرماتے ہیں کہ

مکالمہ مذکورہ مولوی محمد طاہر صاحب ہی کا اثرِ خامہ اور ان ہی کے فہم و خیالات کا نتیجہ ہے۔ اور ہماری باہمی گفتگو کو صرف اِن خیالات و افکار کا حیلہ بنایا گیا ہے اور اسی لیے یہ حقیقت سے دور اور کذب و افترار کا مجموعہ ہے۔ (کشفِ حقیقت ص۹)

نیز فرماتے ہیں کہ

اگر واقع میں یہ تمام تحریر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی مصدقہ تھی تو مولانا نے اس پر دستخط کیوں نہ فرمائے؟ اور اگر اس میں صداقت اور واقعیت تھی تو قبل اشاعت جمعیۃ کو دکھلایا کیوں نہیں گیا؟ (ایضاً ص۱۰)

یعنی حضرت علامہ عثمانیؒ کا اس پر دستخط نہ کرنا ہی اس چیز کی دلیل ہے کہ یہ رسالہ اُن کا مصدقہ نہیں بلکہ مخالفین نے ان بزرگوں کے درمیان مزید بُعد پیدا کرنے کے لیے اس کی نسبت حضرت علامہ عثمانیؒ کی طرف کر دی۔ چنانچہ حضرت مولانا مدنیؒ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

چونکہ اس (مکالمۃ الصدرین) کی نسبت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی طرف کی گئی ہے اس لیے اس سے لوگوں کو بہت سے شبہات اور خلجانات پیدا ہوئے اور وہ ہماری طرف رجوع ہوئے۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بلاشبہ اس میں اس قدر اکاذیب اور غلط بیانیاں ہیں کہ جن کو دیکھ کر ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی اور بجز افسوس اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ پڑھنے کے اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ الخ
(ایضاً ص۳)

ان حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ مکالمۃ الصدرین "کوئی مستند اور مصدقہ کتاب نہیں اور جب یہ ایک غیر مستند کتاب ہے تو اس پر کسی دعوے کی بنیاد رکھنا ہی سرے سے غلط ہے، مؤلف مذکور کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ ضرور ایک دفعہ "کشفِ حقیقت" کا مطالعہ کریں۔ انشاء اللہ العزیز ان پر تاریخ کے کئی مخفی راز عیاں ہوں گے۔

وثانیاً:۔ اگر بالفرض اس مکالمہ کو مصدقہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی مؤلف مذکور کا یہ دعویٰ کہ مکالمہ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی انگریز سے چھ سو روپے ماہانہ لیا کرتے تھے" سراسر دجل اور صریح افتراء ہے۔ کیونکہ مکالمہ میں حضرت علامہ عثمانیؒ کی اصل عبارت اس طرح منقول ہے، فرماتے ہیں کہ

عام دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی سیاسی جماعت یا تحریک کا مخالف ہو تو اس قسم کی باتیں اس کے حق میں مشتہر کی جاتی ہیں۔ دیکھئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ہمارے اور آپ کے مسلّم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی جانب سے دیے جاتے تھے۔

(مکالمۃ الصدرین ص ۹)

اس عبارت میں حضرت علامہ عثمانیؒ صاف لفظوں میں اس الزام کو مخالفین کا سیاسی پروپیگنڈہ قرار دے رہے ہیں۔ لیکن مؤلف مذکور کا دجل ملاحظہ کیجئے کہ وہ اصل عبارت نقل کرنے کی بجائے اپنے خانہ ساز مفہوم کے ساتھ عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں اور یوں لکھتے ہیں کہ۔ مولوی اشرف علی تھانوی کے متعلق یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ انگریز سے چھ سو روپے ماہانہ لیا کرتے تھے" لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

وثالثاً: اور اگر مکالمہ کے حوالہ سے بالفرض مؤلف مذکور کے اس الزام کو درست مان بھی لیا جائے تو بھی اس کی کوئی اخلاقی حیثیت نہیں ہے، کیونکہ خود حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے اس الزام کی تردید موجود ہے چنانچہ حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کو جب اس الزام کا علم ہوا تو بڑا حکیمانہ جواب دیا۔ فرمایا کہ

اگر چھ سو روپے گورنمنٹ سے پاتا ہوں تو طمع ہے خوف نہیں اور اگر طمع کا یہ عالم ہے تو تم نو سو روپے دے کر اپنے موافق کر لو۔ اگر قبول کر لوں تو صحیح ورنہ غلط۔

(الافاضات الیومیہ ص ۹۹۸/۴ بحوالہ مولانا اشرف علی تھانوی اور تحریک آزادی ص ۵۲)

حضرت تھانویؒ کی اس واضح اور حکیمانہ تردید کے بعد تو اس اعتراض کی قطعاً کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اور کوئی حقیقت پسند اس کا تذکرہ بھی مناسب نہیں سمجھے گا۔ چہ جائیکہ اس سے استدلال کرے۔

مگر متعصب اور ضدی کا معاملہ ہی جدا ہے۔

دوسرا الزام کہ تذکرۃ الرشید حصہ اول ص۷۲ میں ہے کہ بعضوں کے سروں پر موت کھیل رہی تھی الخ

الجواب :۔ مؤلف مذکور کو یہ حوالہ بھی مفید نہیں ہے اس لیے کہ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ انگریز کے وفادار تھے اور اس کے خلاف انہوں نے نہ کچھ کہا اور نہ کیا اور تذکرۃ الرشید کی یہ عبارت حضرت مولانا گنگوہیؒ کی نہیں بلکہ یہ مؤلف تذکرۃ الرشید کی اپنی ہے اور یہ ان کا ذاتی نظریہ اور عندیہ ہے، جو برطانیہ کے وفادار اور خیر خواہ تھے ان کے اپنے نظریہ سے یہ ثابت کرنا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے انگریز کے خلاف جہاد نہیں کیا یا اس کی مخالفت نہیں کی قطعاً باطل ہے۔ جب کہ خود اسی تذکرۃ الرشید میں یہ حوالے بھی موجود ہیں۔

(۱) تینوں حضرات (حضرت مولانا حاجی محمد امداد اللہ صاحبؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) کے نام چونکہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے، اور گرفتار کنندہ کے لیے صلہ تجویز ہو چکا تھا۔ اس لیے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کی تگ و دو میں پھرتے تھے۔

(تذکرۃ الرشید ص۱۴۰)

(۲) دوسری (پولیس) رامپور پہنچی اور حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان سے گرفتار ہوئے تخمینے سے یہ زمانہ ۱۲۷۵ھ کا ختم یا ۱۲۷۶ھ کا شروع سال ہے (الیٰ قولہ) آپ کے چاروں طرف محافظ پہرہ دار تعینات کر دیئے گئے اور بند بہل (بیل گاڑی) میں آپ کو سوار کر کے سہارنپور چلتا کر دیا گیا (الیٰ قولہ) حضرت مولانا سہارنپور پہنچتے ہی جیلخانہ بھیجد ئے گئے اور حوالات میں بند ہو کر ننگی پہرہ کی نگرانی میں دے دیئے گئے۔

(تذکرۃ الرشید ص۸۲ ج۱)

(۳) حضرت مولانا تین یا چار یوم کال کوٹھڑی میں اور پندرہ دن جیل خانہ کی حوالات میں مقید رہے تحقیقات پر تحقیقات اور پیشی پر پیشی ہوتی رہی آخر عدالت سے حکم ہوا کہ تھانہ بھون کا قصہ ہے اس لیے مظفر نگر منتقل کیا جائے چنانچہ امام ربانی ننگی حراست اور ننگی تلواروں کے پہرہ میں بطور دو بند دو پڑاؤ کر کے پا پیادہ مظفر نگر لائے گئے اور اب یہاں کے جیل خانہ میں بند کر دیئے گئے۔ (الیٰ قولہ) مظفر نگر کے جیل خانہ میں حضرت کو کم و بیش چھ ماہ رہنے کا اتفاق ہوا اس اثنا میں آپ

کی استقامت، جوانمردی، استقلال، پختگی، توکل، رضا، تدین، اتقاء، شجاعت، ہمت اور سب پر طرہ حق تعالیٰ کی طاعت و محبت جو آپ کی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے تھی اس درجہ حیرت انگیز ثابت ہوئیں کہ جن کی نظیر نہیں نظر آتی اھ (تذکرۃ الرشید ص ۸۴ ج ۱)

(۴) جس وقت حاکم کے حکم سے عدالت میں بلائے جاتے تو ظاہر ہو کر بے تکلف گفتگو کرتے اور جو وہ دریافت کرتا بے تکلف اس کا جواب دیتے تھے آپ نے کبھی کوئی کلمہ دبا کر یا زبان کو موڑ کر نہیں کہا کسی وقت جان بچانے کے لیے تقیہ نہیں کیا جو بات کہی سچ کہی اور جس بات کا جواب دیا خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر بالکل واقع کے مطابق اور حقیقت حال کے موافق۔ کبھی آپ سے سوال ہوا کہ رشید احمد تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا اور فساد کیا؟ آپ جواب دیتے ہمارا کام فساد کا نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی کبھی دریافت ہوتا کہ تم نے سرکار کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے؟ آپ اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ ہمارا ہتھیار تو یہ ہے۔ کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تم کو پوری سزا دیں گے آپ فرماتے کیا مضائقہ ہے، مگر تحقیق کر کے ایک مرتبہ حاکم نے پوچھا کہ تمہارا پیشہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کچھ بھی نہیں مگر زمینداری غرض حاکم نے ہر چند تحقیق کیا اور تجسس اور تفتیش میں پوری کوشش صرف کر دی مگر کچھ ثابت نہ ہوا اور ہر بات کا معقول جواب پایا آخر بری کر دیے گئے اور فیصلہ سنا دیا گیا کہ رشید احمد رہا کر دیے گئے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۸۴، ۸۵ ج ۱)

(۵) حضرت امام ربانی قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ کو اس سلسلہ میں امتحان کا بڑا مرحلہ طے کرنا تھا اس لیے گرفتار ہوئے۔ اور چھ مہینے حوالات بھی رہے آخر جب تحقیقات اور پوری تفتیش اور چھان بین سے کالشمس فی نصف النہار ثابت ہو گیا کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا محض الزام ہی الزام اور بہتان ہی بہتان ہے اس وقت وہ رہا کیے گئے اور آپ بخیر و عافیت وطن مالوف کو واپس آ گئے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۷۹ ج ۱)

ان تمام واضح حوالوں سے حضرت مولانا گنگوہی کا گرفتار ہونا۔ جنگی حراست میں رہنا حوالات اور کال کوٹھڑی میں رہنا اور قید و بند کی صعوبتیں اٹھانا روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا ہے اور ہمارا مدعیٰ بھی یہی ہے البتہ ایک بات ضرور قابل توجہ ہے وہ یہ کہ خود حضرت گنگوہی کے بیان میں بھی ہے کہ ہمارا کام فساد نہیں اور نہ ہم مفسدوں کے ساتھی ہیں اور مؤلف تذکرۃ الرشید کی عبارت میں بھی ہے

کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا الزام محض الزام ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس فساد سے کیا مراد ہے؟ سو گذارش ہے کہ اس فساد سے انگریز کے خلاف جہاد ہرگز مراد نہیں کیونکہ وہ جہاد ہے فساد نہیں۔ اور تاریخ اس پر گواہ ہے کہ شاملی کے مقام پر اپنے مخلص رفقاء (حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت حافظ ضامن صاحبؒ جو اسی معرکہ میں شہید ہوئے (دیکھئے تذکرۃ الرشید ص ۷۴ ج ۱، ص ۷۵) کے ساتھ حضرت گنگوہیؒ مسلح بندوقچیوں کے مقابلہ میں پہاڑ کی طرح جم اور ڈٹ کر لڑے بلکہ اس فساد سے وہ فساد مراد ہے جو حاکم وقت کی قوت گرفت ڈھیلی ہونے کی وجہ سے لوگوں کا آپس میں خانہ جنگی کا فساد تھا اور ظاہر امر ہے کہ حضرت گنگوہی اور ان کے دیگر رفقاء کار مفسدین کی اس جماعت میں ہرگز شامل نہ تھے اور نہ اس فساد کے حامی تھے۔ چنانچہ تذکرۃ الرشید ہی میں ہے۔

حاکم کے انتظام کا اٹھنا تھا کہ باہم رعایا میں برسوں کی دبی ہوئی عداوت نکلنے اور خدا جانے کس کس زمانہ کے انتقام لینے کا وقت آگیا کہ جدھر دیکھو مار پیٹ اور جس محل پر نظر کرو معرکہ آرائی و جنگ اسی بلاخیز قصہ میں تھانہ بھون کا وہ فساد واقع ہوا جس میں قاضی محبوب علی خان کی مخبری سے حضرت مولانا پر مقدمہ قائم ہوا الخ (تذکرۃ الرشید ص ۷۴ ج ۱) یہی وہ فساد ہے جس کی حضرت مولانا صاحبؒ نفی کر رہے ہیں جس میں پہلے تو لوگوں نے آپس میں خانہ جنگی کر کے ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتارا اور رہی سہی کسر یوں نکالی کہ اپنے مخالفوں کو انگریز کا باغی اور غدار ظاہر کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی جس کی وجہ سے ہزارہا بندگان خدا ناکردہ گناہ پھانسی پر لٹکائے گئے۔ اس فساد اور ایسی مفسد جماعت سے مولانا گنگوہیؒ اور ان کے رفقاء کوسوں دور تھے ان کا اہل وطن کے حق میں خیرخواہ اور پرامن رہنا اور ان کے حوصلہ کا بلند ہونا درج ذیل واقعہ سے کما حقہ واضح ہو جاتا ہے کہ دشمن سے دشمن کے لیے بھی آپ نے کبھی بددعا نہیں کی اور اگر منجانب اللہ آپ کا دشمن کسی آفت سماوی میں مبتلا ہوا تو اس کو سن کر آپ کبھی خوش نہیں ہوئے بدگوئی اور خرافات نویسی کی جتنی ایذائیں آپ کو مولوی احمد رضا خان بریلوی سے پہنچیں شاید اتنی نہ دوسرے کو مولوی احمد رضا صاحب نے پہنچائیں اور نہ دوسرے سے حضرت امام ربانی کو پہنچی ہوں مگر واللہ العظیم کہ حضرت کی زبان سے عمر بھر میں کبھی ایک کلمہ بھی ایسا سننے میں نہیں آیا جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت ان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جس زمانہ میں مولوی احمد صاحب

کو مرضِ جذام لاحق ہوا اور جنون میں فساد آیا تو بعض لوگوں کو مسرت ہوئی کہ سب وشتم کا ثمرہ دُنیا میں ظاہر ہوا مگر جس وقت کسی شخص نے حضرت سے عرض کیا کہ بریلی مولوی کوڑھی ہوگئے تو حضرت گھبرا اُٹھے اور یہ الفاظ فرمائے کہ میاں کسی کی مصیبت پر خوش نہ ہونا چاہیئے، خدا جانے اپنی تقدیر میں کیا لکھا ہے؟ ایک دن آپ ڈاک میں آئے ہوئے خطوط سُننے بیٹھے سب سے پہلا خط جو پڑھا گیا بمبئی سے آیا ہوا کارڈ تھا جس میں لکھا تھا کہ مولوی ہدایت رسول کو ایک منکوحہ عورت سے نکاح کرنیکے جرم میں عدالت سے سزائے قید کا حکم سنایا گیا بعض سامعین کو تو مسرت ہوئی کہ یہ حضرت کے بڑے مخالف تھے مگر آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلا انا للہ وانا الیہ راجعون (یعنی اس مولوی پر افسوس ہے کہ مولوی ہوکر منکوحہ عورت سے نکاح کیا) صفحہ بلفظہٖ (تذکرۃ الرشید صـ ۸۲ جـ ۲ و صـ ۸۳)

غرضیکہ حضرت مولانا گنگوہیؒ اور ان کے رفقاء کو انگریز کا وفادار ثابت کرنا اور ان پر مقدمہ چلانے قید وبند میں رہنے کا انکار کرنا تاریخ کو مسخ کرنا اور آفتاب نصف النہار کا انکار کرنا ہے اور جو حوالے اور تحریریں نقل کی گئی ہیں ان میں سے کسی ایک مجمل اور مبہم عبارت سے بھی مؤلف مذکور اور ان کے ہم مسلک احباب کا دعوٰی ثابت نہیں ہوتا یہ مجمل عبارتیں صرف اس کا مصداق ہیں ؎

تم جو دیتے ہو نوشتہ وہ نوشتہ کیا ہے — جس میں ایک حرفِ وفا بھی کہیں مذکور نہیں

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ممکن ہے کہ کسی کو فتاوٰی رشیدیہ کی ایک عبارت سے شبہ پیدا ہو کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ ہندوستان کو (جب کہ جابر برطانیہ کا اس پر تسلط تھا) دارالاسلام سمجھتے تھے وہ عبارت یہ ہے۔

سوال:۔ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام مدلل ارقام فرمادیں۔

الجواب:۔ دارالحرب ہونا ہندوستان کا مختلف علماءِ حال ہے اکثر دارالاسلام کہتے ہیں اور بعض دارالحرب کہتے ہیں بندہ اس میں فیصلہ نہیں کرتا فقط واللہ تعالٰی اعلم۔ رشید احمد عفی عنہ،

جن علماء نے ہندوستان کو دارالسلام قرار دیا جن میں پیش پیش فریق مخالف کے اعلٰی حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب تھے اور اس مسئلہ میں ان کے کچھ اور ہمنوا بھی تھے غالباً ان کو اس امر سے شبہ ہوا کہ انگریز کے دور میں نماز، روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ قربانی اذان اور دیگر اہم شعائرِ اسلام پر کوئی پابندی نہ تھی اسی طرح نکاح وطلاق غمی اور خوشی وغیرہ کی کسی اسلامی کاروائی یا رسم اور طریقہ پر کوئی پابندی نہ

تھی لہٰذا وہ دارالاسلام ہے۔ اس کے برعکس وہ حضرات جو ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے تھے ان کی تحقیق میں دارالاسلام کی یہ تعریف ہے کہ اس میں من وعن اسلام نافذ ہو اور انگریز کے دور میں قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے برخلاف انگریزی قانون پر عمل ہوتا تھا۔ اس لیے وہ دارالحرب ہے حضرت مولانا گنگوہیؒ اسی گروہ سے وابستہ تھے چنانچہ لکھا ہے کہ

مولانا رشید احمدؒ نے ہندوستان کو ہمیشہ دارالحرب سمجھا بلفظہٖ (تذکرۂ علماء ہند ص۵۷ وحاشیہ جنگ آزادی ص۱۸۲ از پروفیسر محمد ایوب قادریؒ) اور ظاہر امر ہے کہ ان کے اس فیصلہ کو دوسرا فریق کب مانتا تھا؟ اس لیے فیصلہ بیکار تھا۔ بقول شاعر ؎

لازم نہیں کہ اس کو بھی میرا خیال ہو   جو میرا حال ہے وہی اس کا بھی حال ہو

تیسرا الزام

(۳) مؤلف مذکور تذکرۃ الرشید کا ایک اور حوالہ یوں نقل کرتے ہیں۔

تذکرۃ الرشید حصہ اوّل ص۸۰ میں فرماتے ہیں جب میں حقیقت میں سرکار (برٹش) کا فرمانبردار ہوں تو ان جھوٹے الزامات سے میرا بال بھی بھیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ یہ نقل کرنے کے بعد مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔ ان ... عبارتوں میں گنگوہی صاحب انگریزی حکومت کو رحم دل اور اپنی مالک ومختار اور اس کے فرمانبردار ہونے کا اعلان واقرار کر رہے ہیں۔ بلفظہٖ   (اثبات علم الغیب حصہ اوّل ص۴۰)

الجواب :۔ یہ مؤلف مذکور کی کوتاہ فہمی ہے کہ وہ ان عبارات کو حضرت گنگوہیؒ کی عبارات اور ان کے اعلان واقرار سے تعبیر کرتے ہیں تعجب ہوتا ہے کہ جب ایک شخص کو اردو عبارت سمجھنے کا سلیقہ بھی نہیں تو وہ علمی اور عربی کی دقیق عبارات کو کیا خاک سمجھتا ہوگا؟ قارئین کرام خود سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ سب عبارتیں اور باتیں مؤلف تذکرۃ الرشید کی اپنی ہیں چنانچہ الزام بغاوت اور اس کی کیفیت کا عنوان قائم کر کے مؤلف تذکرۃ الرشید لکھتے ہیں کہ شروع ۱۸۵۹ء ۱۲۷۶ھ وہ سال تھا جس میں امام ربانی قدس سرہٗ پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی الیٰ قولہٖ رعایا کی نحوستِ تقدیر نے ان کو جو کچھ بھی سمجھایا اس کا انہوں نے نتیجہ دیکھا اور ان کی نسل دیکھ رہی ہے جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی کے امن وعافیت کا زمانہ قدر کی

نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دِل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا فوجیں باغی ہوئیں حاکم کی نافرمان بنیں قتل وقتال کا بند بازار کھلا الخ (تذکرۃ الرشید ص۷۴ ج۱) یہ ساری عبارت اوّل سے آخر تک مؤلف تذکرۃ الرشید کی ہے اس میں رحم دِل گورنمنٹ کا جملہ حضرت گنگوہیؒ کی طرف منسوب کرنا قطعاً غلط ہے۔ اسی طرح جب میں حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار ہوں الیٰ قولہٖ جو چاہے کرے یہ عبارت بھی حضرت گنگوہیؒ کی اپنی نہیں بلکہ مؤلف تذکرۃ الرشید کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

حضرت مولانا کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ آپ کا نام بھی مشتبہ اور قابلِ اخذ مجرموں کی فہرست میں درج ہو چکا ہے اور آپ کی گرفتاری و تلاش میں دَورِش آیا چاہتی ہے مگر آپ کوہ استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اُسے اختیار ہے جو چاہے کرے اپنا تو بال برابر بھی فکر نہ تھا الخ (تذکرۃ الرشید ص۸۰ ج۱) ہر ادنیٰ سمجھ والا اُردو دان بھی اس عبارت کو سمجھ سکتا ہے کہ یہ مؤلف تذکرۃ الرشید کی اپنی عبارت ہے اور شرعاً و قانوناً و اخلاقاً یہ ضروری نہیں کہ جو رائے آدمی کسی دوسرے کے بارے خود قائم کرے تو وہ دوسرے پر نافذ ہو جس میں وہ اپنے خیال سے حضرت مولانا گنگوہیؒ کی ترجمانی کر رہے ہیں نہ یہ کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایسا فرمایا ہے اور نہ یہ کہ وہ انگریز کو اپنا مالک و مختار قرار دے رہے ہیں اور نہ یہ کہ اس کے فرمانبردار ہونے کا اعلان و اقرار کر رہے ہیں جیسا کہ مؤلف مذکور نے سوءِ فہم سے یہ سمجھ رکھا ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا دامن انگریز کی وفاداری سے اور اس کو مالک و مختار سمجھنے کے اقرار و اعلان سے بالکل پاک ہے۔ یہ تمام الفاظ مؤلف تذکرۃ الرشید کے اپنے ہیں اور ان کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ لفظ سرکار برٹش اور انگریز ہی کے لیے متعین نہیں بلکہ یہ لفظ دیگر متعدد معانی کے علاوہ مالکِ حقیقی۔ آقا اور ولی نعمت وغیرہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ فرہنگ آصفیہ ص۳ ج۳ میں سرکار کے معنی سردار، میر، پیشوا، رئیس، آقا، ولی نعمت اور والی وغیرہ کے کیے گئے ہیں اور مؤلف تذکرۃ الرشید جیسے لفظ سرکار انگریز پر اطلاق کرتے ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ پر بھی اطلاق کرتے ہیں چنانچہ وہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے سہارنپور کی جیل سے مظفر نگر منتقل کرنے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:-

سنا ہے کہ دیوبند کے قریب جب گذرنے پر مولانا قاسم العلوم نظر براہ راستہ سے کچھ ہٹ کر بغرض ملاقات پہلے سے آکھڑے ہوئے تھے گو خود بھی مخدوش حالت میں تھے مگر بیتابی شوق نے اسوقت چھپنے نہ دیا دور ہی دور سے سلام ہوئے ایک نے دوسرے کو دیکھا مسکرائے اور اشاروں ہی اشاروں میں خدائے تعالٰے کے وہ وعدے یاد دلائے جو سچے سرکاری خیر خواہوں اور امتحانی مصیبتوں پر صبر و استقلال کرنے والوں کے لیے انجام کار ودیعت رکھے گئے ہیں۔ بلفظہٖ (تذکرۃ الرشید ص۷۴ ج۱) بالکل واضح امر ہے کہ یہ وعدے اللہ تعالٰی کے (وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الآية۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ وغیرہا کلمات جو قرآن کریم میں موجود ہیں) اپنی سرکار آقائے حقیقی اور مالک الملک کے مخلص بندوں کے لیے ہیں جو امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں نہ کہ سرکار برطانیہ کے کاسہ لیسوں اور ٹوڈیوں کے لیے یہاں سرکار سے صرف اللہ تعالٰے ہی کی ذات مقدسہ مراد ہے جیسا کہ کسی بھی صاحب فہم پر مخفی نہیں ہے۔ مزید ملاحظہ فرمائیں مؤلف تذکرۃ الرشید لکھتے ہیں کہ

ایک مرتبہ اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیب روحانی اعلیٰحضرت حاجی (محمد) امداد اللہ صاحب اور نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہو گیا یہ نبرد آزما دلیر جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا اس لیے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جاں نثاری کے لیے تیار ہو گیا اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لیے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے۔ گویا زمین نے پاؤں پکڑ لیے ہیں چنانچہ آپ پر فیریں ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے الخ (تذکرۃ الرشید ص۷۴ ج۱ و ص۷۵) ادنیٰ تاریخ دان بھی اس کو جانتا ہے کہ ان سطور میں جہاد شاملی کا تذکرہ ہے جس میں یہ اکابر انگریز کے مسلح فوجیوں اور بندوقچیوں سے لڑے اور حافظ ضامن صاحبؒ شہید ہوئے اس عبارت میں اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے جملہ سے اپنی سچی سرکار۔ پروردگار اور حقیقی ولی نعمت مراد ہے غرضیکہ تذکرۃ الرشید کی عبارت میں

لفظ سرکار سے قطعی اور یقینی طور پر برٹش گورنمنٹ مراد لینا جیسا کہ مؤلف مذکور نے لفظ سرکار کے بعد اس کا ترجمہ اور تفسیر برٹش سے کیا ہے سراسر مخدوش اور سُوءِ ظن ہے۔

سرکار پر جان نثاری کے جملہ سے بھی خلافِ مقصود وہم نہ ہونا چاہیئے اگرچہ حقیقۃً فدا اور جان نثاری کا لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں کسی پہ کوئی مصیبت اور ہلاکت پڑ سکتی ہو اور سچی سرکار اللہ تعالیٰ پر تو کوئی مصیبت اور ہلاکت نہیں پڑ سکتی ہے اور نہ اس کے حق میں اس کا کوئی خطرہ ہے مگر مجازاً فدا اور جان نثاری کا لفظ رضا کے لیے بھی آتا ہے چنانچہ (بخاری شریف ص۶۰۳ ج۲ و ص۹۰۳ ج۲ اور مسلم شریف ص۱۱۱ ج۲ کی روایت فاغفر فداءً لک الحدیث کی شرح میں حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ یہاں فدا سے مجازی معنیٰ رضا مراد ہے ابذل نفسی فی رضاک (نووی شرح مسلم ص۱۱۱ ج۲) میں اپنی جان کو تیری رضا میں صرف کرتا ہوں۔ اسی طرح یہاں بھی جان نثاری سے یہی مراد ہے کہ اپنی سچی سرکار کی رضا میں اپنی جانیں پیش کر دیں ؎

فریاد بھی کرتا ہوں تو اللہ سے اپنے　　　اس در کے سوا میں کہیں سائل نہیں ہوتا

اور دوسرے شراح حدیث فرماتے ہیں کہ اس سے مراد محبت اور تعظیم ہے (حاشیہ بخاری ص۶۰۳ ج۲) یعنی ہم تجھ سے محبت اور تیری تعظیم کرتے ہیں

چوتھا الزام کہ مکالمۃ الصدرین میں ہے کہ مولوی حفظ الرحمٰن ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند دہلی نے کہا الیاس صاحب کی الخ۔

الجواب:۔ اس سے بھی مؤلف مذکور کو کوئی فائدہ نہیں اولاً اس لیے کہ مکالمۃ الصدرین کی حقیقت پہلے بیان ہو چکی ہے وہ غیر معتبر کتاب ہے لہٰذا اس پر کسی دعویٰ کی بنیاد رکھنا ہی درست نہیں ہے وثانیاً اس لیے کہ خود حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے اس کی پُرزور تردید کی ہے۔

چنانچہ کشف حقیقت ص۴۳ میں یہ عنوان ہے مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب کا بیان اور پھر ص۴۴ میں مکالمۃ الصدرین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا (مکالمۃ الصدرین) اس کا جواب حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند یہ دیتے ہیں۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ اس کا ایک ایک حرف افترار اور بہتان ہے میں نے ہرگز ہرگز یہ کلمات نہیں کہے اور نہ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحریک کے متعلق یہ بات کہی گئی سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ بلکہ مرتب صاحب (مولوی محمد طاہر مسلم لیگی) نے اپنی روانی طبع سے اس کو گھڑ کر اس لیے میری جانب منسوب کرنا ضروری سمجھا کہ اس کے ذریعہ سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی تحریک سے والہانہ شغف رکھنے والے ان مخلصوں کو بھی جمعیۃ علماء ہند سے برہم اور متنفر کرنے کی ناکام سعی کریں جو جمعیۃ علماء ہند کے اکابر ورفقار کار کے ساتھ بھی مخلصانہ عقیدت اور تعلق رکھتے ہیں اب یہ قارئین کرام کا اپنا فرض ہے کہ وہ اس تحریر کو صحیح قرار دیں جس کی بنیاد شرعی اور اخلاقی احکامات کو نظر انداز کر کے محض جھوٹے پروپیگنڈے پر قائم کی گئی ہے یا اس سلسلہ میں میری گذارش اور تردید پر یقین فرمائیں البتہ میں مرتب صاحب کی اس بے جا جسارت کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔

وَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ انتہی بلفظہ (کشف حقیقت ص۲۴،۲۵)

ایسی واضح اور صریح تردید کی موجودگی میں تبلیغی جماعت کو سرکار برطانیہ کا ہمدرد اور نمک خوار ثابت کرنا کہاں کا انصاف و دیانت ہے؟ حیرت ہے کہ مؤلف مذکور کے علاوہ بھی اکثر مبتدعین تبلیغی جماعت کے خلاف اس حوالہ کو بزعم خویش بطور کامیاب ہتھیار کے استعمال کرتے ہیں اور اسے بدنام کرنے کی ناکام کاوش کرتے ہیں مگر ہے

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

وثالثاً اس لیے کہ مؤلف مذکور نے عبارت نقل کرنے میں بھی دجل سے کام لیا ہے اور پوری عبارت نقل نہیں کی مکالمۃ الصدرین کی پوری عبارت اس طرح ہے۔

اِس ضمن میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا۔ پھر بند ہو گیا۔ (مکالمہ ص۸) مؤلف مذکور نے اپنے اعلیحضرت اور دیگر اکابر کا روایتی طریقہ واردات اختیار کرتے ہوئے آخری خط کشیدہ جملہ حذف کر دیا ہے یہ جملہ باقی رہتا اور حذف نہ کیا جاتا تو ہر قاری یہ سوچنے پر مجبور ہوتا کہ

(۱) اگر تبلیغی جماعت گورنمنٹ کے مقاصد کے لیے استعمال ہو رہی تھی تو یہ روپیہ بند کیوں کر دیا گیا؟ اس روپیہ کا بند ہو جانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ تبلیغی جماعت گورنمنٹ کے مقاصد کے لیے استعمال نہ ہوئی اور انگریز کو اس کی توقع بھی نہ تھی ورنہ رقم کبھی بند نہ ہوتی رقم کا بند ہو جانا اور بند کر دینا ہی اس کی روشن دلیل ہے کہ تبلیغی جماعت انگریز کے لیے آلۂ کار نہیں بنی اور بفضلہ تعالیٰ پہلے سے اب یہ جماعت تمام دنیا میں زیادہ عروج پر ہے اور ان ملکوں اور علاقوں میں بھی کام کر رہی ہے جو انگریز کے سخت مخالف ہیں۔

(۲) انگریز کچھ لوگوں اور بعض انجمنوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لیے ابتداءً کچھ رقمیں دیا کرتا تھا پھر بند کر دیں (اور ممکن ہے کہ بعض کجی ذہنوں کو اسی سے حق پرستوں کی اس جماعت تبلیغی کے بارے میں بھی رقم لینے کا شبہ ہوا ہے جو بالکل خلافِ واقع ہے)

چنانچہ مکالمۃ الصدرین کی مذکورہ بالا عبارت سے متصل قبل ہی یہ عبارت بھی مذکور ہے کہ (ایک سرکاری ہندو افسر نے) گورنمنٹ کو ایک نوٹ لکھا جس میں دکھلایا گیا کہ ایسے لوگوں یا انجمنوں پر حکومت کا روپیہ صرف کرنا بالکل بے کار ہے اس پر آئندہ کے لیے امداد بند ہو گئی (مکالمۃ الصدرین صـ۵)

اس سرکاری افسر کے اس بیان سے بالکل عیاں ہو گیا کہ جن لوگوں اور انجمنوں کو جال میں پھنسانے کے لیے انگریز کچھ رقمیں دیا کرتا تھا وہ بند کر دی گئی تھیں کیونکہ ان میں رقمیں صرف کرنا بالکل بیکار تھا اس لیے کہ ان سے انگریز کے حامی ہونے کی قطعاً کوئی توقع نہ تھی۔ جو بزبانِ حال یوں گویا ہوئے

ؔ ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش سے — جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

پانچواں الزام کہ تذکرۃ الرشید حصہ دوم صـ۲۷۰ پر ہے کہ سید صاحب نے پہلا جہاد یار محمد خان حاکم یاغستان سے کیا تھا اور وہ مسلمان تھا سکھ نہ تھا (محصلہ)

الجواب:۔ مؤلف مذکور کے اس غلط منطقی نتیجہ کے رد کے لیے تو اتنی ہی بات کافی ہے کہ تذکرۃ الرشید کے اسی صفحہ میں آگے یہ عبارت بھی موجود ہے۔

پھر کچھ عرصہ بعد کھڑک سنگھ پسر رنجیت سنگھ والیٔ لاہور سے لڑائی ہوئی جس میں بہت سے مجاہدین شہید ہوئے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؒ و مولوی محمد حسنؒ صاحبؒ بھی، وہیں شہید ہوئے، البتہ میدان مجاہدین کے ہاتھ رہا، جب لاشیں سنبھالی گئیں تو سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کا پتہ نہ لگا، لوگ

تلاش میں نکلے اور اِدھر اُدھر جستجو کرنے لگے الخ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۷)

قارئین کرام ہی انصاف سے فرمائیں کہ کھڑک سنگھ ولد رنجیت سنگھ کس مسلمان کا نام تھا۔ جس کے مقابلہ میں یہ حضرات لڑے اور بالآخر بہت سے مجاہدین شہید ہوئے؟

حضرت سید احمدؒ کی شہادت بھی بالاکوٹ میں ہوئی تحقیقی بات صرف یہی ہے باقی سب قیاسات ہیں۔ ان کی قبر بالاکوٹ کے مختصر سے قبرستان میں دریا سے کچھ اُوپر مسجد کے قریب سڑک سے نیچے آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ جس پر حضرت سید احمد شہیدؒ کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ اور کسی سوزِ دل والے نے اس پر یہ شعر بھی لکھ دیا ہے ؎

اکیلا کون کہتا ہے لحد میں نعش حاتم کو ہزاروں حسرتیں لپٹی ہیں اس دریا کے پہلو سے

یار محمد خان

یار محمد خان اور اس کا بھائی سلطان محمد خان دونوں سکھوں اور انگریزوں کے ہمنوا تھے اور مجاہدین کے سخت مخالف تھے۔ ابتداء میں جب یار محمد خان نے حضرت سید احمد شہیدؒ اور مجاہدین کے خلاف اپنے لشکر کو لے کر مقابلہ کرنا چاہا تو سیرت سید احمد شہیدؒ میں ہے کہ

اس کے بھائی سلطان محمد خان نے اس کو بہت منع کیا اور کہا کہ تم ہرگز سید صاحبؒ کے مقابلہ میں وہاں مت جاؤ۔ یہ وہی شخص ہے جس کے مقابلہ میں فرانسیسی جنرل کو لشکر جرار اور ہزاروں کی فوج کے باوجود شرمندگی و ذلت اٹھانی پڑی۔ اور سیدؒ صاحب بڑے تمکنت اور وقار کے ساتھ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر جمے رہے اور اگر تم کو شکست ہو گئی تو پشاور تک سلامتی کے ساتھ پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔ لیکن یار محمد خان نے جو اپنی طاقت کے غرور کے نشہ میں سرشار اور مجاہدین کی بے سروسامانی سے اچھی طرح واقف تھا اس کی پرواہ نہ کی۔ الخ (سیرت سید احمد شہیدؒ صفحہ ۲۰۰ وصفحہ ۲۰۱، از سید ابوالحسن علی ندوی طباعت دوم ۱۹۴۱ء)

اور صفحہ ۱۸۳ میں ہے کہ

یار محمد خان کی سازش تھی کہ سیدؒ صاحب کو زندہ سلامت سکھوں کے حوالہ کر دیا جائے۔ لیکن فیل بان کی خیر خواہی سے یہ تدبیر ناکام رہی۔ بلفظہ (مکتوب قلمی مولانا عبدالحی بسالوی از لشکر گاہ مجاہدین)

غرضیکہ لڑائی ہوئی اور لکھا ہے کہ

یار محمد خان اور اس کے لشکری فرار کے وقت کوئی سامان نہ لے جاسکے۔ یہاں تک کہ پاؤں کی جوتیاں بھی وہیں رہ گئیں۔ یار محمد خان کو زخم کاری لگا اور پشاور پہنچنے سے پہلے ہی اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس کے لشکر کے ساٹھ بڑے بڑے سردار اور تین سو کے قریب لشکری مقتول ہوئے مجاہدین کے لشکر میں صرف چار آدمی شہید ہوئے۔ اور ساٹھ آدمیوں کو خفیف زخم لگا۔ (بلفظہٖ ص ۲۰۶)

اسی طرح امیر خان خٹک بھی جو اس ملک میں سرگروہ منافقین تھا۔ گولی لگنے سے مقتول ہوا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سال منافقین کی نکبت اور وبال کا ہے۔ (ص ۲۰۹)

سلطان محمد خان کی مخالفت

اب سکھوں کے علاوہ صرف سلطان محمد خان برادر یار محمد خان مجاہدین کا حریف رہ گیا تھا۔ بھائی کے قتل کے بعد سلطان محمد خان نے انتقام لینے پر کمر باندھی اوپر گذر چکا ہے کہ اس کے پاس لیلیٰ نامی کی ایک نہایت نفیس گھوڑی تھی۔ جس کے لیے رنجیت سنگھ مجنون ہو رہا تھا۔ اور برسوں سے اس کی فرمائش کر رہا تھا مگر سلطان محمد خان دینے پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ اس مرتبہ اس نے از خود وہ گھوڑی اور مزید رنجیت سنگھ کے نذر کر دیے اور مجاہدین کے خلاف مدد مانگی۔ (ص ۲۰۹ و ص ۲۱۰)

اور ص ۱۷۴ میں ہے کہ

سکھ لیلیٰ نامی ایک گھوڑی کے خواستگار تھے۔ جس کا رنجیت سنگھ برسوں سے مشتاق تھا۔ یہ گھوڑی یار محمد خاں کے بھائی سلطان محمد خاں کی سواری میں تھی اور اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ خود یار محمد خاں کی کوشش تھی کہ یہ گھوڑی اپنے بھائی سے لے کر رنجیت سنگھ کو نذر کرے اور اس کی خوشنودی حاصل کرے لیکن سلطان محمد خاں اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ نیز لکھا ہے کہ

صبح کو فیصلہ کن جنگ ہونی والی تھی ایک رات بیچ تھی۔ اسی رات نذر محمد اور ولی محمد کے ذریعہ جو آپ کا کھانا لانے پر مقرر تھے اور یار محمد خان سردار پشاور کے ملازم تھے آپ کو کھانے میں زہر ہلاہل دیا گیا۔ آپ نے پورا کھانا کھا لیا۔ زہر قاتل تھا آپ پر

سخت اثر ہوا الخ (ص۱۹۲)

پھر آگے لکھا ہے کہ

سلطان محمد خان کی فوج کا افسر کیول نام ایک انگریز تھا۔ الخ (ص۲۱۰)

اور ص۱۹۲ میں ہے کہ

سرداران پشاور اب کھلے ہوئے دشمن تھے۔ اب ان کو میدان میں نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے میں بھی باک نہ تھا۔ سکھوں کو ان سے بڑی قیمتی امداد حاصل تھی۔ بلکہ وہ ان کی وجہ سے بہت کچھ سبکدوش ہو گئے تھے۔ یار محمد خان وغیرہ نے چار ہزار درانیوں کی فوج سید صاحبؒ کے مقابلہ کے لیے دریائے سندھ کے پار اتمان زئی میں اکٹھا کر دی۔ الخ

مؤلف مذکور کو آنکھیں کھول کر یہ ٹھوس تاریخی واقعات پڑھنے چاہئیں۔ محض اخبارات اور رسالوں سے بعض ادھورے اور نامکمل حوالے دیکھنے سے کچھ نہیں بنتا۔ اور انصاف سے کہنا چاہیئے کہ یار محمد خان اور سلطان محمد خان کا قارورہ کس سے ملتا تھا؟ کیا رنجیت سنگھ اور کیول (نامی انگریز) بھی مسلمان کا نام تھا؟ اور کیا سکھوں اور انگریزوں کے ان ایجنٹوں سے جہاد کرنا کسی مسلمان سے جہاد کرنا ہے؟ یہ ہے مؤلف مذکور کے ہاں مسلمان جو مجاہدین اسلام سے لڑتا ہے اور سکھوں اور انگریزوں سے اسکی دوستی اور محبت ہے۔ ؎

فیض تم کو ہے تقاضائے وفا ان سے جنہیں
آشنا کے نام سے پیارا ہے بیگانے کا نام

مجاہد سکھوں اور انگریزوں دونوں کے سخت مخالف تھے

حضرت سید احمد شہیدؒ مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے جانباز مجاہدوں کے سکھوں کے مقابلہ میں لڑتے ہوئے بالاکوٹ کے مقام میں شہید ہونے کا تاریخ سے ادنیٰ مس رکھنے والا بھی کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا؟ اور کرے بھی تو آفتاب نصف النہار کے انکار کو کون قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے؟ البتہ براہ راست چونکہ اس جماعت کا انگریز سے مقابلہ نہیں ہوا تھا اس لیے انگریز کے خیر خواہ ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے مگر تاریخ اس شبہ کی بھی بیخ کنی کرتی ہے۔ چنانچہ خود انگریز مؤرخ کیپٹن کننگھم تاریخ سکھ میں لکھتا ہے، سید احمد صاحبؒ کے عمل سے ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ کافروں سے ان کی مُراد صرف سکھ تھے لیکن ان کے صحیح مقاصد پورے طور پر نہیں سمجھے گئے وہ انگریزوں پر حملہ کرنے میں ضرور محتاط تھے لیکن ایک وسیع اور آباد ملک پر ایک دور دراز کی قوم کا اقتدار ان کی مخالفت کے لیے کافی سبب تھا۔

(بحوالہ سیرت سید احمد شہید ص۲۷۷ از ابوالحسن علی ندوی طبع قدیم)

انگریزوں نے جب پنجاب فتح کیا تو مجاہدین کا رُخ اُن کی طرف پھر گیا مولانا ولایت علی صاحب اور اُن کی جماعت نے حالات کے تغیر اور خطرہ کا احساس کیا اور شروع سے اپنے دائرہ عمل کو وسیع کیا۔ ہنٹر لکھتا ہے۔ مجاہدین کی ضرب سکھوں کے دیہاتوں پر شدید تھی لیکن وہ انگریز کافروں پر ضرب لگانے کے ہر موقع کا بڑی خوشی سے خیر مقدم کرتے تھے انہوں نے کابل کی جنگ میں ہمارے دشمنوں کی مدد کے لیے ایک بڑی قوت بھیجی اور ان میں سے ہزار ایک ہمارے مقابلہ میں موت تک جمے رہے صرف غزنی کے سقوط میں ان کے تین سو آدمیوں نے انگریزی سنگینوں سے شہادت کی خوشی حاصل کی۔

پنجاب کے بعد جو غصہ پہلے سکھوں پر اٹھتا تھا اب ان کے جانشینوں (انگریزوں) پر اُترنے لگا۔ (بحوالہ سیرت سید احمد شہیدؒ ابوالحسن علی ندوی ص۲۷۷، ۲۷۸)

نواب امیر خان کی انگریزوں سے صلح اور سید صاحبؒ کی لشکر سے جدائی

نواب امیر خان والئ ریاست ٹونک انگریز کے خلاف تھے اور اس کے خلاف لڑے بھی اور سید صاحبؒ چھ سال سے زائد نواب صاحب کے لشکر میں رہے۔ (ملاحظہ ہو سیرت سید احمدؒ ص۶۲) لیکن جب بعض مجبوریوں کی وجہ سے نواب صاحب نے انگریز سے صلح کرنی مناسب سمجھی تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا اگر آپ انگریزوں سے ملتے ہیں تو میں رخصت ہوتا ہوں نواب صاحب نے بہت سمجھایا مگر حضرت نے نہ مانا الی قولہ اگر میرا کہنا مانیئے تو ان سے لڑیئے اور ہرگز نہ ملیئے ملنے کے بعد آپ سے کچھ نہ ہو سکے گا یہ کفار بڑے دغا باز و مکار ہیں کچھ آپ کے واسطے جاگیر و تنخواہ مقرر کر کے بٹھا دیں گے کہ روٹیاں کھایا کیجیئے پھر یہ بات ہاتھ سے جاتی رہے گی یہ فرما کر آپ تشریف لے گئے اھ ص۹۳(ایضاً)
ایسے صریح حوالے موجود ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص حضرت سید صاحبؒ اور ان کے سرفروش

مجاہدوں کو سکھوں اور انگریزوں کا ہمدرد اور خیر خواہ قرار دے تو اُسے یہ ورد رکھا کر بانس بریلی کے پاگل خانہ میں بند کر دینا چاہیئے ؎

وقت آئے گا تو کوئی بھی نہ ہو گا میرا — اب تو لاکھوں میرے غمخوار نظر آتے ہیں

چھٹا الزام :۔ کہ انگریز گھوڑے پر سوار ہو کر چند پالکیوں میں کھانا لے کر آیا (محصلہ)

الجواب :۔ مؤلف مذکور اگر پوری عبارت ہی نقل کر دیتے تو کسی بھی صاحب فہم کو کوئی مغالطہ نہ ہوتا کیونکہ کسی کتاب کا جو مطلب جو غور کی عبارت سے حل ہو سکتا ہے کسی اور سے نہیں ہو سکتا پوری عبارت یہ ہے۔ ایک انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں پر کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں؟ حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا کہ میں یہاں ہوں انگریز گھوڑے سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لیے کشتی پر پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کر دیئے تھے کہ آپ کی آمد کی اطلاع کریں آج انہوں نے اطلاع کی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلے کے ساتھ آج تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں یہ اطلاع پا کر غروب آفتاب تک میں کھانے کی تیاری میں مشغول رہا تیار کرانے کے بعد لایا ہوں۔ سید صاحبؒ نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے، کھانا لے کر قافلے میں تقسیم کر دیا گیا اور انگریز دو تین گھنٹے ٹھہر کر چلا گیا۔

تحقیق سے معلوم کہ یہ انگریز کمپنی کے ملازمین میں سے نہیں تھا بلکہ نیل کا ایک تاجر تھا۔ بلفظہٖ (مخزن احمدی صفحہ ۹۶ و صفحہ ۹۷ — سیرت سید احمد شہیدؒ ابوالحسن علی ندوی حصہ اوّل صفحہ ۲۴۷ طبع چہارم خواجہ بک ڈپو اُردو بازار لاہور)

یہ واقعہ اس دور کا ہے کہ جب کہ حضرت سید صاحبؒ اور ان کے مجاہد ساتھی قصبہ دھدمہ سے الٰہ آباد کی طرف روانہ ہوئے اور سکھوں کے مقابلہ کے لیے سرحد پہنچنا چاہتے تھے۔ مگر ابھی تک سکھوں سے جہاد شروع نہیں ہوا تھا اور حضرت سید صاحبؒ کی جماعت ایک اصلاحی اور تبلیغی جماعت تھی جو توحید و سنت کی نشر و اشاعت اور شرک و بدعت اور بد رسوم کی بیخ کنی میں مصروف تھی اس انگریز نے عالم اور مصلح ہونے کی وجہ سے حضرت سید صاحبؒ کو اپنی اصطلاح اور بولی میں پادری صاحب سے تعبیر کیا اور کھانا بھی کمپنی کے کسی انگریز ملازم نے تیار نہیں کرایا تھا بلکہ وہ نیل کا ایک تاجر تھا اس سے یہ ثابت کرنا کہ اس جماعت کا انگریزوں کے حکمران طبقہ سے

ملاپ تھا یا یہ جماعت انگریزی کمپنی کے خلاف نہ تھی قطعاً غلط ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چند صحابہ کرامؓ نے خیبر کے غزوہ کے متصل بعد ایک یہودی عورت کی دعوت قبول کی تھی جس میں اُس نے زہر ڈالی تھی جس کا آپ پر بھی اثر ہوا۔ (بخاری ص ۳۵۶/۱ج و ص ۶۱۰/۲ج)

اور حضرت بشرؓ بن براء بن معرور اس زہر کی وجہ سے جانبر نہ ہو سکے اور شہید ہو گئے۔

(ابوداؤد ص ۲۶۴/۲ج و مستدرک ص ۲۱۹/۳ج)

کیا کوئی مسلمان یہ جرأت کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ یوں کہے کہ آپؐ کا یہود سے گٹھ جوڑ تھا۔ اس لیے اُن کی دعوت قبول کی تھی؟ بخاری ص ۳۵۶/۱ج میں مستقل باب ہے قبول الہدیۃ من المشرکین یعنی مشرکوں کا ہدیہ قبول کرنا اور پھر مرفوع احادیث اس کے ثبوت پر پیش کی ہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ معاذ اللہ تعالیٰ، ہدیہ قبول کرنے کی وجہ سے مشرکوں سے ساز باز تھی؟

اس جماعت کا اصلاحی کارنامہ

حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (سوانح احمدی بحوالہ سیرت سید احمد شہید ص ۲۳۶/۱ج ابوالحسن علی ندوی طبع دوم ۱۹۴۱ء)

اور نیز لکھا ہے کہ۔

آپ کے ہاتھوں لاکھوں بھٹکے ہوئے انسانوں نے اسلام کی روشنی اور سنت و شریعت کا راستہ پایا الخ (ص ۳۶۵) اور لکھا ہے کہ

صرف مولانا کرامت علی صاحب جونپوریؒ کی کوششوں سے جو آپ کے مشہور خلیفہ تھے بنگال میں لاکھوں آدمی مشرف باسلام ہوئے اھ (ص ۲۳۶/الیضاً) اور لکھا ہے کہ

دس ہزار آدمیوں سے زیادہ قنوج اور اطراف قنوج کے لوگ حضرت سید صاحبؒ کے مرید ہوئے اور کئی ہزار ہندو مشرف باسلام ہوئے اھ (الیضاً ص ۲۸۶)

اور نیز لکھا ہے کہ

مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ کے ایک وعظ میں انگریز مردوں اور عورتوں کا کثیر مجمع تھا مولانا نے سورۃ مریم کا وعظ فرمایا حاضرین کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں وعظ کے بعد انگریزوں نے ہزارہا روپیہ دینا چاہا مگر مولانا نے انکار کر دیا کہ ہم اجرت نہیں لیتے اھ (الیضاً ص ۱)

الغرض اس جماعت کے بزرگوں کی دعوت وغیرہ کا کرنا ان کے مصلح ہونے کی وجہ سے تھی نہ کہ کمپنی کے انگریزوں کا دُم چھلہ ہونے کی وجہ سے جو مؤلف مذکور کا باطل مطلوب ہے۔ مؤلف مذکور کی قسمت میں ہی یہ لکھا ہے کہ وہ جس دلیل کو اپنے حق میں سمجھتے ہیں وہ ان کے خلاف ہی جاتی ہے، سچ ہے ـ

وحشتیں کچھ اس قدر اپنا مقدر ہو گئیں ہم جہاں پہنچے ہمارے ساتھ ویرانے گئے

ساتواں اور آٹھواں الزام ان دونوں کا مفاد صرف ایک ہے محض تکثیر کے شوق میں مؤلف مذکور نے الگ الگ حوالے اور نمبر دیے ہیں تاکہ کم فہم لوگ یہ سمجھیں کہ مجاہدین کے خلاف الزامات خاصے ہیں۔

الجواب:۔ ابتداءً انگریز کا طریقہ واردات یہ تھا کہ کسی مذہب اور فرقے کے خلاف تشدد سے کام نہ لیا جائے بلکہ اپنی تعلیم نظریات اور افکار کے ذریعہ ان کے ذہنوں کو فتح کیا جائے، اور لارڈ میکالے کا بیان اس کی واضح دلیل ہے۔ اس دور میں جب کہ بظاہر سب کو مذہبی آزادی حاصل تھی انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ نہ دینے سے یا ملکی دفاع کے لیے اس کا تعاون کرنے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ جب انگریز ظالم نے ہزاروں بے گناہ ہندوستانیوں کو جن میں بیشتر مسلمان تھے قتل و غارت کرنا شروع کر دیا اور تختہ دار پر لٹکا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی تو اس وقت بھی اس کے خلاف جہاد درست نہ تھا، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ ۱۸۵۷ء کے معرکہ سے پہلے ہی شہید ہو چکے تھے، پہلے کے حالات کو بعد پر فٹ کرنا اور اس طرز سے ان کو انگریز کا ہمدرد اور خیر خواہ ثابت کرنا بالکل بے سُود امر ہے، جناب محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب لکھتے ہیں۔ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے جو کام کل کا ہے آج نہ ہوگا یا جو کل ہو سکتا تھا وہ آج نہیں ہو سکتا کہ پہلے کا وقت آیا نہیں اور دوسرے کا وقت گذر گیا اھ (طرق الہدیٰ والارشاد ص۱۵)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ نے یہود کے ساتھ امن اور صلح کا تحریری معاہدہ کیا تھا جس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ یہود اور مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

(ملاحظہ ہو زاد المعاد ص۲ج۲، سیرت ابن ہشام ص۵۰۴ج۱ و سیرت النبی علامہ شبلیؒ ص۲۸۴ج۱) مگر بعد کو یہود کے تینوں خاندانوں (بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ) کے خلاف ان کی وعدہ شکنی کی وجہ سے جہاد کیا گیا

نتیجہ تاریخی طور پر بالکل عیاں ہے۔ متقدم اور متأخر حالات کو گڈ مڈ کرنا اور اس سے مقصد حاصل کرنا کسی طرح بھی درست اور قرین قیاس نہیں ہے۔ مگر شومئ قسمت کہ کوئی دلیل بھی مؤلف مذکور کا ساتھ نہیں دیتی ۔

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم　　　رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو یہ بھی کیا معلوم

نواں اور دسواں الزام :۔ ان دونوں کا مقصد بھی یہ ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کا انگریز سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا اور وہ کہتے تھے کہ سرکار انگریزی کے خلاف کس سبب سے جہاد کریں (محصلہ)

الجواب :۔ پہلے گذر چکا ہے کہ ابتدائی دور میں انگریز سے ٹکر لینے کے وافر اسباب موجود نہ تھے کیونکہ اس نے قتل و غارت بھی شروع نہیں کی تھی اور اُسکے ساتھ لڑنے کی قوت و طاقت بھی نہ تھی ۔

کیپٹن کننگھم کا یہ حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے وہ حضرت سید صاحبؒ کے بارے لکھتے ہیں کہ

وہ انگریزوں پر حملہ کرنے میں ضرور محتاط تھے لیکن ایک وسیع اور آباد ملک پر ایک دور دراز کی قوم کا اقتدار ان کی مخالفت کے لیے کافی سبب تھا "

الغرض حضرت سید صاحبؒ انگریز کے خلاف تھے البتہ انگریز سے ٹکر لینے کا واضح داعیہ اس وقت موجود نہ تھا اور نہ قوت و طاقت تھی، فریق مخالف کے فاضل ابن الفاضل جناب مولانا محمد مصطفٰے رضا خان صاحب انگریز کے خلاف جہاد کے حرام ہونے کے سلسلہ میں پانچ مقدمات پیش کرتے ہیں پھر آگے لکھتے ہیں کہ ۔

ان مقدمات سے ظاہر ہوا کہ جو حکم انسانی قوت و طاقت بشری وسعت و استطاعت سے باہر ہو وہ ہرگز حکم شریعت مطہرہ نہیں جس حکم میں کوئی فائدہ نہ ہو عبث و لغو ہو وہ ہرگز ہماری پاک شرع کا حکم نہیں جس حکم میں بے فائدہ اتلاف جان و اہلاک نفس ہو وہ اس شرع مبین کا حکم نہیں یونہی جس حکم سے سوتے فتنے جاگیں فساد برپا ہوں وہ کبھی مقدس اسلام کا حکم نہیں ہو سکتا ، اب یہ خود دیکھ لو کہ یہاں اس وقت حکم جہاد میں تکلیف مالا یطاق ہے یا نہیں ؟ اس میں کوئی فائدہ ہے یا سراسر مضرت ؟ جانوں کی بے وجہ ہلاکت ہے یا حفاظت فتنہ و فساد کی اثارت ہے یا اماتت ؟ اس میں مسلمانوں کی عزت ہے یا ذلت ؟ یہ حکم قبل از وقت ہے یا خاص وقت پر ؟ ان امور پر غور کر لینے کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہو جائے گا اصلاً خفا نہ رہے گا

نہتوں کو ان سے جو تمام ہتھیاروں سے لیس ہوں لڑنے کا حکم دینا سختی نہیں اور تکلیف فوق الوسعت نہیں؟ کیا ایسوں کو جو ہتھیار چلانا بڑی بات ہے اٹھانا نہیں جانتے جن کے وہم میں بھی کبھی نہیں گزرا کہ بندوق کس طرح اٹھاتے تلوار کیونکر تھامتے مارتے طمنچہ کیسے چلاتے ہیں جنہوں نے کبھی جنگ کے ہنگامے لڑائی کے معرکے خواب میں نہ دیکھے انہیں توپوں کے سامنے کر دینا کچھ زیادتی نہیں؟ کیا ایسوں سے میدان (سر) کرانا اور ان کی جانیں مفت گنوانا عبث نہیں؟ کیا یہ فتنہ فساد نہیں کہ مسلمانوں کی عزیز اور قیمتیں جانیں مفت ضائع ہوں اس سے بڑھ کر اور فتنہ اور اس سے زائد فساد فی الارض کیا ہوگا۔ ایک مسلمان ایک کعبہ نہیں ہزاروں ان سے زیادہ افضل و بہتر ہے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است　　از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است۔ اھ بلفظہ

(طرق الہدی والارشاد ص۲۹ و ص۳۰) ایسی مجبوری کے تحت اگر حضرت سید صاحب نے براہ راست انگریز سے جہاد نہیں کیا اور اس کا وافر سبب نہیں پایا تو ان پر کیا الزام عائد ہو سکتا ہے؟

غرضیکہ مؤلف مذکور نے جتنے حوالے پیش کئے ہیں بحمد اللہ تعالیٰ محمد سرفراز اور اس کے اکابر پر ان سے رتی برابر بھی زد نہیں پڑتی جیسا کہ قارئین کرام نے ٹھوس حوالوں سے اصلی حقیقت ملاحظہ کر لی ہے ویسے ہی مؤلف مذکور ادھورے اور سرقہ کیے ہوئے ان حوالجات عشرہ پر بلا وجہ نازاں و فرحاں ہیں اور موج میں آکر لکھتے ہیں کہ۔

کیوں جناب صفدر صاحب! انگریز دوستی کے ثبوت میں یہ دس حوالے ناکافی تو نہیں ہیں؟ آپ کی تسلی اور تشفی ہوئی ہے یا نہیں؟ اھ سو گذارش ہے کہ ان مسروقہ اور نا تمام حوالوں میں سے کسی ایک میں بھی کسی لوئی سمجھ والے کے لیے بھی تشفی اور تسلی کا کوئی سامان موجود نہیں ہے چہ جائیکہ اس کے لیے جو بفضلہ تعالیٰ ہندوستان اور اکابر کی تاریخ پر بھی گہری نگاہ رکھتا ہے گو اکابر چمن علم و عمل سیاست اور ورع کے پھول ہیں اور راقم اثیم مخالف کی آنکھ کا کانٹا ہے مگر ؎

چمن میں رکھتے ہیں کانٹے بھی اک مقام اے دوست
فقط گلوں ہی سے گلشن کی آبرو تو نہیں

بظاہر انگریز کی تائید میں علماء حق اور مورخین سے جو الفاظ منقول ہیں وہ سب توریہ ہے ۔
باحوالہ یہ بات گذر چکی ہے کہ اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالےٰ جماعتہم انگریز کے خلاف لڑتے بھی رہے اور اس کے دور میں قید بھی ہوئے ۔ اور ان کے خلاف مقدمات بھی قائم کیے گئے ۔ اور بعض کو تختۂ دار پر بھی لٹکایا گیا ۔ جب کہ فریق مخالف کے اعلحضرت بمع اپنے جملہ تلامذہ اور خلفاء کے نہ تو انگریز کے خلاف لڑے ۔ نہ قید ہوئے ۔ اور نہ انگریز نے ان کے خلاف کوئی مقدمہ ہی قائم کیا ۔ اور بھلا انگریز ان کو کیوں قید کرسکتا ؟ اور ان کے خلاف کیوں مقدمات قائم کرتا جبکہ ان لوگوں کے تکفیری فتوے ہی ان حضرات کے خلاف ہوتے تھے جو انگریز کے سخت ترین مخالف تھے ۔ کما مر ۔ اور انہی تکفیری فتووں نے انگریز کے ہاتھ مضبوط کیے تھے جب کہ خان صاحب نے خود تصریح کی ہے کہ

ہندوستان بفضلہ تعالیٰ دارالاسلام ہے ۔ (احکام شریعت حصہ دوم ص۸۷)

اور ان کی نسل اور روحانی اولاد نے جہاد حرام قرار دیا کما مر ۔ تو انگریز کو اپنے محسنوں کے خلاف کاروائی کرنے کی کیا حاجت تھی ؟ صرف نام کے مغالطے سے بجائے مولانا سید فضل حق رامپوری رح کے مولانا فضل حق خیر آبادی رح قابو آگئے تھے اور جزیرۂ انڈمان میں انہوں نے صعوبتیں اٹھاتے ہوئے جان دے دی تھی ۔ (دیکھئے حاشیہ جنگ آزادی ص۵۵ از پروفیسر محمد ایوب قادری رح و عبارات اکابر حصہ اول ص۸) ان حالات کے پیش نظر اکابرین علماء دیوبند نے اپنے یا بزرگوں کے بارے میں انگریز کے خلاف کاروائی نہ کرنے یا وفادار ہونے کے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ سب توریہ ہے ۔

توریہ اس کو کہتے ہیں کہ متکلم ذو معنیین لفظ بولے ۔ ایک معنی قریب اور دوسرا بعید ہو ۔ مخاطبین اس سے قریب کا معنی سمجھیں اور متکلم کی مراد معنیٰ بعید ہو ۔ اور ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم انگریز کے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے تھے وہ نہیں کیا اور نہ ہو سکا ہے ۔ اور ظالم کو ظلم سے روکنا بھی اس کی ہمدردی ہے ۔ قرآن کریم ، حدیث شریف اور فقہ سے توریہ کا ثبوت موجود ہے ۔ ہم صرف مسئلہ کو مبرہن کرنے کے لیے چند مثالیں عرض کرتے ہیں

(۱) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات میں آتا ہے کہ انہوں نے

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝ (پ ۲۳- والصّٰفّٰت -۳) پھر نگاہ کی ایک بار تاروں میں۔ پھر کہا میں بیمار ہوں (یا بیمار ہونے والا ہوں)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مطلب اپنی جگہ ٹھیک تھا۔ لیکن ستارہ پرستوں نے اس سے یہ سمجھا کہ انہوں نے نجوم سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ عنقریب وہ بیمار ہونے والے ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اِنِّي سَقِيمٌ کہنا مطلب واقعی کے اعتبار سے جھوٹ نہ تھا۔ ہاں مخاطبین نے جو مطلب سمجھا اس کے اعتبار سے خلاف واقع تھا۔ اسی لیے بعض احادیث صحیحہ میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق کیا گیا ہے حالانکہ فی الحقیقت یہ کذب نہیں بلکہ توریہ ہے اور اس طرح کا توریہ مصلحت شرعی کے وقت مباح ہے۔ جیسے حدیث ہجرت میں مِمَّنِ الرَّجُلُ کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مِنَ الْمَاءِ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ رَجُلٌ يَهْدِينِي السَّبِيلَ۔ ہاں چونکہ یہ توریہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رتبہ بلند کے لحاظ سے خلاف اولیٰ تھا اس لیے بقاعدہ حسنات الابرار سیئات المقربین حدیث میں اس کو ذنب قرار دیا گیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم (فوائد عثمانیہ ص ۵۸۳)

(۲) اسی طرح بت شکنی کے بعد مشرکین کے اس سوال کے جواب میں کہ ہمارے الہوں کے ساتھ یہ کام تم نے کیا ہے اے ابراہیم؛ انہوں نے فرمایا

بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ۔ بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا۔ تم ان سے پوچھو اگر بولتے ہوں۔

(پ ۱۷- الانبیاء ۵)

یہ بھی توریہ ہی کی قسم ہے۔ فریق مخالف کے صدر الافاضل اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں آپ نے اس کا تو کچھ جواب نہ دیا اور شانِ مناظرانہ سے تعریض کے طور پر ایک عجیب و غریب حجت قائم کی۔ بلفظہٖ (خزائن العرفان ص ۴۷۴ طبع لاہور)

(۴) اور اسی سلسلہ کی ایک کڑی ایک تفسیر کی رُو سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے۔

ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّکُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝ (پ ۱۳، یوسف - ۹)

پھر پکارا پکارنے والے نے اے قافلہ والو تم تو البتہ چور ہو۔

اگر یہ الفاظ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائے یا ان کے حکم سے کہے گئے تو یہ توریہ ہے مطلب یہ ہوگا کہ تم نے باپ سے چوری کرتے ہوئے بچپن میں بھائی (حضرت یوسف علیہ السلام) کو بیچ ڈالا تھا۔

اور اسی مد میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بیان بھی ہے کہ جب ایک ظالم اور جابر بادشاہ نے ان کی رفیقِ سفر حضرت سارہ علیہا السلام کے بارے میں ان سے سوال کیا۔

مَنْ هٰذِهٖ ؟ قال اختی فاتی سارۃ فقال یاسارۃ لیس علٰی وجہ الارض مؤمن غیری وغیرك وان هٰذا سألنی فاخبرته انك اختی فلا تکذبینی الحدیث۔

(بخاری ص ۴۷۴ ج ۱ واللفظ لہ ومسلم ص ۲۶۱)

یہ بی بی کون ہے ؟ تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میری بہن ہے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت سارہ علیہا السلام کے پاس گئے اور فرمایا کہ اس زمین میں میرے اور تیرے بغیر اور کوئی مومن نہیں اور اس ظالم نے مجھ سے سوال کیا ہے اور میں نے اسے بتایا ہے کہ تو میری بہن ہے۔ سو تو مجھے نہ جھٹلانا

اس بیان میں بھی ایک ظالم اور جابر کے ظلم سے بچنے اور عزت بچانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توریہ سے کام لیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی توریہ سے کام لیا ہے۔

چنانچہ حضرت کعبؓ بن مالک (المتوفی ۵۰ھ) کی طویل حدیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ

ولم یکن رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یُرید غزوۃ الا ورّٰی بغیرھا حتی کانت تلك الغزوۃ الحدیث

(بخاری ص ۶۳۴ ج ۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غزوہ اور جہاد کا ارادہ نہیں فرماتے تھے مگر اس کے غیر کا توریہ کرتے تھے ہاں اس غزوۂ تبوک میں آپؐ نے توریہ سے کام نہیں لیا۔

اس صحیح حدیث کے الفاظ صاف طور پر یہ واضح کرتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں توریہ نہیں کیا گیا تھا اس کے علاوہ سب غزوات میں آپؐ توریہ سے کام لیتے رہے اگر توریہ جائز نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے کبھی کام نہ لیتے حالانکہ اکثر یا سب غزوات میں بجز غزوۂ تبوک کے آپ نے توریہ کیا ہے۔ حضرت امام محمد بن اسمٰعیلؒ البخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) نے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔

باب المعاریض مندوحة عن الکذب الخ (ص ۹۱۷ ج ۲) — باب اس میں کہ توریہ اور تعریض جھوٹ سے پھیری ہوئی ہے یعنی جھوٹ نہیں ہے۔

اور اس کے بعد انہوں نے متعدد احادیث اس کے اثبات پر پیش کی ہیں۔

اور کتب فقہ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ ظالم اور جابر سے بچنے کے لیے توریہ کے الفاظ بول کر جان بچانا درست ہے۔

حضرت امام ابراہیم نخعیؒ (المتوفی ۹۵ھ) کو حق گوئی کی پاداش میں حجاج بن یوسف ظالم نے قابل گردن زدنی قرار دیا تھا وہ جب کہیں روپوش ہوتے اور کسی خطرناک آدمی کے آنے کا خطرہ ہوتا تو مکان یا گھوڑے یا تکیے پر سوار ہو جاتے اور اپنے خادم سے فرماتے۔

قل ان الشیخ قد رکب — تو کہہ بے شک شیخ سوار ہو گئے ہیں۔

مخاطب یہ سمجھتا کہ وہ اپنے جانور پر سوار ہو کر کسی حاجت کے لیے چلے گئے ہیں تو وہ واپس ہو جاتا (عالمگیری ص ۴۲۲ ج ۶ طبع مصر) حالانکہ وہ مکان کے اندر ہی ہوتے اور اس حیلہ اور توریہ سے وہ اپنی جان بچاتے۔

امام قاضیخانؒ فرماتے ہیں کہ

ولو رکب آدمیا ینبغی ان لا یکون حانثا لانه لا یرکب عادة (قاضیخان ص ۳۲۰ ج ۱ طبع نولکشور) — اگر کوئی شخص کسی آدمی پر سوار ہو گیا تو مناسب فتویٰ یہی ہے کہ حانث نہ ہو گا۔ کیونکہ عادۃً انسان پر سواری نہیں کی جاتی۔

حضرت عتبۃؒ بن المغیرۃؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابراہیم نخعیؒ کے پاس جاتے تھے جبکہ وہ حجاج کے مظالم سے خائف تھے جب ہم اُن کے پاس سے واپس ہوتے تو وہ ہمیں یہ فرماتے کہ اگر میرے بارے تم سے سوال کیا گیا اور تمہیں قسم دی گئی تو تم اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہنا کہ ہمیں

ان کے بارے کوئی علم نہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ اب کس جگہ میں ہیں۔

واعنوا انکم لا تدرون ای موضع انا فیہ قائم او قاعد وقد صدقتم — اور تم مراد یہ لینا کہ تم وہ جگہ نہیں جانتے جہاں میں کھڑا یا بیٹھا ہوں اور اس میں تم سچے ہو۔

(اغاثۃ اللہفان من مصائد الشیطان ج۱ ص۳۸۳ طبع مصر)

حافظ ابن القیمؒ نے حیلوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں (۱) جو قربت اور طاعت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل الاعمال میں سے ہے (۲) جائز اور مباح ہے الخ (۳) جو حرام ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کے کسی حق کے ساقط کرنے اور حرام کے حلال کرنے کے لیے ہو (محصلہ اغاثۃ اللہفان ج۱ ص۳۸۴) اور پھر ان اقسام کی قرآن و حدیث کی مثالوں سے وضاحت کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں

فصل۔ اذا عرف ذلک فلا اشکال انہ یجوز للانسان ان یظہر قولاً او فعلاً مقصودہ بہ مقصود صالح وان کان ظاہرہ خلاف ما قصد بہ اذا کانت فیہ مصلحۃ دینیۃ مثل رفع الظلم عن نفسہ او غیرہ او ابطال حیلۃ محرمۃ (اغاثۃ اللہفان ج۱ ص۳۸۸) — فصل۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اس میں کوئی اشکال نہیں کہ انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کوئی ایسا قول یا فعل ظاہر کرے جس سے اس کا کوئی اچھا مقصد ہو جب کہ اس میں کوئی دینی مصلحت ہو مثلاً اپنے نفس یا غیر سے ظلم کا دفع کرنا، حرام حیلہ کو باطل کرنا اگرچہ ظاہری قول و فعل اس کے مقصد کے خلاف ہی ہو۔

جھوٹ کی مذمت: قرآن کریم اور حدیث شریف میں جھوٹ کی جو مذمت آئی ہے وہ محتاج بیان نہیں اور لَعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ ۝ کے قرآنی الفاظ بھی کسی مسلمان سے مخفی نہیں لیکن فقہی طور پر اس کا ثبوت بھی موجود ہے کہ ظالم سے مظلوم کے بچانے کے لیے جھوٹ نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے بلکہ واجب ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت امام نوویؒ رقمطراز ہیں۔

فلا خلاف انه لو قصد ظالم قتل رجل هو عنده مختف وجب عليه الكذب فی انه لا یعلم این هو (شرح مسلم ص۲۲۵ ج۲)

اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کوئی ظالم کسی شخص کو جو کسی کے پاس چھپا ہوا ہے (ناحق) قتل کرنا چاہتا ہے تو جس کے پاس وہ چھپا ہوا ہے اُس پر واجب ہے کہ وہ جھوٹ بولے کہ وہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے؟

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچانے کے لیے بالاتفاق جھوٹ بولنا جائز ہے اور مشہور اصولی حضرت ملا محب اللہ بہاری (المتوفی ۱۱۰۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ

فان الکذب مثلا یجب لعصمة نبی وانقاذ بری عن سفاک (مسلم الثبوت ص۱۵)

بلا شبہ مثلاً نبی اور بے قصور آدمی کے کسی ظالم اور سفاک آدمی سے جان بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔

تذکرۃ الرشید وغیرہ کتابیں اس دور میں لکھی گئی ہیں جس میں جابر برطانیہ کا پورے ہندوستان پر مکمل تسلط تھا اور اس کا ظلم و جور پورے عروج پر تھا۔ اور جہاد ۱۸۵۷ء کے بعد اُس کا جوشِ انتقام اُس کے قابو سے باہر تھا اور اُس کا پارہ خوب چڑھا ہوا تھا اور اپنے خلاف وہ ایک ہلکا سا جملہ بھی سننے کا روادار نہ تھا اور لوگ اپنے گھروں میں رہتے ہوئے اس کے ظلم و جبر سے کانپتے تھے چنانچہ تذکرۃ الرشید ص۷۴ ج۱ ہی میں ہے کہ۔

اتنی بات یقینی ہے کہ اس گھبراہٹ کے زمانہ میں جب کہ عام لوگ بند کواڑوں میں بیٹھے ہوئے کانپتے تھے حضرت امام ربانی اور نیز دیگر حضرات اپنے کاروبار نہایت اطمینان کے ساتھ انجام دیتے اور جس شغل میں اس سے قبل مصروف تھے بدستور ان کاموں میں مشغول رہتے تھے کبھی ذرہ بھر اضطراب نہیں پیدا ہوا اور کسی وقت حبہ برابر تشویش لاحق نہیں ہوئی اور اگر ایسے دور میں بعض حضرات نے توریہ سے کام لیا ہے تو اس میں عقلاً اور نقلاً کیا قباحت ہے؟ غرضیکہ اس موقع پر توریہ کے ایسے الفاظ اکابر علماء دیوبند کے خلاف اس کی شہادت تو نہیں دے رہے کہ انہوں نے انگریز کے خلاف کوئی مجاہدانہ کاروائی نہیں کی اور یہ کہ وہ انگریز کے ہمنوا۔ بہی خواہ نمک خوار اور شکر خور تھے، جیسا کہ مؤلف مذکور اور ان کے ہوشید اکابر

نے یہ باور کر رکھا ہے اور عوام کو اسی کا درس دیتے ہیں اور ان کے خلاف ایسے بے اصل شوشے چھوڑتے اور تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کے درپے ہیں کہ تحریک آزادی اور پاکستان بنانے میں علماء دیوبند کا کوئی حصہ نہیں اور حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔

ہمیں سے رنگِ گلستاں، ہمیں سے رنگِ بہار
ہمیں کو نظمِ گلستاں پہ اختیار نہیں

فریقِ مخالف کے اعلیٰ حضرت کی انگریز دوستی

یہ ایک بالکل روشن حقیقت ہے کہ فریقِ مخالف کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب اور ان کے آباء کا حکومتِ برطانیہ سے گہرا تعلق اور رابطہ تھا۔ ہم یہاں صرف ایک ہی حوالہ عرض کرتے ہیں جو "تاریخ کے زرّین واقعات اپنے کردار کے آئینے میں"۔ سے ماخوذ ہے۔

یہ رسالہ انٹرنیشنل خدام الحرمین مشن برطانیہ ہیڈ آفس گلاسکو، یو۔ کے نے طبع کرایا ہے۔ تاریخ کے زرّین واقعات ص۳ میں ہے: "مولوی احمد رضا خان کے پردادا حافظ کاظم علی خان بریلوی نے حکومت کی پولیٹیکل خدمات انجام دیں۔" (بحوالہ حیاتِ اعلیٰ حضرت مصنفہ ظفر الدین بہاری ص۳ اور اقبال کے ممدوح علماء ص۱۸) اور فاضل بریلوی کی خدمات کا اعتراف کر کے انھیں حکومتِ انگریز کا سچا خیر خواہ خود انگریزوں نے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ فرانسس رابنسن لکھتا ہے: "ان (اعلیٰ حضرت) کا معمول کا طریقِ کار حکومت کی حمایت تھی اور جنگِ عظیم اوّل اور تحریکِ خلافت میں انھوں نے مسلسل حکومت کی حمایت جاری رکھی اور ۱۹۲۱ء میں بریلوی میں ترکِ موالات کے مخالف علماء کی ایک کانفرنس منعقد کی۔ ان کا عوام پر خاطر خواہ اثر تھا لیکن مسلمانوں کے پڑھے لکھے طبقے کی حمایت حاصل نہ تھی۔"

(بحوالہ سیپریٹزم امنگ انڈین مسلم ص۲۴۲، کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۷۴ء)

باب سوم

البیان الحق لحافظ عبدالحق

(سابق مفصل بحث کے بعد ضرورت تو نہیں کہ ہم مزید کچھ عرض کریں لیکن مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے بعض نام نہاد محقق چونکہ تاریخ اور تاریخی حقائق کو بالکل مسخ کرنے کے درپے ہیں اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم عزیزم الحافظ القاری المولوی محمد عبدالحق خان بشیر سلمہ اللہ تعالیٰ کا علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی دینی ملی اور سیاسی خدمات کے سلسلہ میں ایک مفصل تاریخی اور محقق مضمون بھی عرض کر دیں، جو درج ذیل ہے۔ صفدر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم: اما بعد

یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ ہر مکتبِ فکر برصغیر (پاک و ہند) کی جدوجہد آزادی کی تاریخ کا آغاز حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے کرتا ہے اور ہر آزادی پسند طبقہ تحریکِ خلافت بلکہ تحریکِ قیامِ پاکستان تک اپنے آپ کو اسی تحریک کے ساتھ منسلک رکھنا سیاسی طور پر ضروری خیال کرتا ہے۔ مسلم لیگ کا مکتبۂ فکر ہو یا کانگریس کا۔ ہر ایک اپنی جدوجہد کو تحریک بالاکوٹ کی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ تاریخ کا ایک مبتدی طالب علم بھی اس حقیقت سے آشنا ہے کہ معرکۂ بالاکوٹ ۱۸۳۱ء میں پیش آیا۔ جب کہ انڈین نیشنل کانگریس کا قیام ۱۸۸۵ء کو عمل میں آیا۔ اور مسلم لیگ ۱۹۰۶ء کو معرض وجود میں آئی۔ اور

ان دونوں جماعتوں کا بنیادی اختلاف (نظریۂ قومیت) ۱۹۳۰ء کے بعد ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم کے خطبۂ الہ آباد کی تحریک سے منظر عام پر آیا۔ جسے عملی شکل ۱۹۴۰ء میں لاہور کی قرارداد پاکستان کے عنوان سے دی گئی۔ لیکن اس کے باوجود ہر ایک اپنے سیاسی رشتہ کو معرکۂ بالاکوٹ کی تحریک سے منسلک رکھنا ضروری خیال کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے آزادی کا جاندار اور شاندار آغاز ہوتا ہے۔

چنانچہ مسلم لیگی مکتبۂ فکر کے نامور مؤرخ جناب عشرت رحمانی صاحب رقمطراز ہیں کہ

حضرت سید احمد شہیدؒ نے اسی سلسلہ میں سب سے پہلے اس فتنہ کے خطرہ سے آگاہ ہو کر اپنی منظم و باعمل اصلاحی تحریک کا آغاز کیا، ان کے قبضہ میں مال و دولت نہ تھی۔ نہ دنیاوی حکومت پر کچھ اختیار۔ مگر دین کی دولت اور علم و فضل کی ثروت سے مالا مال تھے شجاعت اور ہمت میں بے نظیر اور اولوالعزمی میں لاثانی تھے۔ بے غرض مجاہدین کی ایک جانباز جماعت تھی جس نے شاہ صاحبؒ کی قیادت میں سب سے پہلے غیر مسلم طاقت کے خلاف جدوجہد کا علم بلند کیا۔۔۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے سرفروش مجاہدین کے ساتھ علم کی ہی نہیں عمل کی تلوار بھی اٹھائی، سب سے پہلے پنجاب میں سکھوں کے شر و فساد کو دبانے کے لیے بر سر میدان صف آرا ہوئے۔ لیکن سازشوں اور غداریوں نے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کر دیئے۔ ملت فروش دشمنان وطن نے قوم کی پشت پر خنجر چلائے اور بالاکوٹ کے مقام پر حضرت شاہ سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنے رفقائے ملت کے ساتھ حیرت انگیز جرأت و عزم کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ میں جام شہادت نوش کیا۔ یہ تحریک رُک گئی۔ مگر ختم نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ کوئی وقتی جوش یا کسی تقریر کا عارضی اثر نہ تھا ایک منظم و باعمل خفیہ انقلاب تھا۔ جس کی تہہ میں سیاستِ ملّی کی حقیقی روح کار فرما تھی۔

(سرسید سے قائد اعظم تک ص۲۲ از جناب عشرت رحمانی)

مسلم لیگی مکتبۂ فکر کے ممتاز راہنما جناب چوہدری خلیق الزمان صاحب مرحوم فرماتے ہیں۔

ایک زمانہ میں بالکل غیر مکمل اقتدار حاصل کر کے سید احمد شہیدؒ نے مسلم ہی رقبہ میں حکومت الٰہیہ کی تھوڑی بہت بنیاد ڈالنی چاہی۔ مگر جس طرح اس کو مسلمانوں ہی کے ہاتھوں شکست

ہوئی وہ ایک تاریخی سانحہ ہے۔

(مودودیت ایک عذاب ص۹۵ از چوہدری خلیق الزمان)

نامور شارح اقبالؒ جناب اعجاز الحق قدوسی فرماتے ہیں کہ

حضرت شاہ عبدالعزیز رح کے مریدوں میں جس نے اس برصغیر کو دارالاسلام بنانا چاہا وہ حضرت سید احمد شہیدؒ ہیں۔ وہ اپنے پیر کے فتویٰ کے مطابق ہندوستان کو اسلامی حکومت کے بعد دارالحرب سمجھتے تھے، حق و باطل کی یہ جنگ ۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء کو شروع ہوئی۔ اس جہاد سے ان کی تمنا یہ تھی کہ خدا کا کلمہ سربلند ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا احیاء ہو۔ اور یہ ملک صحیح معنی میں دارالسلام بن جائے، اسی تمنا میں انہوں نے سرحد کو مرکز جہاد بنا کر سکھوں اور انگریزوں سے جنگ کی۔ اگرچہ حضرت سید احمد شہیدؒ ۲۴ ذوالقعدہ (۶ مئی ۱۸۳۱ء) کو بالاکوٹ میں راہِ حق میں شہید ہو گئے۔ بظاہر یہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کی ناکامی تھی: (مگر بعض ناکامیاں کامیابی کا زینہ ہوتی ہیں، بشیر) لیکن ان کا اور ان کے رفقاء کا خون پروان چڑھتا رہا، یہاں تک کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو حضرت قائد اعظم علیہ الرحمۃ کی سرکردگی میں پاکستان کی صورت میں وہ خواب پورا ہوا۔ جو ایک سو سولہ سال قبل سید احمد شہیدؒ نے دیکھا تھا۔

(اقبال اور علمائے پاک و ہند ص۳۴ از اعجاز الحق قدوسی)

ان تینوں مذکورہ حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ مسلم لیگی مکتبۂ فکر کے نزدیک مجاہدین بالاکوٹ نہ صرف یہ کہ شہدائے فی سبیل اللہ تھے بلکہ تحریک پاکستان کی بنیاد انہی شہداء کے مقدس خون پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے حضرت سید احمد شہیدؒ کی عملی جدوجہد پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤرخ جناب شیخ محمد اکرام مرحوم فرماتے ہیں کہ

پشاور ۱۸۳۰ء کے آخر میں فتح ہوا۔ اور شرع کے مطابق مقدمات فیصل کرنے کے لیے مولوی سید مظہر علی صاحب عظیم آبادیؒ پشاور شہر کے قاضی مقرر ہوئے۔ انہوں نے حسب منشائے سید صاحب احکام شریعت نافذ کیے۔ شہر میں بھنگ چرس اور افیون وغیرہ کی دوکانیں بند ہو گئیں۔ شراب کی بھٹیاں اور شراب فروش ناپید ہو گئے۔ کسبیاں اور

فاحشہ عورتیں جو اس شہر میں ہزار ہا تھیں اپنے اپنے گھروں میں چھپ گئیں۔ یا شہر چھوڑ کر فرار ہو گئیں۔ اس کے علاوہ سید صاحبؒ نے بیرونجات میں تحصیل عشر اور انتظام ملک کے لیے جابجا تحصیلدار مقرر کر دیے اور ان قبائل کی معاشرتی اصلاح کے لیے بھی احکام جاری کیے الخ۔ (موج کوثر ص۲۹ از شیخ محمد اکرام)

مجاہدین بالاکوٹ کے اس جہادِ حریت کا اعترافِ حقیقت صرف مسلمان مؤرخین کو ہی نہیں بلکہ ہندو مؤرخین بھی اعترافِ حقیقت پر مجبور و بے بس ہیں۔ چنانچہ ممتاز ہندو مؤرخ ٹیکا رام سخن لکھتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی قوم پرستی اور حب الوطنی کی تاریخ کا آغاز ۱۸۲۴ء سے بھی پہلے سے ہوتا ہے (۱۸۲۱ء میں سیدصاحبؒ مجاہدین کی مختصر سی جماعت کے ساتھ حج پر تشریف لے گئے اور ۱۸۲۴ء میں واپسی ہوئی اور آتے ہی سکھوں سے جہاد شروع کر دیا۔ بشیر) ان دنوں ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کے قریب ایک آزاد علاقہ میں کچھ ہندوستانی مسلمان رہتے تھے۔ لوگ آج بھی انہیں مجاہدین کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ مجاہدین وہ تھے جو غلامی کے جوئے کو اپنے لیے ناقابل برداشت سمجھ کر ہندوستان چھوڑ کر وہاں جا بسے تھے (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے جب ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا تو اس کی عملی جدوجہد کے لیے اپنی سرپرستی اور سیدؒ صاحب کی قیادت میں لشکرِ اسلامی تیار کرنا شروع کیا اور اس لشکر اسلامی کی ترتیب میں جس مجاہد نے سب سے پہلے سیدؒ صاحب کے دستِ حق پرست پر بیعت کی وہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے، حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے بیٹے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ تھے۔ بشیر) یہ مجاہدین ہندوستان سے دور تھے۔ لیکن حب الوطنی کے جذبات سے مامور۔ روز و شب آزادیٔ ہند کے خواہاں جب موقع پاتے برطانوی حکومت کے خلاف کچھ نہ کچھ کر لیتے۔ جو مسلمان وہاں جا ملتے اسے آزادی کا درس دیتے۔

(تحریکِ آزادی ص۲۲ از ٹیکا رام سخن)

حتیٰ کہ ان دونوں (مسلم لیگ و کانگریس) مکاتبِ فکر کے درمیان معلق رہنے والا ایک تیسرا

مکتبۂ فکر غیر مقلدین حضرات جن میں بیشتر حضرات کی مجموعی ہمدردیاں مسلم لیگ و کانگریس کی بجائے اقتدار برطانیہ کے ساتھ وابستہ تھیں ابھی ہے۔ جو اپنا سیاسی اور تاریخی رشتہ تحریک بالاکوٹ سے جوڑنے کی سرتوڑ کوشش میں مصروف ہے۔ جیسا کہ ممتاز غیر مقلد عالم مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم نے تحریک بالاکوٹ کے بارے میں "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" کے عنوان سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور یہی حال مودودی صاحب اور ان کے متبعین کا ہے۔ کیونکہ تمام مکاتب فکر اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ تحریک بالاکوٹ کی بنیادوں سے ہٹ کر کوئی محل آزادی تعمیر کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے ہر مکتبۂ فکر کا دعوٰی ہے کہ شہدائے بالاکوٹ ہمارے ہیں۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ وہ کس کے ہیں؟ کیونکہ اس کی اصلیت و واقعیت زمانہ کی نظروں سے اوجھل نہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہر مکتبۂ فکر اس تحریک (بالاکوٹ) سے منسلک رہنا نہ صرف ضروری بلکہ اپنے لیے باعث سعادت بھی خیال کرتا ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ علماء دیوبند کثرہم اللہ تعالیٰ اس مجاہد گروہ کے پیروکار اور اسی کے ہم مسلک ہیں۔ جیسا کہ کسی بھی موافق اور مخالف پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔

تحریک بالاکوٹ سے وابستہ حضرات، ان کے پیروکاروں اور علماء دیوبند کے بارے میں ڈاکٹر علامہ اقبال وغیرہ کے تاثرات

۱۔ مجدد الف ثانی، عالمگیر اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم نے اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی مگر صوفیاء کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہِ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

(اقبال کا ذہنی ارتقاء ص۹۸ از ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار)

اگر ہم حق پر ہیں تو خدا ہماری حمایت کرے گا۔ اور اگر ہم ناحق پر ہیں تو ہم فنا ہو جائیں گے..... ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت عالمگیر غازیؒ اور شاہ اسمٰعیل دہلویؒ نے یہی کام کیا ہے۔ اور ہمارا مقصد صرف اس سلسلہ کو جاری رکھنے کا ہے۔ لہ کچھ نہیں۔ (مقالاتِ اقبال ص۱۷۹)

۲۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے مغربی ہند کے ملاحدہ کی رد اور اصلاح کے لیے مامور کیا تھا، اور یہ کام انہوں نے نہایت خوبی سے کیا۔ (اقبال کا ذہنی ارتقاء ص۹)

۳۔ اگر مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے بعد ان کے مرتبہ کا ایک مولوی بھی پیدا ہو جاتا تو آج ہندوستان کے مسلمان ایسی ذلت کی زندگی نہ گذارتے۔ (تاریخ اہل حدیث ص۴۲۲)

۴۔ میں مثنوی مولانا روم کی سلسلہ میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا مقلد ہوں۔

(مقالات اقبال ص۱۸۰)

۵۔ معارف میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قبلہ کا ایک خط شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے طرفہ کا ایک مقبول عربی شعر لکھا ہے۔ کیا آپ یہ بتانے کی زحمت گوارا کر سکتے ہیں کہ یہ خط مالٹا سے کون سی تاریخ کو لکھا گیا تھا۔

(مکتوب بنام مولانا سید سلیمان ندوی از اقبال نامہ حصہ اوّل ص۹۵)

۶۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی حمیت دینی کے احترام میں میں اُن کے کسی عقیدتمند سے پیچھے نہیں ہوں۔ (اقبال کا ذہنی ارتقاء ص۲۰۵)

۷۔ اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیریؒ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ (دیکھا ئے بیس بڑے مسلمان ص۳۷۵ از مولانا عبدالرشید ارشد)

مشہور حدیث لا تسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ میں دہر بمعنی TIME کا جو لفظ آیا ہے اس کے متعلق مولوی سید محمد انور شاہ صاحبؒ (کاشمیری) سے جو دنیائے اسلام کے جید ترین محدثین وقت میں سے ہیں میری خط و کتابت ہوئی الخ۔

(صحیفۂ اقبال نمبر حصہ اول ص۲۸۴)

۸۔ علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندویؒ کے کون ہے؟ (اقبال نامہ حصہ اوّل ص۱۶۶)

مولانا شبلیؒ کے بعد آپ (مولانا ندویؒ) استاذ الکل ہیں۔ (اقبال کا ذہنی ارتقاء ص۸۰)

۹۔ میرے دل میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کی بڑی عزت ہے اور ان کی تحریک سے ہمدردی۔

(اقبال نامہ۔ حصہ اوّل ص۱۱)

الحمد للہ کہ اب قادیانی فتنہ پنجاب میں رفتہ رفتہ کم ہو رہا ہے مولانا ابوالکلام آزادؒ نے بھی دو تین مضمون چھپوائے ہیں..... میں بھی تیسرا مضمون انشاء اللہ جلد لکھوں گا۔
(اقبال کا ذہنی ارتقاء ص۱۸۷)

(بعض ناعاقبت اندیش حلقوں کی طرف سے مولانا آزادؒ پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ قادیانی تحریک سے بہت متاثر تھے۔ علامہ اقبالؒ کی یہ تحریر ان کے رد میں ناقابل تردید شہادت ہے۔ بشیر)

۱۰ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہیں۔

(بحوالہ ہفت روزہ چٹان لاہور سالنامہ ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۷)

۱۱ ارباب دیوبند ہوں یا علماء کی کوئی اور جماعت۔ میرے دل میں ان کے جذبۂ آزادی، ان کی انگریز دشمنی اور دین کے لیے غیرت و حمیت کی بڑی قدر ہے۔ (اقبال کے حضور ص۲۹۱)

یہی وجہ ہے کہ جب علامہ اقبال مرحوم سے پوچھا گیا کہ دیوبندی کیا کوئی نیا مذہب ہے؟

فرمایا! نہیں۔ ہر معقول پسند دیندار کا نام دیوبندی ہے۔

(مسلک علماء دیوبند ص۷۸ از مولانا قاری محمد طیبؒ)

رَأَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا

علماء حق کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم کے اِن واضح تاثرات کی وجہ سے شارحین اقبالؒ نے بھی ان علماء حق کے بارے میں جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ بھی قابل قدر ہیں۔ چنانچہ نامور شارح اقبالؒ جناب اعجاز الحق قدوسی فرماتے ہیں۔

۱. وہ علمائے حق جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مردانِ حق آگاہ کو پیدا کیا، جن کا مطمح نظر ایک مکمل اسلامی نظامِ زندگی تھا۔ ان میں سے ایک مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ بھی تھے۔ (اقبال اور علمائے پاک و ہند ص۱۹۲)

۲. لاریب حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دارالعلوم (دیوبند) کی مسند افتاء کی وہ زینت تھے کہ ان کی مثال مشکل سے مل سکے گی۔ (ایضاً ص۲۱۹)

۳. حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے ان مشہور دبااثر علماء میں تھے کہ جن کو تمام دیوبندی مکتبۂ فکر کے علماء خواہ وہ کانگریسی ہوں یا مسلم لیگی سب کے سب انکی شخصیت اور علمی مرتبت کو قابل احترام سمجھتے تھے۔

(ایضاً ص۲۱۶)

۴. یہ آفتابِ علم (حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ) جس کی روشنی نے برصغیر کو اپنے

دینی علوم کی روشنی سے منور و تاباں بنایا۔ وہ بحرِ علم جس نے ہزاروں تشنگانِ علم کو سیراب و فیض یاب کیا۔ وہ گوہرِ شب چراغ جس نے جہل کی تاریکیوں کو علم کی روشنی سے درخشاں کیا۔ یہ جبل علم یہ کوہِ فضل۔ یہ منبع علوم یہ سرچشمہ رشد و ہدایت الخ (ایضاً ص ۲۴۶)

چودھویں صدی ہجری میں صرف ایک شاہ صاحبؒ کی شخصیت ایسی ہے جس کے حفظ پر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا جس کے تبحر علمی پر حافظ ابن تیمیہؒ کا اور حافظ ابن قیمؒ کا جس کے منطق اور فلسفہ پر ملا محب اللہ بہاری اور صدر الدین شیرازی کا جس کے فارسی سخن وری پر خاقانی و انوری کا گمان ہوتا تھا۔ جس کو دیکھ کر علمائے سلف کی تصویر سامنے آتی تھی۔

(ایضاً ص ۲۴۹)

۵ علومِ شریعت کے مہرِ منیر مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ کے فرزند جلیل القدر تھے۔ (ایضاً ص ۲۸۹)

اگرچہ مسلم لیگ میں بہت سے علمائے دین شریک ہو چکے تھے۔ لیکن مسلم لیگی علماء میں جو شخصیت سب سے زیادہ بلند و بالا نظر آتی ہے وہ مشہور مفکر عالمِ دین مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمۃ کی ہے۔ (ایضاً ص ۵۵)

۶ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ان جلیل القدر علماء میں ہیں کہ جن کی رائے سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے خلوص میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ (ایضاً ص ۴۱)

وہ (مولانا مدنیؒ) ہندوستان کی آزادی کے وہ علمبردار تھے۔ جنہوں نے فرنگی استبداد کے ہاتھوں قید و بند کی سخت تکلیفیں برداشت کیں۔ انہیں صرف ایک دھن تھی کہ فرنگی اقتدار ختم ہو اور ہندوستان کو مکمل آزادی ملے۔ (ایضاً ص ۲۸۷)

۷ برصغیر پاک و ہند میں مولانا ابوالکلامؒ (آزاد) کی علمی عظمت سے خواہ ان کا موافق ہو یا مخالف کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔۔۔۔ مولانا نے ایک جید عالم دین ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کی راہنمائی بھی کی اور سیاست کے شہسوار ہونے کی وجہ سے انہوں نے قوم کی سیاسی راہنمائی بھی کی۔ وہ سیاست کے میدان میں پہاڑوں کی طرح جمے رہے۔ انہوں نے کانگریس تحریک اور ترکِ موالات کے زمانہ میں قید و بند فرنگ کی سختیاں جھیلیں،

وہ کانگریس کی صدارت اور پھر وزارت تک پہنچے۔ لیکن متاعِ دنیا میں ان کے پاس مال و دولت تھا اور نہ سرمایہ۔ (ایضاً ص ۳۹)

۸۔ علم و عمل کے آفتاب شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ ۲ رمضان ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۷ء) میں جمعہ کے روز قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ (صوبہ پنجاب) پاکستان میں پیدا ہوئے۔ جو بعد میں پنجاب کے افقِ علمی پر مہرِ درخشاں بن کر چمکے۔ (ایضاً ص ۴)

تاریخ برصغیر کے نامور اسکالر جناب شیخ محمد اکرام مرحوم فرماتے ہیں۔

۱۔ دیوبند کا مدرسہ جس کی مثال ہندوستان میں اسلامی حکومت کے عروج میں مشکل سے ملیگی۔ (موج کوثر ص ۵)

۲۔ لیکن جس دور میں مولانا سید احمدؒ (شہید) شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا محمد قاسمؒ دیوبندی، شبلی نعمانیؒ مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ اور اقبال سرگرم کار رہے ہوں اُسے مذہبی خشک سالی کا زمانہ کیسے کہا جاسکتا ہے؟ (ایضاً ص ۶)

مشہور مؤرخ اور علی گڑھ یونیورسٹی کے استاد جناب خلیق احمد نظامی فرماتے ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کی دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے جو تحریک انیسویں صدی میں شروع ہوئی جس نے بالآخر دیوبند کی شکل اختیار کی، اُن (حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) ہی کے خلفاء و مریدین کی پُرخلوص جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور حاجی محمد عابدؒ اُن کے خلفاء تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ مولانا محمد قاسمؒ کے جانشین تھے۔ ان ہی بزرگوں کی کوششوں سے دینی تعلیم کا چرچا ہوا۔ (تاریخ مشائخ چشت ص ۲۳۳)

۲۔ انیسویں صدی کی تیسری اہم تحریک آزادیٔ وطن کی تھی۔ اس سلسلہ میں خود حاجی (امداد اللہ مہاجر مکیؒ) صاحب اور ان سے منسلکین نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ ہندوستان کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ غدر (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی) کے زمانے میں تھانہ بھون کا انتظام حاجیؒ صاحب نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور خود دیوانی اور فوجداری کے مقدمات فیصل فرماتے تھے۔ آزادیٔ وطن کے جس جذبے نے حاجی صاحبؒ کے قلب و جگر کو گرمایا تھا وہ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ

کے پہلو میں ایک شعلہ بن گیا تھا۔ وہ اور اُن کے رفقاء اور تلامذہ نے ہندوستان سے انگریزی حکومت کا اقتدار ختم کرنے کے لیے جن مصائب کا سامنا کیا، تاریخِ ہند کا کوئی دیانت دار مورخ ان کو بھلا نہ سکے گا۔ (ایضاً ص۲۳۴)

سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ کے ممتاز روحانی راہنما حضرت مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی فرماتے ہیں ۔

۱۔ منجملہ آپ (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) کے خلفاء کے حضرت بقیۃ السلف حجۃ الخلف مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی مسلّم علماء اور صلحاء گزرے ہیں حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء بھی آج کل مقدس بزرگ اور عالم باعمل مانے جاتے ہیں۔ جیسے مولانا حضرت محمود حسنؒ صاحب دیوبندی صدر مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھویؒ صدر مدرس مدرسہ عالیہ سہارنپور۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ الخ

(انوار العاشقین ص۸۷ از مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی)

۲۔ حضرت مکرمی مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ علوم ظاہری اور باطنی کے جامع اس وقت عمدہ خلفائے حاجیؒ صاحب سے ہیں۔ وعظِ مولانا اشرف علیؒ صاحب سے عالم و جاہل دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ روایات صحیحہ اور مضامین عالیہ نہایت آسان عبارت میں بیان فرماتے ہیں۔ بڑے قادر الکلام ہیں۔ زبردست مصنف ہیں۔ صدہا کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ (ایضاً ص۸۷)

ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم اور ان چند دیگر مذکورہ حضرات کے مبنی بر حقیقت تاثرات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ انہیں اس تحریک (بالاکوٹ) اور اس سے (بالواسطہ یا بلا واسطہ) منسلک شخصیات سے کس قدر عقیدت اور قلبی لگاؤ تھا۔

لیکن بدقسمتی سے برصغیر (پاک و ہند) میں ایک طبقہ ایسا بھی موجود ہے جس کی نہ تو کوئی سیاسی تاریخ ہے اور نہ اصلاحی کارنامہ۔ بلکہ اس طبقہ کی ساری زندگی حکمرانوں کی چوکھٹ پہ سجدہ ریزی کر کے انعامات وصول کرتے، جاگیریں حاصل کرتے، بدعات و رسومات (قل، تیجہ، دسواں،

چالیسواں، عرس، گیارہویں وغیرہ) کے نام پر چندے اکٹھے کرتے اور قوم کی جیبیں کاٹتے ہوئے بسر ہوئی ہے۔ اس طبقہ نے (جسے بجا طور پر برصغیر کا سیاسی یتیم کہا جا سکتا ہے) اپنی ان مکروہ اور مذموم حرکات پر پردہ ڈالنے کے لیے مجاہدین آزادی کے خلاف ایک مستقل محاذ قائم کر لیا، تاکہ ان مجاہدین کی بے لوث تاریخ کو بھی داغدار کر دیا جائے۔ یعنی ؎

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے

• پھر بانس بریلی اور اس کی ذیلی شاخوں (پیلی بھیت، بدایوں، حزب الاحناف لاہور وغیرہ) کے تباہ کن توپ خانوں سے اس شدت کے ساتھ تکفیر گولے برسائے گئے کہ برصغیر کا کوئی مذہبی راہنما۔ تحریک آزادی کا کوئی سیاسی پیشوا، ملت اسلامیہ کا کوئی روحانی مقتدا، اور وطن عزیز کا کوئی جانثار مجاہد ان تکفیری گولوں سے محفوظ نہ رہ سکا، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی سے لے کر علامہ اقبال اور قائد اعظم تک وہ کون سا سیاسی و مذہبی راہنما ہے جو ان کے کفر کے فتوی سے بچ سکا ہو؟ خواہ اس کا تعلق مسلم لیگ سے ہو یا کانگریس سے، عرب سے، ہو یا عجم سے۔ حتیٰ کہ اسلام کے بلادِ مقدسہ اور امت مسلمہ کے مراکز اسلامیہ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کے آئمہ کرام بھی ان کے نزدیک دائرۂ اسلام سے خارج ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور یہ شکوہ اس طبقہ سے صرف ارباب دیوبند ہی کو نہیں بلکہ برصغیر کا ہر انصاف پسند راہنما بریلی کے اس تکفیری فتوی پر شکوہ کناں نظر آتا ہے، اسکی ایک ہلکی سی جھلک قارئین کی ضیافت طبع کے لیے پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ مولانا ظفر علیخان مرحوم فرماتے ہیں

۱ کوئی ٹرکی لے گیا کوئی ایراں لے گیا	کوئی دامن لے گیا کوئی گریباں لے گیا
رہ گیا تھا بس فقط باقی اِک نام اسلام کا	وہ بھی ہم سے چھین کر احمد رضا خاں لے گیا
۲ بریلی کے فتوؤں کا سستا ہے بھاؤ	کہ بکتے ہیں کوڑی کے اب تین تین
خدا نے یہ کہہ کر انہیں ڈھیل دی	وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِیْ مَتِيْنٌ

۲۔ ممتاز مسلم لیگی راہنما جناب چوہدری خلیق الزماں خان مرحوم فرماتے ہیں کہ۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی ترکی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اور ترکوں کی امداد کے بھی خلاف تھے۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے کئی فتوے مولانا عبدالباری پر کفر کے بھی صادر فرمائے تھے۔ ظاہر ہے

کہ وہ کسی ایسے استفتاء پر جس میں خلافت کو شریعت اسلامی کا ایک اہم ادارہ تسلیم کیا جائے دستخط نہ کرتے۔

(شاہراہ پاکستان ص۲۳۱ و ص۲۳۲ از چوہدری خلیق الزمان)

تحریک خلافت کے بنیادی محرکات پر بحث کرتے ہوئے چوہدری صاحب فرماتے ہیں کہ

مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرحوم کی جمعیت اسلامی جوش میں آئی اور انہوں نے تقریباً پانچ سو علماء ہند کے فتوے اس بارے میں حاصل کیے کہ خلافت کا ادارہ عین اسلامی شرعی ادارہ ہے۔ جس کے تحفظ کے لیے مسلمانان ہند ہر قربانی کے لیے تیار رہیں۔

(مودودیت ایک عذاب ص۲۷ از چوہدری صاحب)

اس فتویٰ پر دستخط کرنے والے چند علماء کرام کے نام تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

چونکہ اس وقت تک مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، مولانا حسین احمدؒ (مدنی) مولانا عزیر گلؒ (یہ کتابت کی غلطی ہے۔ کیونکہ یہ نام مولانا عزیر گل صاحب دامت فیوضہم کا ہے۔ جو ابھی تک صوبہ سرحد میں سخاکوٹ کے مقام پر بقید حیات ہیں۔ بشیر) اور مولانا ثروت حسینؒ (یہ بھی کتابت کی غلطی ہے۔ کیونکہ یہ مولانا نصرت حسین شہیدؒ کا نام ہے۔ جو اسارت مالٹا کے دوران ہی انتقال فرما گئے۔ اور مالٹا میں ہی مدفون ہیں۔ بشیر) مالٹا میں نظربند تھے کیونکہ وہ خلافت کے تحفظ کے سلسلہ میں حجاز گئے ہوئے تھے۔ جہاں سے انگریزوں نے انہیں گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیا تھا۔ اس لیے ان کے دستخط نہ ہو سکے۔ اسی طرح مولانا عبیداللہ سندھیؒ خلافت کے مسئلہ پر انگریزوں سے مخالفت کی بدولت ہندوستان کو خیرآباد کہہ کر افغانستان جا چکے تھے۔ اس لیے ان کے دستخط بھی نہ ہو سکے

(ایضاً ص۲۸)

اور چوہدری صاحب اس حقیقت کا اعتراف بھی فرماتے ہیں کہ

جمعیۃ علماء ہند کے صف اول کے لوگ تمام کے تمام خلافت کی تحریک میں برابر پیش پیش رہے۔ اور انہوں نے جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ (ایضاً ص۳۰)

لیکن اس کے برعکس خان صاحب بریلوی اور ان کے متبعین نے نہ صرف یہ کہ تحریک خلافت میں حصہ نہیں لیا بلکہ اس کی مخالفت میں اپنی شینری کا پورا زور صرف کر دیا۔ جیسا کہ میاں عبدالرشید صاحب

فرماتے ہیں کہ

جن لوگوں نے میدان میں آکر خلافت۔ ہجرت اور ترکِ موالات جیسی نقصان دہ تحریکوں کی مخالفت کی اور ان کے حامیوں اور لیڈروں کا زور توڑا وہ حضرت احمد رضا خان اور ان کے احباب رفقاء اور عقیدتمندان ہی تھے۔ جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار

(ماہنامہ ضیائے حرم کا اعلیٰ حضرت بریلوی نمبر جنوری ۱۹۸۳ء ص ۸۸)

جمعیۃ علماء ہند کی انگریز دشمنی کا تذکرہ کرتے ہوئے چوہدری خلیق الزمان صاحب فرماتے ہیں کہ

چونکہ جمعیۃ العلماء انگریزی راج کی سخت دشمن تھی۔ اس لیے اس بیان میں (مودودی) نے ان کو بھی جنس کاسہ کہہ ڈالا (مودودیت ایک عذاب ص ۴۹)

مسلم لیگ کے ساتھ جمعیۃ العلماء ہند کے اختلافات کی نوعیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

باوجود ان اختلافات کے (جو جمعیۃ العلماء ہند اور مسلم لیگ کے درمیان تھے۔ بشیر) جمعیۃ العلماء ہند نے دین کے نام سے کبھی مسلم لیگ کی مخالفت نہیں کی (ایضاً ص ۴۹)

جب کہ بریلوی حضرات کی طرف سے نہ صرف مسلم لیگی راہنماؤں بلکہ مسلم لیگ کے خلاف بھی من حیث الجماعت بکثرت فتوے جاری کیے گئے۔ چند فتوے ملاحظہ فرمایئے۔

۱ لیگ میں مرتدین منکرین ضروریات دین شامل ہیں۔ اس لیے اہلسنت والجماعت کا ان سے اتفاق و اتحاد نہیں ہو سکتا۔

۲ لیگ کے لیڈروں کو راہنما سمجھنا یا ان پر اعتبار کرنا منافقین و مرتدین کو راہنما بنانا اور ان پر اعتبار کرنا ہے۔

۳ لیگ کی حمایت کرنا۔ اور اس میں چندے دینا۔ اس کا ممبر بننا اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا منافقین و مرتدین کی جماعت کو فروغ دینا اور دینِ اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا ہے

۴ وہ لوگ جو ساڑھے تیرہ سو برس والے اصلی سچے مذہب اہلسنت پر قائم ہیں وہ اس مسلم لیگ کی شرکت و ممبری کیونکر روا رکھ سکتے ہیں۔

۵ اگر رافضی کی تعریف حلال اور جارح کو اس کا اہل سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مرتد ہو گیا۔ اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس سے کلی مقاطعہ

کریں، یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔

یہ چند فتوے صرف بریلوی حضرات کے جید اور ممتاز راہنما مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب کے صاحبزادے اور مولانا محمود احمد صاحب رضوی موجودہ ناظم حزب الاحناف لاہور کے والد محترم مولانا ابوالبرکات سید احمد صاحب کے ایک طویل فتوے سے نقل کیے گئے ہیں جو الجوابات السنیہ کے آخر میں دیا گیا ہے۔

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمایئے۔

۱ الجوابات السنیۃ علیٰ زھاء السؤالات اللیگیہ

جسے سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی نے تحریر کیا اور سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی بریلوی حضرات کے شیر بیشۂ سنت مولوی حشمت علی قادری اور ابوالبرکات سید عبدالقادر قادری کے فتوے بھی اس میں شامل ہیں۔ جس کے ٹائیٹل پر یہ عبارت واضح طور پر موجود ہے کہ مسلم لیگ کی کفر نوازیوں اور کانگریس کی ستم شعاریوں سے بچانے والا۔

۲ مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری۔

جسے ۱۳۵۸ھ بمطابق ۱۹۳۹ء کو بریلوی حضرات کے جید عالم مولانا اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہری نے تحریر کیا۔ اور مولوی حشمت علی قادری۔ مولوی عبدالقادر قادری۔ مولوی احمد میاں قادری۔ مولوی شاہ محمد قادری لکھنوی۔ حکیم آل مصطفیٰ قادری مولوی غلام جیلانی قادری۔ مولوی ضیاء الحق پیلی بھیتی وغیرہم جید علماء بریلویہ نے اسکی تائید و تصدیق کی ہے۔ اس کے ٹائیٹل پر یہ عبارت رسالہ کی حقیقت کو واضح کر رہی ہے یہ مبارک فتویٰ جس میں مسلمانوں کے مصائب حاضرہ کے سچے صحیح اور بعونہٖ تعالیٰ یقیناً نافع و کامیاب علاج کا نفیس بیان اور بدمذہبوں۔ بیدینوں کی معجون مرکب لیگ کی بطالتوں اور ہلاکتوں کا شرعی نقطۂ نظر سے واضح تبیان ہے۔

۳ احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ۔

جسے بریلوی حضرات کے شیر بیشۂ اہل سنت مولوی حشمت علی قادری نے تحریر کیا اور

مفتی سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری مارہری اور حکیم سید شاہ آل مصطفےٰ قادری مارہری نے اس کی تائید و تصدیق کی۔ اس کے ٹائیٹل کی عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

یہ مختصر رسالہ ... مسلم لیگ کے مقاصد اساسیہ اور اس کی کاروائیوں میں جو شرعی خرابیاں ہیں ان کا روشن بیان سنانے والا سچی حقیقی کامیابی و ترقی کا راستہ دکھلانے والا مسلم لیگ کو مذہب اہل سنت واقتدائے احکام شریعت کی طرف بلانے والا۔ اس رسالہ کا قابل ذکر فتویٰ ملاحظہ فرمایئے۔

اگر لیگی لیڈران سچے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکا دینا نہیں چاہتے، تو وہ ظفر علی خان۔ نواب اسماعیل خان۔ سر سکندر حیات خان۔ مسٹر فضل الحق۔ مولوی عبدالحامد۔ مولوی قطب الدین عبدالولی صاحبان وغیرہم ذمہ دار لیگیوں سے ہیں اس کی تحریر لے دیں کہ لیگی لیڈران مسٹر جناح کو ایک کافر بیرسٹر سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے۔ (ص۲۹)

۴۔ تجانب اہل السنۃ عن اہل الفتنۃ:۔

جسے مولوی ابوالطاہر محمد طیب قادری داناپوری فاضل حزب الاحناف لاہور نے مرتب کیا اور جس پر مفتی سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری مارہری۔ حکیم آل مصطفےٰ قادری مفتی ضیاء الدین پیلی بھیتی، مولوی محمد حشمت علی خاں قادری اور ارکین جماعت اہل سنت پیلی بھیت کی تائید و تصدیق موجود ہے۔ چار سو اسی (۴۸۰) صفحات پر مشتمل یہ کتاب کفری فتووں کا ایک ذخیرہ ہے۔ چند فتوے آپ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

۱۔ مرتد تھانوی نے یہ کفر بکا ص۲ ۔ ۲۔ مرتد نانوتوی نے اپنی ملعون کتاب الخ ص۱۵

۳۔ مرتد ابوالکلام آزاد نے اپنی ملعون کتاب ترجمان القرآن الخ ص۸۹

۴۔ مرتد گنگوہی نے اپنے امام بدلگام کے کفر پر پردہ ڈالنے کے لیے الخ (ص۱۰۴)

۵۔ یہ چاروں مقاصد لیگیہ مشتمل بر محرمات و خباثات و شناعات بلکہ منجر بأشد ضلالات وکفریات ہیں (ص۱۱۲)

۶۔ لیگ کے اکثر لیڈران عام طور پر علی الاعلان کفریات بکتے پھرتے ہیں اور ضروریات دینیہ کا انکار کرنے میں انہیں کوئی باک نہیں۔ (ص۱۱۸)

۷۔ بحکم شریعت مسٹر جینا کے کافر مرتد ہونے کے لیے اس کا اثنا عشری رافضی ہونا ہی بس ہے (ص۱۱۹)

۸۔ بحکم شریعت مسٹر جینا اپنے ان عقائد کفریہ قطعیہ یقینیہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ (ص۱۲۲)

۹۔ ایک دوسرے مرتد بلکہ اخبث الکفار و انجس المرتدین عبدالماجد بی اے۔ دریا آبادی الخ (ص۱۲۵)

۱۰۔ خواجگی کے دعویدار، کفر کی تبلیغ کے ٹھیکیدار۔ اسلام کی مخالفت کے علمبردار کرشن کنہیا کے امتی۔ مسٹر جٹا دھاری خواجہ حسن نظامی دہلوی۔ (ص۱۳۹)

۱۱۔ فرقہ احرار اشرار بھی فرقہ نیچریہ کی ایک شاخ ہے۔ اس ناپاک فرقہ کے بڑے بڑے مکلبین یہ ہیں امام الخوارج مبلغ وہابیہ ایڈیٹر النجم عبدالشکور کاکوروی۔ صدر مدرسہ دیوبند حسین احمد اجودھیا باشی۔ شبیر احمد دیوبندی۔ عطاء اللہ شاہ بخاری، حبیب الرحمٰن لدھیانوی، احمد سعید دہلوی۔ نائی عن الاسلام کفایت اللہ شاہ جہان پوری۔ عبدالغفار خان سرحدی گاندھی۔ اس فرقہ کا سرغنہ مسٹر ابوالکلام آزاد ہے جو امام الاحرار کہلاتا ہے۔ (ص۱۶۰)

۱۲۔ مرتد عبدالشکور ایڈیٹر النجم خارجی کاکوروی کے عقائد خبیثہ الخ (ص۱۶۰)

۱۳۔ پیر نیچر کے قوت بازو نواب محسن الملک۔ (ص۱۸۷)

۱۴۔ مرتد مرتضیٰ حسن دربھنگی (چاندپوری) (ص۲۳۷)

۱۵۔ مرتد ثناء اللہ امرتسری سرغنہ غیر مقلدین۔ (ص۲۴۷)

۱۶۔ (سعودی عرب کی) حکومت ملعونہ الخ (ص۲۶۸)

۱۷۔ شبلی اعظم گڑھی کی نیچریت و دہریت اس کی کتابوں سیرت النبی والفاروق و سیرۃ النعمان میں اپنے زندیقی ــــــ کرشموں کی بہار اور الحادی جوبنوں کا ابھار دکھا رہی ہے (ص۲۸۹)

۱۸۔ فلسفی نیچریت ڈاکٹر اقبال صاحب نے اپنی فارسی و اردو نظموں میں دہریت اور الحاد کا زبردست پروپگنڈہ کیا ہے۔ (ص۳۳۴)

۱۹۔ ڈاکٹر صاحب کی زبان پہ ابلیس بول رہا ہے۔ (ص۳۴۰)

۲۰۔ شاعر نیچریت الطاف حسین حالی (ص۳۱۷)

یہ نمونے از خروارے کے طور پر چند حوالے نقل کیے گئے ہیں۔ ورنہ پوری کتاب ہی اس قسم کے

بے لاگ فتوؤں کا مجموعہ ہے۔

(۵) قہر القادر علی الکفار اللیاڈر۔

یہ بھی مصنفِ تجانب اہل السنۃ مولوی ابو الطاہر محمد طیب داناپوری کی تالیف ہے۔ اڑتالیس[۴۸] صفحات پر مشتمل یہ رسالہ بانیٔ خاکسار تحریک علامہ عنایت اللہ المشرقی کے خلاف لکھا گیا ہے۔ مگر مندرجہ ذیل دو حوالوں سے قارئین اس کی اصلیت کا بخوبی اندازہ کر سکیں گے۔

۱۔ دین فروش و دنیا خر مولوی نما لیڈروں میں اسماعیل دہلوی۔ نذیر حسین دہلوی، سر سید احمد خاں کولی علی گڑھی۔ قاسم نانوتوی۔ رشید احمد گنگوہی آنجہانیاں اور ایں جہانیاں میں اشرف علی تھانوی۔ حسین احمد اجودھیا باشی، عطاء اللہ بخاری۔ ابو الکلام آزاد، محمد علی جینا (حیرت ہے کہ جناح بے چارے کو بھی مولوی نما لیڈروں میں شامل کر دیا گیا ہے۔ بشیر) عنایت اللہ مشرقی، عبد الشکور کاکوروی مبلغ وہابیہ امام الخوارج وغیرہم مشہور و معروف ہیں۔ نیز حسن نظامی و شبیر احمد دیوبندی و کفایت اللہ شاہجہان پوری و احمد سعید دہلوی ڈاکٹر اقبال (یہ بھی ان کے مولوی نما لیڈر ہیں۔ بشیر) عبد الماجد دریاآبادی۔ محمد علی جوہر، عبد الغفار سرحدی گاندھی (یہ بھی ان کے مولوی نما لیڈر ہیں۔ بشیر) (ص۷)

۲۔ پیر نیچر (سر سید) نے اپنے نورتن بنا رکھے تھے جو پیر نیچر کے وزیران نیچریت اور مشیران دہریت اور مبلغین زندیقیت تھے۔ جن کے نام یہ ہیں نواب محسن الملک مہدی علی خان۔ نواب اعظم یار جنگ، مولوی چراغ علی خاں۔ نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین، مولوی الطاف حسین حالی، شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ۔ مولوی مہدی حسن۔ سید محمود خان، شبلی نعمانی اعظم گڑھی۔ ڈپٹی نذیر احمد خان دہلوی (حاشیہ ص۷)

(۶) الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاشرہ۔

یہ رسالہ خان صاحب بریلوی نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے خلاف تحریر کیا تھا جسے ۱۹۴۲ء میں (یعنی اس وقت جب کہ مسلم لیگ قیام پاکستان کے لیے فیصلہ کن جدوجہد کا آغاز کر چکی تھی۔ بشیر) آل انڈیا مسلم لیگ کے خلاف شائع کر دیا گیا اور اس میں یہ فتویٰ دیا گیا کہ

لا تؤاکلوھم ولا تشاربوھم ولا تجالسوھم ولا تناکحوھم

واذا امرضوا فلا تعودوھم واذا ماتوا فلا تشھدوھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم۔ ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ۔ ان کے ساتھ پانی نہ پیو۔ ان کے پاس نہ بیٹھو۔ ان سے رشتہ نہ کرو۔ وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ۔ مر جائیں تو جنازہ پر نہ جاؤ۔ نہ ان کی نماز پڑھو۔ نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو (ص۲)

نیز رسالہ کے ٹائیٹل پر یہ عبارت صاف طور پر مذکور ہے کہ

جس سے (یعنی جو دلائل رسالہ مذکور میں دیئے گئے ہیں۔ بشیر) مسلم لیگ کی شرکت و رکنیت و امداد و اعانت کا حکم شرعی بھی واضح و آشکار

اس رسالہ پر ۱ مولوی مصطفیٰ رضا خان بریلوی ۲ مولوی حامد رضا خاں بریلوی ۳ مولوی امجد علی اعظمی، ۴ مفتی نعیم الدین مراد آبادی ۵ مولوی سید دیدار علی شاہ الوری ۶ مولوی عبد العلیم صدیقی میرٹھی (شاہ احمد نورانی صاحب کے والد) وغیرہ تقریباً اسی جید بریلوی علماء کے دستخط ہیں۔

ان تاریخی حقائق سے اگرچہ بریلوی حضرات کو تکلیف ہوگی۔ مگر ان پر پردہ ڈالنا بھی تاریخ پر بہت بڑا ظلم ہے۔ گو وہ یہ کہیں گے ؂

نہ چھیڑ اے ہمنشیں اب زیست کے مایوس نغموں کو
کہ اب بربط کے تاروں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے

۳۔ جناب عبد المجید سالک مرحوم فرماتے ہیں کہ

سلطان ابن سعودؒ کی تطہیر حجاز کے غلغلہ نے ہندوستان میں مسلمانوں کو دو مذہبی کیمپوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔۔۔ علامہ اقبالؒ سلطان ابن سعودؒ کی حمایت میں بیان دے چکے تھے اور بدعتی علماء ان کے خلاف خار کھائے بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک خوش طبع نوجوان کو دل لگی سوجھی۔ ایک نے ایک استفتاء مرتب کر کے مولانا ابو محمد سید دیدار علی شاہ صاحب خطیب مسجد وزیر خان (لاہور) کو بھیج دیا۔ یہ صاحب اپنے شوق تکفیر کے لیے بے حد مشہور تھے۔ چنانچہ متعدد اکابر مسلمین کو کافر بنا چکے تھے، چنانچہ استفتاء کے جواب میں مولانا دیدار علی صاحب فرماتے ہیں۔

جب تک ان کفریات سے قائل (علامہ اقبالؒ) توبہ نہ کرے اس سے ملنا جلنا

تمام مسلمان ترک کر دیں۔ ورنہ سخت گنہگار ہوں گے

(ذکر اقبال ص۱۲۹ و سرگزشت اقبال ص۱۶۱)

یاد رہے کہ مولوی دیدار علی صاحب خان صاحب بریلوی کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں۔ اور بریلوی حضرات کے امام المحدثین ہیں۔

(ملاحظہ ہو تذکرہ اکابر اہلسنت جلد اوّل ص۱۴۰ از عبدالحکیم شرف قادری)

اگرچہ مولوی دیدار علی شاہ صاحب بریلوی حضرات کے ہاں بڑے مولوی اور خادم دین سمجھے جاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ؎

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

۴۔ مشہور مؤرخ جناب شیخ محمد اکرام مرحوم فرماتے ہیں کہ

بعض بریلوی (بلکہ آجکل کے تمام بریلوی۔ ناشر) تو شاہ اسماعیل شہیدؒ جیسی ہستیوں کو بھی کافر کہنے یا کم از کم ان کی تصانیف اور ان کے ارشادات پر سخت اعتراضات اور اظہار نفرت کرنے میں بھی تامل نہیں کرتے۔ (موج کوثر ص۷۰)

۵۔ مولانا حکیم عبدالحیؒ لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ

(مولانا احمد رضا خان بریلوی) بہت جھگڑالو۔ اپنی ذات اور علم پر بہت گھمنڈ کرنے والے، اپنے معاصرین و مخالفین کی باتوں کو بہت کم ماننے والے۔ دشمنی اور خصومت میں بہت ہی سخت، ہر اصلاحی تحریک کے پیچھے پڑ جانے والے۔ اور بھیانک چھوڑنے والے۔ تکفیر مسلم میں بہت ہی عجلت پسند، زمانہ اخیر میں انہوں نے دیارِ ہند میں تکفیر و تفریق کا علم بلند کیا۔ (نزہتہ الخواطر جلد ہشتم ص۳۹)

(یہ کتاب عربی میں ہے یہاں صرف ترجمہ پر ہی بوجہ خوفِ طوالت اکتفاء کی گئی ہے (ناشر)

۶۔ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادیؒ فرماتے ہیں۔

یاد رہے مولانا احمد رضا خان صاحب (بریلوی) اپنے اور اپنے معتقدوں کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل و ابولہب سے بھی بڑھ کر کافر سمجھتے تھے

(ذکر آزاد ص۱۲۱)

۷۔ جناب رئیس احمد ندوی فرماتے ہیں کہ

مولانا احمد رضا خان صاحب نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے خلاف ۲۷ وجوہ پر مشتمل کفر کا فتویٰ دیا جس میں ایک وجہ یہ تھی کہ اُن کا نام عبدالباری تھا۔ اور لوگ انہیں باری میاں کہتے تھے۔ اگر اُن کا نام عبداللہ ہوتا تو لوگ انہیں اللہ میاں کہتے۔ لہذا (مولانا عبدالباری) کافر۔ (آزادیٔ ہند ص۱۴۹ از رئیس احمد ندوی)

غور فرمائیں کہ تعصب اور شوقِ تکفیر میں لوگوں کے باری میاں کہنے سے مولانا عبدالباری کافر ہوگئے، سبحان اللہ تعالےٰ۔ بھلا اُن کا اس میں کیا قصور تھا؟ مگر یہ نہ پوچھئے۔ عمر بھر اس کا صحیح جواب خان صاحب کی عقل اور علم پر نوحہ خوانی کے بغیر اور کچھ نہیں ؎

غزل میں دردِ رنگین تو نے اصغر بھر دیا ایسا　　کہ اس میدان میں روتے رہیں گے نوحہ خواں برسوں

۸۔ مولانا شبلی نعمانی مرحوم فرماتے ہیں۔

اک مولوی صاحب سے کہا میں نے کہ کیا آپ　　کچھ حالتِ یورپ سے خبردار نہیں ہیں؟
آمادۂ اسلام ہیں لندن میں ہزاروں　　ہر چند ابھی مائلِ اظہار نہیں ہیں
افسوس مگر یہ ہے کہ واعظ نہیں پیدا　　یا ہیں تو بقول آپ کے دیندار نہیں ہیں
کیا آپ کے زمرہ میں کسی کو نہیں یہ درد　　کیا آپ بھی اس کے لیے تیار نہیں ہیں؟
جھنجھلا کے کہا یہ کہ یہ کیا سوءِ ادب ہے　　کہتے ہو وہ باتیں جو سزاوار نہیں ہیں
کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بے کار نہیں ہیں

(بحوالہ چٹان ۳ دسمبر ۱۹۶۲ء۔ شمارہ ۴۹)

۹۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؒ فرماتے ہیں۔

ایسے زمانے بہت کم ہیں کہ جب علماء کا کوئی طبقہ ایسا موجود نہ ہو جو مسلمانوں کو کافر بنائے، لیکن ہمارے ہندوستان کے مولویوں کے اس طبقہ نے جس کا دارالصدر بریلی شریف ہے اس سلسلہ میں خاص نام پیدا کیا ہے۔ شغلِ کفر ہی اُن کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ مسلمان مریں یا جئیں۔ اُن کی حالت تباہ ہو یا برباد۔ اُن کے لیے ایک اور صرف ایک کام

ہے یعنی اچھے خاصے مسلمانوں کو کافر بنانا۔ اس صنعت کفر سازی میں خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ جدت بھی یقیناً قابل تعریف ہے کہ تو کافر۔ تجھے کافر نہ سمجھنے والا کافر۔ تیری بیوی پر طلاق۔ تجھے کافر نہ سمجھنے والے کی بیوی پر طلاق غنیمت ہے کہ ابھی تک سلسلہ اس سے آگے نہیں بڑھا۔ اگر طبع رسا زیادہ جولانیاں دکھانے لگے تو خدا معلوم سوائے کافر بنانے والے مولانا کے اور کوئی مسلمان رہے گا بھی یا نہیں۔

یہ تو کچھ مشکل ہی نہیں کہ تو کافر۔ تیری اولاد کافر۔ تیری اولاد کی اولاد کافر۔ تیری بیوی پر طلاق، تیری اولاد کی بیویوں پر طلاق وغیرہ وغیرہ الخ (بحوالہ بریلوی فتوے ص۱۶۱)

ملاحظہ فرمایئے کہ علماء حق کی زندگیاں قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی نشرواشاعت اور انگریز کے خلاف جہاد میں گذریں۔ مگر خانصاحب اور ان کی ذریت نے ان پر کفر کے گولے برسائے۔ آہ ۔

وفاؤں کے بدلے جفا کر رہے ہیں   میں کیا کر رہا ہوں وہ کیا کر رہے ہیں

۱۰۔ مولانا معین الدین اجمیریؒ فرماتے ہیں کہ

اس قدر گذارش حقیقت حال روشن کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت کی خاص الخاص مشیزیوں سے انصاف کی توقع اس لیے نہیں کہ ان کو اعلیٰ حضرت کی ذات سے منافع ربوی (گیارہویں، قل، عرس، برسی وغیرہ بدعات کے ذریعہ سے۔ بشیر) حاصل ہیں۔ جن پر ان کا کارخانۂ زندگی چل رہا ہے۔ اس لیے وہ دنیا کے قدرشناس عقل وعلم سے پاک ومقدس ہستیاں ہر ایک قسم کے تخاطب سے آزادی بخشنے کے لائق ہیں۔ (تجلیات انوار المعین ص۶۰)

چونکہ مولانا معین الدین۔ اجمیریؒ بذات خود تحریک آزادی کے سرگرم مجاہد تھے اور علماء دیوبند کے ساتھ مل کر جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم پر انہوں نے آزادی وطن کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ اس لیے وہ علماء دیوبند کی تکفیر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کے ساتھ انتہائی عزت واحترام سے پیش آتے تھے چنانچہ

مولانا (اجمیریؒ) کا سیاسی مسلک تحریک خلافت سے لیکر آخر وقت تک ایک ہی رہا۔ غیر ملکی حکومت کا خاتمہ اور استخلاص وطن کی جدوجہد میں تمام اقوام ہندوستان

سے اشتراکِ عمل، مجلس احرارِ اسلام، جمعیۃ علماء ہند، آل انڈیا خلافت کمیٹی۔ انڈین نیشنل کانگریس ہر آزادی پسند جماعت کے رکن رکین تھے۔ صوبائی و مرکزی صدر و ڈکیٹر رہے

(باغی ہندوستان ص۲۱۴)

آزادیٔ وطن کے لیے مولانا اجمیریؒ کا مجاہدانہ کردار اور علماء دیوبند کے ساتھ ان کے مخلصانہ روابط خانصاحب بریلوی کے صاحبزادہ مولوی حامد رضا خان بریلوی کو سخت ناگوار گزرے۔ ان کی رگِ تکفیر پھڑکی اور مولانا اجمیریؒ کے خلاف ایک رسالہ لکھ مارا۔ چنانچہ اس رسالہ میں چھوٹے میاں یعنی چھوٹے حضرت نے جو گل کھلائے، وہ پڑھ کر بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے کہ بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔

چھوٹے حضرت رقمطراز ہیں کہ

القول الاظہر سے ظاہر و مترشح ہے کہ اس کے مصنف (مولانا اجمیریؒ) کے نزدیک صدر درجہ کے مفسدین فی الدین گنگوہی و تھانوی، نانوتوی و دیوبندی مرتدین مسلمان ہیں۔

(اعلی انوار رضا ص۱۳ بحوالہ بریلوی فتوے ص۱۸۰)

اور جب مولانا اجمیریؒ کے نزدیک یہ حضرات علماء دیوبند مسلمان ہیں تو خانصاحب بریلوی کے ان حضرات کے بارے میں من شك فی کفرهم وعذابهم فقد کفر کے بے لگام فتوے کے مطابق مولانا اجمیریؒ اس فتویٰ کفر سے کیونکر محفوظ رہ سکتے ہیں؟

لیکن اس بحث کا فیصلہ کن موڑ وہ ہے۔ جہاں خواجہ قمر الدین سیالوی صاحب نے اپنے استاد محترم مولانا معین الدین اجمیریؒ کے بارے میں اپنی عقیدت و محبت کا اظہار یوں فرمایا کہ۔

مولانا احمد رضا خان صاحب کا عشق رسول بجا، مگر میں بلحاظ علم و فضل انہیں اپنے استاد علامہ معین الدین اجمیریؒ کے برابر نہیں سمجھتا۔

(حکایات مہر و وفا ص۲۳ از سید نفیس الحسینی صاحب)

اور علماء دیوبند کے بارے میں خواجہ صاحب کے تاثرات یہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

مولانا انور شاہؒ صاحب (کاشمیری) کا حافظہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ (ایضاً ص۲۳)

میں علماء دیوبند کی تکفیر سے بری ہوں۔ (ص ۲۳ ایضاً)
مولانا محمود حسنؒ (دیوبندی) بہت بڑے محدث تھے۔ (ایضاً ص ۲۳)
نیز ایک دوسرے مقام پر اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ
میں نے تحذیر الناس کو دیکھا۔ میں مولانا محمد قاسمؒ صاحب (نانوتوی) کو اعلیٰ درجہ کا مسلمان سمجھتا ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے۔ خاتم النبیین کے معنیٰ بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا کا دماغ پہنچا ہے۔ وہاں تک معترض کی سمجھ نہیں گئی۔ قضیہ فرضیہ کو قضیہ واقعیہ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے۔
(ڈھول کی آواز ص ۱۱۶ از مولانا کامل الدین رتوکالوی)

۱۱۔ مولانا محی الدین اجمیریؒ فرماتے ہیں کہ
اعلیٰ حضرت کی مشینری اطراف ہندوستان میں حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے ہیں اعلیٰ حضرت کے احکام کی جابجا تبلیغ واشاعت ان کا کام ہے۔ یہ لوگ گو خود علم سے محض ناآشنا ہوتے ہیں۔ جن کا مبلغ علم کل یہ ہوتا ہے کہ اعلحضرت کے اردو رسالے اس طرح پڑھ دیں کہ فی سطر کم از کم دس غلطیاں ضرور کر جائیں۔ لیکن علماء ربانیین کی تکفیر وتوہین ان کا شعار اور ان کی تضلیل وتفسیق ان کا وِرد ہے۔ جس سرزمین میں جہالت عروج پر ہوتی ہے۔ وہاں ان کے قدم خوب جمتے ہیں۔ اور جس خطۂ پاک میں علمی چرچا ہوتا ہے اس طرف اولاً تو یہ حضرات رُخ نہیں کرتے کیونکہ گو علم سے واقف نہ سہی لیکن اپنی حقیقت سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ اور اگر غلطی سے وہاں پہنچ جاتے ہیں تو اپنے واہی تباہی مضامین کے باعث تمغۂ شہر بدری مزید حاصل کر لیتے ہیں۔ (تجلیات انوار المعین ص ۲ حاشیہ) رَأَيْتُ اَحَدَعَشَرَ کَوْکَباً

ان مذکورہ حضرات کے خانصاحب بریلوی اور ان کے متبعین سے شکوہ وشکایات کی حقیقت مزید واضح کرنے کے لیے طبقہ بریلویہ کے چند فتوے نقل کیے جاتے ہیں تاکہ اس طبقہ کی اصلیت اور اس بات کی حقیقت قارئین کے سامنے واضح ہو جائے کہ یہ مذکورہ حضرات خان صاحب بریلوی اور ان کی مشینری سے اس قدر بیزار کیوں ہیں؟

۱۔ مولوی محمد عمر صاحب اچھروی لکھتے ہیں۔

باپ کی صحبت نے شاہ (ولی اللہ) صاحب کو رنگا۔ اور حرمین شریفین تک رسائی کرادی۔ جس کے متعلق آپنے کئی کتابیں لکھیں۔ دیکھئے فیوض الحرمین وغیرہ نجدی کی صحبت ملی تو رسائی بھی گئی اور رنگ بھی جاتا رہا۔ جب واپس پہنچے تو حالت دگرگوں ہو چکی تھی۔ اور اپنے والد ماجد کا عطیہ ولایت بھی کھو چکے تھے۔ حتیٰ کہ والد ماجد کے سلجھے ہوئے مریدین نے جب ہتک آمیز کلمات بزرگوں کی شان میں سُنے تو دست افسوس ملتے ملتے علیحدہ ہو گئے ... دہلی میں ایک شور برپا ہو گیا کہ ولی اللہ وہابی ہو چکا ہے۔ چنانچہ حیات طیبہ کے صـ۱۲ پہ درج ہے کہ تمام علماء اسلام نے متفقہ طور پر فتویٰ کفر صادر کیے تو شاہ صاحب کا جدی و علمی وقار صباً منثوراً ہو گیا۔ شاہ صاحب نے اپنے نئے مذہب وہابیت کی اشاعت کے واسطے اپنے خاندانی مذہب حنفی کے نام کو بدل کر محمدی رکھ لیا۔ (مقیاس حنفیت صـ۵۰۶)

اب تاریخ سے ہمارا یہ سوال ہے کہ وہ علماء اسلام کون تھے؟ جنہوں نے شاہ ولی اللہ پہ فتویٰ کفر دیا تھا۔ تاریخ کے اوراق ان رازوں کی نقاب کشائی کرتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ پر سب سے پہلے کفر کا فتوےٰ دینے والے اور خاندان ولی اللّٰہی کے سب سے پہلے مخالف مولوی فضل رسول بدایونی تھے۔ جنہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ

شاہ ولی اللہ صاحب نے جو کچھ لکھا وہ اہلسنت کے خلاف ہے۔

(بحوالہ شاہ اسماعیل شہیدؒ صـ۱۳ از علامہ خالد محمود)

حضرت شاہ ولی اللہ کے خاندان کی مخالفت کی بنیادی وجہ یہی تھی جو مفتی نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ۔

شاہ ولی اللہ کے خاندان کا ہندوستان کے طول وعرض میں کافی اثر تھا۔ مسلمان اس خاندان کے ارادتمند و معتقد تھے۔ (الطیب البیان صـ۹)

خاندانِ ولی اللّٰہی کے اس اثر اور ان کی ملک گیر شہرت سے انگریز خائف تھے کیونکہ وہ اس خاندان کے افراد کے علمی ذوق اور عملی جدوجہد سے بخوبی اندازہ کر چکے تھے کہ آزادیٔ حریت

کی کوئی بھی تحریک اسی خاندان کی تعلیم و تربیت کے زیر اثر ہوگی۔ لہٰذا ایسے حالات پیدا ہونے سے پہلے جس طرح بھی بن آئے محدثین دہلی کے مرکزی کردار کو ختم کیا جائے۔ اور مسلمان جس طرح سیاسی طور پر طوائف الملوکی کا شکار ہیں۔ دینی طور پر مختلف گروہوں میں بٹ جائیں۔ اس مقصد کے لیے مولوی فضل رسول بدایونی جیسے علماء سو خریدے گئے۔ چنانچہ مولوی فضل رسول صاحب کا ایک طرف علمی مقام و مرتبہ تو یہ ہے کہ انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ

عبادت کے لیے بت بنانا کفر نہیں۔ (بحوالہ شاہ اسماعیل شہید ص۱۵)

اور دوسری طرف سیاسی طور پہ خاندان ولی اللہ کی مخالفت کا انہوں نے پورا پورا معاوضہ وصول کیا۔ چنانچہ ان کے سوانح نگار جناب یعقوب حسینی صاحب بدایونی فرماتے ہیں کہ

آپ (مولوی فضل رسول بدایونی) سرکار انگریز کے ملازم تھے آپ کو انگریزوں کے زیر اثر بعض دیسی ریاستوں سے کچھ وظائف بھی ملتے تھے۔

(اکمل التاریخ ص ۳۷/۲۴ بحوالہ شاہ اسماعیل شہیدؒ)

ممتاز مؤرخ جناب پروفیسر ایوب قادری مرحوم فرماتے ہیں کہ

مولانا فضل رسول بدایونی کی تصانیف کی طباعت کے سلسلے میں ایک بات خاص طور سے ہم نے نوٹ کی کہ ان کی اکثر تصانیف کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں۔ شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ مولوی فضل رسول بدایونی کو ریاست حیدرآباد سے ستر روپے یومیہ وظیفہ دیا گیا جو بعد کو گیارہ روپے یومیہ ہو گیا۔ اور ۱۹۵۱ء تک ان کی اولاد کو ملتا رہا۔ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۶۳)

نیز فرماتے ہیں کہ

مولانا حیدر علی ٹونکی نے اس سلسلہ میں ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ مولوی فضل رسول بدایونی نے مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ کی شہادت ۱۸۳۱ء کے بیس۲۰ سال بعد وہابیوں کے رد میں کتابیں لکھنا شروع کیں۔ ظاہر ہے پنجاب کے انگریزوں کے قبضہ میں آجانے کے بعد مجاہدین کا مقابلہ براہ راست انگریزوں سے تھا۔ (ایضاً ص ۱۶۳)

(یاد رہے کہ پنجاب میں سکھوں کی ریاست ۱۸۴۶ء میں ختم ہو چکی تھی۔ اور ۱۸۴۹ء میں پنجاب

کے اقتدار کا دہلی کے ساتھ مکمل الحاق ہو چکا تھا۔ بشیر)

تو خاندان ولی اللّٰہی کی مخالفت کرنے والے ان علماء کے گھناؤنے کردار کے پیش نظر عام قاری بھی یہ فیصلہ بآسانی کر سکتا ہے کہ یہ علماء اسلام تھے یا علماء سوء؟ انہی علماء سوء کے گھناؤنے کردار پہ بحث کرتے ہوئے ممتاز شارح اقبال جناب اعجاز الحق قدوسی فرماتے ہیں کہ

انگریز علماء کے اثر سے ناواقف نہ تھا۔ اس نے علماء سوء سے فتویٰ حاصل کیا جس میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہید کو وہابی اور لادین قرار دیا گیا۔ انگریز کو حاکم وقت بنایا گیا مسلمان اس کی پناہ میں قرار دیئے گئے۔ انگریزوں کی اطاعت واجب قرار دی گئی۔ (اقبال اور علمائے پاک و ہند ص۳۵)

اس قدر واضح شہادت کے بعد ان علماء سوء کی حقیقت و اصلیت آشکارا کرنے کے لیے مزید کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

۱۔ سر سید احمد خاں کے کفر میں جو شک کرے وہ خود کافر۔ (ملفوظات حصہ اول ص۱۲۴ طبع کراچی)

۲۔ میرا (یعنی خانصاحب بریلوی کا) مسلک ہے کہ وہ (اسماعیل شہیدؒ) یزید کی طرح ہے۔ اگر کوئی کافر کہے تو منع نہ کریں گے۔ اور خود کافر نہ کہیں گے۔ البتہ غلام احمد، سید احمد خلیل احمد، رشید احمد، اشرف علی کے کفر میں جو شک کرے وہ خود کافر ہے۔

(ملفوظات حصہ اول ص۱۱۱)

ایک طرف تو ان کا یہ فتویٰ ہے مگر ایک دوسرے فتوے میں یہ فرماتے ہیں۔

علماء محتاطین انہیں (یعنی شاہ شہیدؒ کو) کافر نہ کہیں۔ یہی صواب ہے۔ یہی جواب ہے یہی فتویٰ دیا جائے گا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ یہی ہمارا مذہب ہے اور اسی پہ اعتماد اور اسی میں سلامتی۔ اور اسی میں استقامت ہے۔

(تمہید ایمان بآیات القرآن ص۱)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ

حاشا للہ۔ حاشا للہ ہزار ہزار بار حاشا للہ میں ہرگز ان کی (شاہ شہیدؒ کی) تکفیر پسند نہیں کرتا۔ ان کے مقتدیوں یعنی مدعیان جدید (مولانا گنگوہیؒ، مولانا نانوتویؒ، مولانا تھانویؒ

وغیرہ) کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں.... اور امام الطائفہ (اسماعیل شہیدؒ) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے۔ (الیضاً ص ۷۳)

خان صاحب بریلوی کے اس واضح فتوٰی اور بیان کے باوجود حضرت شاہ شہیدؒ اور ان کے بیرو بزرگوں کی تکفیر بریلوی حضرات کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے اور پھر صرف خان صاحب بریلوی نہیں بلکہ مولانا فضل حق صاحب خیرآبادیؒ (مولانا فضل حق صاحبؒ کا شمار چند علمی مسائل میں حضرت شاہ شہیدؒ کے ابتدائی مگر شدید مخالفین میں ہوتا ہے ایک دوسرے کے خلاف رسائل بھی لکھے گئے مگر یہ اختلاف خالص علمی تھے اور علمی مسائل میں تھے۔ بریلوی حضرات نے شاہ شہیدؒ کی مخالفت کی وجہ سے مولانا خیرآبادیؒ کو اپنے طبقہ میں شامل کر لیا۔ اور اتفاق یہ ہوا کہ مولانا خیرآبادیؒ کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا فضل حق رامپوریؒ کے شبہ میں گرفتار کر لیا گیا اور جزیرہ انڈیمان بھیج دیا گیا۔ برصغیر کے ان سیاسی یتیموں کو اپنے طبقہ کی انگریز دشمنی ثابت کرنے کے لیے صرف ایک مولانا خیرآبادیؒ کی گرفتاری بطور شہادت میسر آئی اور اس گرفتاری کی آڑ میں اس طبقہ نے اپنی سیاسی یتیمی چھپانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ مگر خدا بھلا کرے پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کا کہ انہوں نے مولانا خیرآبادیؒ کی گرفتاری کی حقیقت بھی بیان کر دی کہ مولانا خیرآبادیؒ کو مولانا فضل حق رامپوریؒ کے شبہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور ساتھ ہی مولانا خیرآبادیؒ کا وہ خط بھی شائع کر دیا جو انہوں نے نواب یوسف علی خان رئیس رام پور کے نام وضاحت کے لیے لکھا چنانچہ مولانا فضل حق خیرآبادیؒ کی وضاحت کے بعد ان کی آزادی کا حکم جاری کر دیا گیا۔ مگر افسوس کہ جب آزادی کا پروانہ وہاں پہنچا تو اُن کی رُوح قفس عنصری سے آزاد ہو چکی تھی۔ تفصیلات ملاحظہ فرمایئے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از پروفیسر محمد ایوب قادریؒ) بھی شاہ شہیدؒ کے ساتھ تمام تر اختلافات کے باوجود ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

مجھ سے سخت غلطی ہوئی کہ میں نے مولوی اسماعیل صاحب کی مخالفت کی۔ وہ بے شک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا۔ مجھ پر جو مصیبت پڑی یہ میرے اپنی اعمال کی سزا ہے۔ میری مولوی اسماعیل سے دوستی تھی۔ میں بھی ان کے ساتھ شہید ہوتا۔ مگر کیا کیا جائے کہ بدایون والوں نے ابھار کر اُن سے پھڑوا دیا۔ (امیر الروایات ص ۱۶۱ بحوالہ شاہ اسماعیل شہید از علامہ خالد محمود)

نیز فرماتے ہیں کہ

اسماعیل کو ہم مولوی (ہی) نہ جانتے تھے۔ وہ امت محمدیہ کا حکیم تھا۔ کوئی شئے نہ تھی جکی انیت ولمیت اس کے ذہن میں نہ ہو۔ (الحیاۃ ص۱۱ بحوالہ مذکور)

۴۔ ستمبر ۱۹۱۷ء کے سالانہ اجلاس مسلم لیگ میں مشہور گاندھی لیڈر محمد علی آنجہانی اس کے صدر ہوئے۔ (الدلائل القاہرہ ص۴)

(یہ مولانا محمد علی جوہر ہیں۔ جو آزادی وطن کے غیور اور صف اوّل کے مجاہد تھے۔ بشیر)

۵۔ شوکت علی صاحب کو بھی حامیان اسلام میں گنا ہے۔ مگر یہ وہی ہیں جنہوں نے مشرکین کی خوشنودی خدا کی خوشنودی مانی۔ (دوامع الحمیر ص۱۱ بحوالہ بریلوی فتوے)

مولانا شوکت علی خانؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ کے بھائی اور تحریک آزادی کے سرگرم رہنما تھے۔ واقعات تاریخیہ میں ان دونوں بھائیوں کو علی برادران کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بشیر

یہ چند حوالے اس طبقہ کی حیثیت وحقیقت کو آشکار کرنے کے لیے نقل کر دیے گئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ؎

بستے گل نالۂ دل دود چراغ محفل جو تیری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

اس کے بعد ہمیں اس طبقہ بریلویہ کی تاریخی حیثیت کا مزید تذکرہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ مذکورہ بالا چند حوالوں سے ہی اس طبقہ کی تاریخی حیثیت سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ ان تمام تاریخی حقائق کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ یہ طبقہ کسی سیاسی ضرورت کے تحت مسلمانوں کے جذبۂ حریت کو مجروح کرنے اور اقتدار برطانیہ کی قوت کو مضبوط کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو ہرگز بے جا نہیں ہوگا۔ ؎

حیات کیا ہے اگر تلخیٔ حیات نہیں
وہ زندگی ہی نہیں جس میں حادثات نہیں

باقی رہی اکابرین علماء دیوبند کی سیاسی تاریخ تو وہ آفتاب نیمروز کی طرح واضح اور روشن ہے اور کوئی دیانتدار مؤرخ اس بے داغ تاریخ سے کنارہ کشی اختیار نہیں کر سکتا۔ البتہ بغض وعناد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علماء دیوبند کی سیاسی تاریخ کی ایک جھلک

بھی قارئین کی خدمت میں پیش کر دی جائے۔ تاکہ آئینہ کے دونوں رُخ پیش نظر رہیں۔ اور حقیقت عیاں ہو جائے۔ ؎

ہم حقیقت ہیں تو تسلیم نہ کرنے کا سبب؟
ہاں اگر حرفِ غلط ہیں تو مٹا دو ہم کو

(۱) تحریک بالاکوٹ

تمام مؤرخین کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ جہاد کے سیلے تمام تر مد و جہد حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ کی سرپرستی میں طے پائی ۱۷۹۹ء میں شہید میسور سلطان فتح علی ٹیپو شہیدؒ کی شہادت کے بعد انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے جس انقلابی تحریک کی داغ بیل اپنے ہاتھوں سے ڈالی تھی تقریباً ایک ربع صدی تک آپ اس خفیہ انقلابی تحریک کی خفیہ سرپرستی کرتے رہے ۱۸۲۴ء میں حضرت شاہ عبد العزیزؒ کا انتقال ہوا اور اسی سال سید احمد صاحب اپنے مٹھی بھر مجاہدین کے ساتھ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ تاریخ سے ادنیٰ شناسائی رکھنے والا ایک مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ اس انقلابی تحریک کی بنیاد حضرت شاہ عبد العزیزؒ کا یہ فتویٰ قرار پائی ہے کہ

ہندوستان دار الحرب ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۱۷/۱۲ و ص ۱۱/۱۹)

اسی بنیاد پر اس تحریک کی عمارت استوار کی گئی۔ مجاہدین کی اصلاحی اور باطنی تربیت کے لیے حضرت سید صاحبؒ انہیں اپنے ساتھ حج پر لے گئے۔ حج سے واپسی کے بعد حضرت سید صاحبؒ کے کیا عزائم تھے؟ مشہور انگریز مؤرخ سر ولیم ولسن ہنٹر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

(حج سے) پہلے جو چیز ان (سید صاحب) کا خواب و خیال تھی اب ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی۔ جس میں انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا گاڑتے ہوئے دیکھا۔ اور صلیب کو انگریز کافروں کی لاشوں کے نیچے دفن ہوتے ہوئے دیکھا۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۸۹)

یوں تو مسٹر ہنٹر کی پوری کتاب ہی حضرت سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء و خلفاء کی انگریز دشمنی پر مرتب ہوئی ہے۔ مگر اس مذکور ایک اقتباس ہی سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت سید صاحبؒ

کے عزائم کیا تھے ؟

لطیفہ :۔ مقاصد اور نصب العین کی اس قدر ہم آہنگی اور طریقہ واردات میں اتنی شدید مناسبت کا یہ ایک دلچسپ نمونہ ہے کہ مسٹر ہنٹر اپنی کتاب میں ان بے لوث اور مخلص مجاہدین کو وہابیت کے القاب سے مخاطب کر کے سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت و ہیجان پیدا کرنا چاہتا ہے اور بریلوی حضرات بھی اپنی اشتعال انگیز تقاریر و تحریرات میں ان مجاہدین کو وہابیت کا الزام دیکر عوام کے اندر ان کے خلاف ایک جذباتی تحریک پیدا کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ مگر اہل حق کی شہرت اور خدمت دین کا جذبہ اور چمکتا ہے۔ ~

حقیقت کھل گئی حسرت تیرے ترک محبت کی
تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

حالات نے پنجاب کے راجہ رنجیت سنگھ کی خالصہ حکومت کی طرف سے مسلمانان پنجاب پر ظلم و ستم کی وجہ سے حضرت سید صاحب کو مظلوم مسلمانوں کی حمایت کے لیے خالصہ (سکھ) گورنمنٹ کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ تاریخ پنجاب کا یہ وہ المناک دور تھا کہ جب مسلمان لڑکیوں کا جبری اغوار عام تھا۔ مساجد اسلامیہ کو اصطبل بنا دیا گیا تھا۔ اذان و نماز اور دیگر شعائر اسلام پر شدید پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ چنانچہ مشہور مؤرخ جناب شیخ محمد اکرام فرماتے ہیں کہ۔

جب مولانا سید احمد بریلویؒ وعظ و ہدایت کے سلسلہ میں رام پور تشریف لے گئے تو وہاں کئی ولائتی افغان آئے اور انہوں نے ایک بڑا دردانگیز قصہ سید صاحب کے روبرو اس طرح بیان کیا کہ ہم اپنے اثنار راہ ملک پنجاب میں ایک کنوئیں پر پانی پینے کو گئے۔ ہم نے دیکھا کہ چند سکھنیاں یعنی سکھوں کی عورتیں اس کنوئیں پر پانی بھر رہی تھیں۔ ہم لوگ دیسی زبان نہیں جانتے تھے۔ ہم نے اپنے مونہوں پہ ہاتھ رکھ کر اُن کو اشاروں سے بتایا کہ ہم پیاسے ہیں۔ پانی پلاؤ۔ تب ان عورتوں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر پشتو زبان میں ہم سے کہا کہ ہم مسلمان افغان زادیاں ہیں۔ فلاں ملک اور بستی کی رہنے والیاں ہیں۔ اور یہ سکھ لوگ ہمیں زبردستی پکڑ کر لائے اور سکھنیاں بنا کر اپنی جورو بنا لیا ہے۔ یہ سُن کر ہمیں بہت رنج ہُوا کہ مسلمان عورتیں جبراً اس طرح

کافر بنائی جائیں۔ اے سید صاحب! آپ ولی اللہ ہیں۔ کچھ ایسا فکر کرو کہ ان کو اس کفر سے نجات ملے۔ تب سید صاحب نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں عنقریب سکھوں سے جہاد کروں گا۔ (موج کوثر ص۲۱)

پنجاب کے یہ المناک حالات کسی بھی غیور مسلمان کے لیے سکھوں کے خلاف جہاد کا کافی سبب تھے۔ لیکن افسوس کہ جہاد کی یہ توفیق اور مظلوم مسلمانوں کی حمایت کا یہ شرف حضرت سید صاحب اور ان کے مجاہدین کے سوا کسی کو نصیب نہ ہوا۔ جب کہ اس پاکباز اور مقدس گروہ پر کفر کے فتوے دینے والے وہ لوگ ہیں جن کے پاؤں میں آزادیٔ وطن کے لیے ایک کانٹا تک نہیں چبا۔ خون تو کجا بہتا مظلوم مسلمانوں کی حمایت کے لیے اس گروہِ نامراد کے پسینے کا ایک قطرہ تک نہ گرا۔ جن کی زبانیں گنگ اور قلم خشک ہو چکے تھے۔ البتہ یہ زبانیں اور یہ قلم برطانوی ایندھن کے ساتھ مجاہدین آزادی کے خلاف اس شدت سے متحرک ہوئے کہ آج تک ان کی حرکت ختم نہ ہوئی۔

تاریخِ اسلامی کے نامور اسکالر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ فرماتے ہیں۔

۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ (۶ مئی ۱۸۳۱ء) سے لے کر اس دن تک جس کو سوا سو برس سے زائد ہوئے، شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو۔ جس کی صبح کو اس شہید اسلام (حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ) کی ہجو اور فضیلیت بر طرف اس کی شہادت مسلّم اور شہداء کی مغفرت مسلّم تکفیر و تضلیل میں کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو۔ لعنت و سب و شتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو۔ علماء کی مجلس میں اس پر اتنی لعنت کی گئی، جتنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بنی امیہ کے دربار میں نہیں کی گئی۔ فقہ و فتاویٰ کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کے کفر کے ثبوت میں نہ پیش کی گئی ہو۔ وہ ابوجہل و ابولہب سے زیادہ دشمنِ اسلام خوارج و مرتدین سے زیادہ مارق من الدین و خارج از اسلام۔ فرعون و ہامان سے زیادہ مستحقِ نار۔ کفر و ضلالت کا بانی۔ بے ادبوں و گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا مقلد و شاگرد بتایا گیا۔ اور یہ ان لوگوں نے کیا جن کے جسم نازک میں آج تک اللہ کے لیے ایک پھانس بھی نہیں چبھی۔ جن کے پیروں میں اللہ کے راستہ میں کبھی کوئی کانٹا نہیں گڑا۔ جن کو خون چھوڑ کر کہ اس کا ان کے یہاں کیا ذکر، اسلام کی صحیح خدمت میں پسینہ کا ایک

قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت و عصمت بچانے کے لیے اس نے اپنا سر کٹا یا۔ تو کیا اس کا یہی گناہ تھا؟ اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؟ جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین و ایمان، جان و مال، عزت و آبرو محفوظ نہ تھی۔ سکھوں کے گھروں میں مسلمان عورتیں تھیں۔ مساجد کی بے حرمتی ہو رہی تھی اور ان میں گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ اس وقت یہ غیرت ایمانی و حمیت اسلامی والے جو ایک کلمۂ کفر برداشت نہیں کر سکتے کہاں تھے؟ اور کیا آج بھی شاہ ولی اللہ کے پوتے کے علاوہ کوئی کافر نہیں؟ ممکن ہے کہ بعض قارئین کو ان الفاظ سے تکلیف ہو ~

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

(کاروانِ ایمان و عزیمت ص۳۹ از مولانا ابوالحسن علی ندوی)

مسلمانانِ پنجاب پر سکھوں کے مظالم کے علاوہ حضرت سید صاحب کو مجاہدین کے لیے ایک مرکزِ جہاد کی بھی ضرورت تھی۔ اور پنجاب کے مظلوم مسلمانوں کی حمایت کے ساتھ سکھوں پر غلبہ حاصل کرنا انگریزوں کی مضبوط قوت کو مغلوب کرنے کی نسبت آسان تھا۔ چنانچہ حضرت سید صاحبؒ نے سکھوں کے خلاف جہاد کا فیصلہ کر لیا۔ تاکہ پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کے مظالم سے نجات بھی دلائی جا سکے اور مجاہدین حریت کے لیے ایک مرکزِ جہاد بھی مہیا کیا جا سکے۔

ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد مختلف معرکے سَر کرتے ہوئے حضرت سید صاحبؒ کا یہ مختصر سا لشکر ۱۸۳۰ء میں پشاور پہنچا اور پشاور فتح کر لیا۔ تقریباً تین ۳ ماہ تک پشاور پر حضرت سید صاحب کا قبضہ رہا۔ لیکن چند ملت فروشوں اور مفاد پرست مسلمانوں کی غداری کی وجہ سے مئی ۱۸۳۱ء میں پاکبازانِ امت کا یہ طائفۂ منصورہ راجہ رنجیت سنگھ کے بیٹے شیر سنگھ کے ہاتھوں بالاکوٹ کی سنگلاخ چٹانوں پر شکست کھا گیا۔ اور حضرت سید صاحبؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ جامِ شہادت نوش کر گئے۔ ~

خبر سن کر مرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

مقامِ عبرت :۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ شہدائے بالاکوٹ کی شہادت شیر سنگھ کے خالصہ لشکر کے ہاتھوں ہوئی۔ مگر خانصاحب بریلوی حضرت شاہ شہیدؒ کے ساتھ اپنی بھرپور عداوت و دشمنی اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے شاہ شہیدؒ کے قاتل سکھ لشکر کو بہترین لوگ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وہ جسے وہابیہ نے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہید لیلیٰ نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے

(حدائقِ بخشش حصہ دوم ص۹ طبع لاہور)

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا حضرت سیّد شہیدؒ صاحب کا مقصد اصلی سکھوں کے خلاف جہاد ہی تھا یا اس سے آگے کوئی اور مقصد بھی تھا؟ کوئی بھی انسان اپنے مقاصد کی جو وضاحت خود کر سکتا ہے وہ کسی دوسرے کے لیے محال ہے۔ دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضرت سیّد صاحب کے مقصد اصلی کے بارے میں دیگر مؤرخین کی طرف رجوع کرنے کی بجائے خود حضرت سیّد صاحب ہی سے دریافت کر لیا جاتا۔ تاکہ کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔ لیکن یہ اس صورت میں ممکن تھا کہ تلاش حق مقصود ہوتی۔ مگر یہاں تو تعصب، خصومت ہٹ دھرمی اور مخالفت ہی کی بنیاد پر سب کام ہو رہے ہیں اور انہیں تلاشِ حق کب مقصود ہے۔

حضرت سیّد صاحبؒ کے مقصدِ اصلی کی وضاحت کے لیے ان کے اپنے مکاتیب سے بڑھ کر کون سی بڑی شہادت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سلطان ہرات، راجہ ہندو راؤ اور دیگر حاکموں اور سرداروں کے نام جو مکتوبات حضرت سیّد صاحب نے ارسال فرمائے ان میں یہ صراحت موجود ہے کہ

> پردیسی سمندر پار کے رہنے والے دنیا جہان کے تاجدار، اور یہ سودا بیچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے ہیں۔ بڑے بڑے امیروں کی امارت اور بڑے بڑے اہل حکومت کی حکومت اور ان کی عزت و حرمت کو انہوں نے خاک میں ملا دیا ہے۔ جو حکومت و سیاست کے مردِ میدان تھے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ اس لیے مجبوراً چند غریب و بے سروسامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے، اور محض اللہ تعالےٰ کے دین کی خدمت کے لیے اپنے گھروں سے نکل آئے الخ

(بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ص ۳۲۹)

ایک دوسرے مکتوب میں حضرت سید صاحب فرماتے ہیں کہ

(سکھوں پر کامیابی حاصل کرنے کے بعد) پھر میں مجاہدین کو لے کر ہندوستان کی طرف متوجہ ہو جاؤں گا۔ تاکہ وہاں سے اہل کفر و طغیان (انگریز) کو ختم کیا جا سکے۔ اور میرا اصل مقصود ہندوستان پر جہاد ہے۔

(مکاتیب سید صاحبؒ بحوالہ جماعت مجاہدین ص۱۲۹ از مولانا مہرؒ)

ریاست گوالیار کے ایک مسلمان عہدہ دار غلام حیدر خان کے نام ایک مکتوب میں حضرت سید صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ایسی صورت میں مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ سر دلد والا قدر راجہ ہندو رائے کے یہ مضمون ذہن نشین کریں کہ ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضہ میں چلا گیا اور انہوں نے ہر جگہ ظلم و زیادتی پر کمر باندھی ہے۔ ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہو گئی۔ کسی کو ان کے مقابلہ کی تاب نہیں۔ بلکہ ہر ایک ان کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے چونکہ بڑے بڑے اہل حکومت ان کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کر کے بیٹھ گئے۔ اس لیے چند کمزور۔ بے حقیقت اشخاص نے اس کام کا بیڑا اٹھایا الخ (مجموعہ خطوط قلمی ص۱۴ بحوالہ نقش حیات ص۲۱/۲ از مولانا سید حسین احمد مدنیؒ)

ان مذکورہ مکاتیب سے حضرت سید صاحبؒ کے مقاصد اور عزائم کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اور کسی دوسرے کی طرف حضرت سید صاحبؒ کے عزائم معلوم کرنے کے لیے رجوع کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ نامور مورخ جناب پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامیؒ فرماتے ہیں کہ

حد یہ ہے کہ حضرت مولانا سید احمد شہیدؒ جن کی تحریک عموماً صرف سکھوں کی مخالفت کے پس منظر میں دیکھی جاتی ہے۔ غیر ملکی اقتدار (برطانیہ) کو ختم کرنے کے لیے ہندوؤں سے تعاون اور اشتراک عمل کے کوشاں تھے۔ (تاریخ مشائخ چشت ص۲۲۸)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ

واقعات نے بتلا دیا تھا کہ ہندوستان کے موجودہ حکام و امراء میں اب کسی میں طاقت برٹش غیر مسلم ظالم قوم کے مقابلہ اور دفع کرنے کی ایسی نہیں رہی جس پر اطمینان

کیا جائے۔ لہذا مسلمانوں کو احوال پر غور کرنا اور آزادی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا
از بس ضروری ہے جو کہ ہر دار الحرب کے باشندوں پر لازم ہے۔ چنانچہ اس کے بعد
سے (مجاہدین کی) جد وجہد شروع ہوئی۔ جو کہ سکھوں کے مقابلہ کے نام سے مشہور کی
گئی۔ اس زمانہ میں مغربی پنجاب میں سکھوں کی حکومت تھی جو کہ انگریزوں کے حلیف
تھے۔ اور آپس میں (انگریزوں اور راجہ رنجیت سنگھ میں) زبردار معاہدے کیے ہوئے
تھے۔ مگر حقیقت میں سکھوں سے لڑنے کا مقصد اصلی ان بدیشوں (انگریزوں) اور
ان کے معاونین سے لڑ کر ملک کو اس مصیبت سے بچانا تھا اور رعایا پر سے ان کے
وحشیانہ مظالم کو اٹھا دینا اور بس۔ (نقش حیات ص ۲۱۱/۲۶)

حضرت سید صاحبؒ کے ان مذکورہ بالا واضح مکاتیب کے علاوہ درج ذیل حقائق بھی اس
بات کا واضح ثبوت ہیں کہ حضرت سید صاحب کا مقصدِ اصلی انگریزوں کے خلاف جہاد تھا۔

۱۔ حضرت سید صاحب کی اس تحریکِ جہاد کی بنیاد حضرت شاہ عبد العزیزؒ کا وہ فتویٰ تھی
جس میں ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا گیا تھا۔ اور ہندوستان کو دار الحرب انگریزی
اقتدار کی وجہ سے قرار دیا گیا تھا۔ نہ کہ خالصہ اقتدار کی وجہ سے۔ اور جب تحریک کی بنیاد
ہی وہ فتویٰ قرار پائی تو مقصد اصلی بھی فرنگی اقتدار کے خاتمہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ چنانچہ
نامور شارح اقبال جناب اعجاز الحق صاحب قدوسی رقمطراز ہیں کہ

اس (ہندوستان کے دار الحرب قرار دیے جانے کے) فتویٰ کے بعد حضرت شاہ عبد العزیزؒ
کی راہنمائی میں جن علماء نے حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی سیاسی، علمی، مذہبی، تعلیمی تحریک میں
حصہ لیا۔ جس کی شمع شاہ ولی اللہؒ نے روشن کی تھی ان میں شاہ محمد اسحاق دہلویؒ۔ شاہ
رفیع الدینؒ، شاہ عبد القادرؒ۔ شاہ عبد الغنیؒ، شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ، شاہ عبد الحئیؒ اور سید احمد شہیدؒ
مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ اور شاہ غلام علیؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ وہ علماء ہیں، جو
سرزمین ہندوستان کے اُفق پر بدرِ کامل بن کر طلوع ہوئے۔ اور ان کا نام حریت
پسندی، دفاعی جد وجہد، سیاسی، مذہبی اور قومی خدمات کی وجہ سے ہماری تاریخ میں ہمیشہ
درخشاں و تاباں رہے گا۔ (اقبال اور علمائے پاک و ہند ص ۲۴)

اور پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ سکھوں سے جہاد کرنے کی بنیادی تین وجوہات تھیں۔

اوّل :- پنجاب کے مظلوم مسلمانوں کو سکھوں کے مظالم سے نجات دلانا۔

دوم :- سکھ چونکہ انگریزوں کے حلیف تھے اس لیے اصل دشمن پر حملہ کرنے سے پہلے اس کے حلیف کو ختم کر کے اصل دشمن کی طاقت کو کمزور کرنا۔

سوم :- مجاہدین کے لیے مرکز جہاد مہیا کرنا۔ جس کے لیے شمال مغربی سرحدی علاقہ سے زیادہ حفاظتی مقام کوئی نہیں تھا۔

۲- حضرت سید صاحب تقریباً چھ سال تک نواب امیر علی خان کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ اور جب نواب امیر علی نے حضرت سید صاحبؒ کی رائے کے برخلاف انگریزوں سے صلح کر لی۔ تو حضرت سید صاحب اس سے علیحدہ ہو گئے اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی سرپرستی میں مجاہدین کی ایک نئی جماعت تشکیل دیدی۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۲۳۹/ج۲)

۳- مشہور انگریز مؤرخ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کا حوالہ گذر چکا ہے۔ جس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ حضرت سید صاحب کا اصل مقصد انگریزی اقتدار کو ختم کرنا تھا۔

۴- امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ

ایسٹ انڈیا کمپنی گذشتہ ڈیڑھ سو (۱۵۰) برس سے سیاسی اقتدار حاصل کر رہی تھی مگر اس نے ایک تجارتی لباس میں مستور رہنا ضروری سمجھ رکھا تھا۔ واقعۂ بالاکوٹ سے دو سال بعد ۱۸۳۳ء میں یک لخت تجارت کا لبادہ اتار کر وہی حکومت کی مالک بن جاتی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۔ ترجمہ: اس واقعہ میں اہل بصیرت کے لیے ایک سبق ہے۔

(شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک ص ۱۴۳ از مولانا سندھیؒ)

یہ واقعہ بھی اس حقیقت کو کافی حد تک واضح کر رہا ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کا مقصد اصلی انگریزوں کے خلاف جہاد تھا۔ کیونکہ ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی میں نواب سراج الدولہ کی شکست اس کے بعد حافظ رحمت اللہ خانؒ کی شہادت اور پھر ۱۷۹۹ء کی جنگِ میسور میں سلطان فتح علی ٹیپو شہیدؒ

کی شہادت کے بعد انگریزوں کو تجارت کا لبادہ اتار کر حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مگر معرکہ بالاکوٹ کے فوراً بعد انگریزوں کی یہ کارروائی واضح طور پر اس بات کی خبر دیتی ہے کہ انگریز مجاہدین بالاکوٹ کے اصل عزائم سے آگاہ تھے۔ اس لیے انہوں نے مجاہدین کو وہابیت کے نام سے منسوب کر کے مسلمانوں کو ان کے خلاف کر دیا۔ اور ان مجاہدین کی شہادت کے بعد انگریزوں نے اپنے زعم میں اس تحریک کو اپنے خلاف اٹھنے والی آخری تحریک سمجھ کر فوراً تجارت کا لبادہ اتار دیا اور اقتدار دہلی پر قبضہ کر لیا۔

۵۔ مگر ان تمام شہادتوں سے بڑھ کر حضرت سید صاحبؒ کے مقصد اصلی (انگریزوں سے جہاد) کو واضح کرنے والی شہادت حضرت سید صاحبؒ کے خلفاء و مریدین کا تقریباً ۱۸۸۲ء تک انگریزوں کے خلاف برسرِ پیکار رہنا ہے۔ کیونکہ اگر سید صاحبؒ کا مقصد صرف انگریزی اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے سکھوں سے جہاد ہوتا تو سکھ حکومت کا خاتمہ تو ۱۸۴۶ء میں ہو چکا تھا۔ اور ۱۸۴۹ء میں مکمل طور پر اس کا الحاق اقتدار دہلی سے ہو چکا تھا۔ تو اس الحاق کے بعد حضرت سید صاحبؒ کے خلفاء و مریدین کی سرگرمیاں ختم ہو جانی چاہیے تھیں۔ کیونکہ ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا مگر اس الحاق کے تقریباً ۳۲ سال بعد تک یہ مجاہدین انگریزوں کے خلاف جہاد میں مصروف رہے اور اقتدار برطانیہ کے خلاف جہاد کے جرم میں حضرت سید صاحبؒ کے خلفاء و مریدین اور ان کی قیادت میں انگریز کے خلاف جہاد کرنے والے مجاہدین کے خلاف اقتدار برطانیہ کی طرف سے قائم کیے جانے والے مقدمات کی ایک ہلکی سی جھلک بھی ملاحظہ فرمایئے۔ تاکہ ان مجاہدین کے مقاصدِ اصلیہ کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں آسانی ہو۔

پہلا مقدمہ:۔ ۱۸۶۴ء میں ان مجاہدین کے خلاف پہلا مقدمہ سازش انبالہ میں قائم ہوا۔ جس میں مولانا یحییٰ علی صادق پوریؒ (پٹنہ میں حضرت سید صاحبؒ کی جماعت مجاہدین کے امیر تھے)۔ (کاروانِ ایمان و عزیمت ص ۵۲)

مولانا عبدالرحیم صادق پوریؒ اور مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ وغیرہم مجاہدین کو پہلے سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ مگر حیب ان مجاہدین نے سزائے موت کو اپنے لیے سعادت سمجھتے ہوئے اس پہ انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور ان کی زبانِ حال پہ یہ اشعار جاری تھے ؎

اتنا پیغام دردؔ کا کہنا جب صبا کوئے یار میں گزرے

کونسی رات آپ آئیں گے دن بہت انتظار میں گذرے

تو ان کی یہ سزا منسوخ کر کے ان کو ضبطیٔ جائیداد اور عبور دریائے شور کی سزائیں دی گئیں۔

دوسرا مقدمہ :۔ پہلے مقدمہ کے تقریباً ایک سال بعد ۱۸۶۵ء میں دوسرا مقدمہ سازش پٹنہ میں قائم ہوا۔ جس میں مولانا احمد اللہ صاحب صادق پوریؒ (جو حضرت سید صاحبؒ کی تحریک کے نامور رکن اور علمائے صادق پور میں ممتاز و محترم تھے۔ جنگ آزادی ص۴۷ حاشیہ از محمد ایوب قادریؒ) کو ضبطیٔ جائیداد کے علاوہ پہلے پھانسی کی سزا کا حکم سنایا گیا جو بعد میں بدل کر عبور دریائے شور کی سزا میں تبدیل کر دیا گیا۔ ضبطیٔ جائیداد کے ساتھ ان کا قیمتی کتب خانہ برباد کر دیا گیا۔ آبائی قبرستان کی قبریں تک اکھاڑ کر پھینک دی گئیں۔ حتیٰ کہ ان کے بڑے صاحبزادے حکیم عبدالحمید صاحب عظیم آبادیؒ کا دواخانہ تک ضبط کر لیا گیا۔ اور یہ تمام کاروائی عید کے دن عمل میں آئی (انہوں نے ۱۲ر نومبر ۱۸۸۱ء کو جزیرۂ انڈیمان میں ہی وفات پائی۔ (تحریک آزادی ص۴۷ حاشیہ از محمد ایوب قادریؒ)

تیسرا مقدمہ :۔ دوسرے مقدمہ کے تقریباً پانچ سال بعد ان مجاہدین کے خلاف تیسرا مقدمہ سازش مالدہ میں قائم ہوا۔ جس میں مولانا امیر الدین صاحبؒ (مولانا امیر الدینؒ کے والد رفیق منڈل مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے معتقد اور ان کی تحریک کے خاص رکن تھے۔ جب کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ مولانا ولایت علیؒ صاحب کے خلیفہ تھے اور مولانا ولایت علیؒ صاحب حضرت سید صاحبؒ کے خلیفہ اور ان کی تحریک کے سرگرم راہنما تھے۔ شاندار ماضی ص۱۲۶ ج۴) کو ضبطیٔ جائیداد کے علاوہ عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔

چوتھا مقدمہ :۔ اسی سال ۱۸۷۰ء میں ہی مجاہدین کے خلاف چوتھا مقدمہ سازش راج محل میں قائم ہوا۔ جس میں جناب ابراہیم منڈلؒ کو عبور دریائے شور کی سزا سے نوازا گیا۔

پانچواں مقدمہ :۔ پٹنہ میں تیسرے اور چوتھے مقدمہ کے تقریباً ایک سال بعد ۱۸۷۱ء میں مجاہدین کے خلاف پانچواں مقدمہ سازش قائم ہوا۔ جسمیں مولانا مبارک علی صاحبؒ (جو مولانا احمد اللہ صاحبؒ

کی گرفتاری کے بعد مرکز صادق پور کے نگران مقرر ہوئے۔ ۱۸۶۸ء میں گرفتار ہوئے اور ۱۸۷۱ء کے مقدمہ میں ملوث کیے گئے، (شاندار ماضی ص ۱۳۱/۲) اور مولانا تبارک علیؒ صاحبؒ (مولانا مبارک علیؒ صاحب کے صاحبزادہ) وغیرہ سات افراد کو عبور دریائے شور کی سزائیں دی گئیں۔ مولانا مبارک علی صاحبؒ اسی اسارت کے دوران شدید قسم کی اذیتوں اور تکلیفوں کی وجہ سے شہید ہو گئے۔

(مقدمات کی یہ فہرست علماء ہند کا شاندار ماضی کی جلد ۴ سے نقل کی گئی ہے۔ بشیر) یہ تمام مقدمات حضرت سید صاحب کی تحریک سے منسلک مجاہدین کے خلاف قائم کیے گئے۔ جو حضرت سید صاحب کی تحریک کے مقاصد اصلی کو سمجھنے میں فیصلہ کن معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

۲۔ تحریک بنگال

۱۷۵۷ء کی جنگِ پلاسی میں نواب سراج الدولہؒ کی (اس کے غدار وزیر میر جعفر کی غداری کی وجہ سے) انگریزوں سے شکست کے بعد بنگال میں طویل عرصہ تک ایک جمود طاری رہا جسے بالآخر حاجی شریعت اللہؒ اور ان کے بیٹے جناب دودو میاںؒ نے توڑا، اور بنگال میں انگریزوں کے خلاف ایک آگ بھڑکا دی اور ان کے بعد تیتو میرؒ انگریزی اقتدار کے سامنے سینہ سپر ہو گیا۔ تیتو میرؒ کون تھا؟ ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے۔

یہ شخص (تیتو میرؒ) ایک کاشتکار تھا۔ اور ایک زمیندار کے یہاں اس کی شادی ہوئی تھی۔ حضرت سید احمد صاحب کا معتقد تھا۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۳۸)

ایک اور مقام پر ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے کہ

ایک انقلابی جماعت جو فرازی کے نام سے مشہور تھی اور مشرقی اضلاع میں اس کا کافی اثر تھا جس کے سرغنہ نثار علی عرف ٹیٹو میاںؒ نے ۱۸۳۱ء میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔ مولانا یحییٰ علی صاحبؒ نے ان کو بھی اس تنظیم (جہاد) میں شامل کر لیا تھا۔

(ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۲۵)

ممتاز مؤرخ مولانا محمد میاں دہلویؒ فرماتے ہیں کہ

نثار علی عرف ٹیٹو میاںؒ بنگال میں سید صاحبؒ کی تحریک کے انچارج تھے۔ اور سید صاحبؒ نے ۱۸۳۱ء میں پشاور فتح کیا تھا تو نثار علی صاحبؒ نے کلکتہ کے مشرقی اضلاع میں

علم بغاوت بلند کیا تھا (شاندار ماضی صفحہ ۲۹/۲ حاشیہ)

نیز فرماتے ہیں کہ

یہاں تک کہ ایک طرف شمال مغرب میں سید صاحب کی حکومت پشاور میں قائم ہوئی اور دوسری جانب شمال مشرق میں سید صاحب کے معتقد خاص نثار علیؒ نے بنگال میں تحریک شروع کردی جس نے چند ماہ بعد ایک منظم بغاوت کی شکل اختیار کرلی۔

(ایضاً صفحہ ۲۲/۲)

خود ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے کہ

۱۹۳۰ء میں جب مجاہدین سرحد نے پشاور پر قبضہ کرلیا تو ٹیٹومیاںؒ اس قدر بے دھڑک ہوگیا کہ اس نے اپنا نقاب اتار پھینکا اور کسانوں کی پُرجوش بغاوت کا سرغنہ بن بیٹھا۔

(ہمارے ہندوستانی مسلمان صفحہ ۹۸)

نیز مسٹر ہنٹر لکھتا ہے کہ

سب سے اول شمالی ہند کے مسلمان (مجاہدین بالاکوٹ) علماء نے حکومت کے خلاف جہاد کرنے کے جواز کا فتویٰ جاری کیا۔ اس کے بعد مسلمانانِ بنگال نے اس مضمون پر ایک رسالہ جاری کیا۔ (مسلمانانِ ہند صفحہ ۱۰۱)

بنگال میں یہ تحریک چلانے والے نثار علی عرف ٹیٹو میاںؒ (تیتو میر اور ٹیٹو میاں ایک ہی بزرگ کا نام ہے) تھے۔ عین اس وقت کہ جب حضرت سید صاحبؒ نے پشاور فتح کیا۔ ٹیٹو میاںؒ نے بنگال میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور اپنے ساتھی مسکین شاہؒ کے ساتھ مل کر کئی ماہ تک انگریزوں کے خلاف کامیاب جہاد کرتا رہا۔ بالآخر نومبر ۱۸۳۱ء میں (معرکۂ بالاکوٹ کے تقریباً ساتؔ ماہ بعد) انگریزی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے ٹیٹو میاں شہید ہوگئے۔ اور ان کے ساتھی مسکین شاہؒ کو گرفتار کرکے تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ (علماء ہند کا شاندار ماضی صفحہ ۲۲۵/۲)

(۳) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مختلف محاذ تھے، تحصیل شاملی میں مجاہدین آزادی کا ایک گروہ امیر المؤمنین حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی امارت اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی قیادت

میں انگریزوں کے خلاف برسرپیکار ہوا۔ اور تحصیل شاملی پر قبضہ کر لیا، جو صرف ایک ماہ تک قائم رہا اور تادیر برقرار نہ رہ سکا اور چند ملت فروش مفاد پرستوں اور میر جعفر و میر صادق کے جانشینوں کی روایتی غداری و ضمیر فروشی کی وجہ سے انگریز دوبارہ دہلی اور دیگر مفتوحہ علاقوں پر قابض ہو گیا۔ اس معرکہ جہاد میں۔

حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو امام، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو سپہ سالار افواج۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو قاضی۔ مولانا محمد منیر نانوتویؒ اور حافظ محمد ضامن کو میمنہ اور میسرہ کے افسر مقرر کیا گیا۔

(سوانح قاسمی ص ۱۲۷ ج ۲ از مولانا مناظر احسن گیلانیؒ)

اس معرکہ میں حافظ محمد ضامنؒ شہید ہوئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ روپوش ہو گئے۔ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی گرفتار کر لیے گئے۔ مولانا (گنگوہی) کو سہارنپور کی جیل میں قید کر دیا گیا۔ تین چار یوم کال کوٹھڑی میں اور پندرہ دن جیل خانہ کی حوالات میں مقید رہے۔ آخر عدالت سے حکم ہوا۔ تھانہ بھون کا قصہ ہے اس لیے مظفر نگر منتقل کیا جائے۔ چنانچہ جنگی حراست اور ننگی تلواروں کے پہرہ میں براستہ دیوبند چند پڑاؤ کر کے پاپیادہ مظفر نگر لائے گئے، اور حوالات کے اندر بند کر دیے گئے چھ ماہ قید رہے (حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی روایت کے مطابق نو ماہ قید رہے۔ بشیر) آخر ش چھوڑ دیے گئے۔ اور وطن لوٹ آئے۔

(ایسٹ انڈیا کمپنی کے باغی علماء ص ۱۱۲ از مفتی انتظام اللہ شہابی)

اور رہائی کے بعد ساری زندگی انگریز گورنمنٹ کی سی، آئی، ڈی مولانا کی خفیہ نگرانی کرتی رہی۔ جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم فرماتے ہیں کہ

انیسویں صدی کی تیسری اہم تحریک آزادیٔ وطن کی تھی۔ اس سلسلہ میں خود حاجی صاحبؒ اور ان سے منسلکین (حضرت مولانا نانوتویؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ وغیرہ) نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ ہندوستان کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ غدر (۱۸۵۷ء) کے زمانہ میں تھانہ بھون کا انتظام حاجی صاحبؒ

نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اور خود دیوانی اور فوجداری مقدمات فیصل فرماتے تھے۔
(تاریخ مشائخ چشت ص۲۳۴)

جناب پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری مرحوم فرماتے ہیں کہ
اسی (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی) درمیان میں حافظ محمد ضامن صاحبؒ کے گولی لگی اور وہ شہید ہو گئے آخر میں مجاہدین کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ انگریزوں نے قبضہ کرنے کے بعد تھانہ بھون کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولوی محمد منیر نانوتویؒ اور مولانا محمد قاسمؒ (نانوتوی) روپوش ہو گئے۔ حاجی امداد اللہ صاحبؒ مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے۔ مولوی رشید احمد گنگوہیؒ گرفتار ہوئے اور چھ ماہ جیل میں رہے۔
(جنگ آزادی ص۱۸۱)

دلچسپ حقیقت:۔ یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مجاہدین کی افواج دہلی کا سالار اعلیٰ جنرل بخت خانؒ بھی حضرت سید صاحبؒ کی تحریکِ جہاد کا ہی ایک رکن تھا۔ کیونکہ وہ حضرت مولانا سرفراز علی صاحبؒ کا مرید تھا۔ اور حضرت مولانا سرفراز علی صاحبؒ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ جہاد کے ایک عظیم راہنما تھے۔ (ملاحظہ فرمایئے ایسٹ انڈیا کمپنی کے باغی علماء ص۶۵ اور ۱۸۵۷ء کے مجاہد ص۱۶۶) گویا کہ ۱۸۵۷ء کی پوری کی پوری تحریک آزادی بھی حضرت سید صاحبؒ کی انقلابی تحریک کے ہاتھوں میں تھی

جنگ آزادی کا والہانہ جذبہ:۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اسی وقت ختم نہیں ہو گئی تھی بلکہ مجاہدین حریت نے بار بار اس کی کوشش کی۔ چنانچہ مؤرخ فاروق قریشی صاحب لکھتے ہیں۔
(۱) زخم خوردہ حق پرستوں کی باہمت جماعت ہزیمت کا بدلہ چکانے پر اُدھار کھائے بیٹھی تھی وہ نو آبادکاروں کی بالادستی ختم کرنے کے لیے مصروف پیکار رہی اس نے چودہ برس (۱۸۵۷ء تا ۱۸۷۱ء تک) کے عرصہ میں پانچ مرتبہ برطانوی سامراج پر کاری ضربات لگا کر اس کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کی آزادی کے ذوق جرم کی پاداش میں ان پر مقدمات قائم ہوئے موت کی سزائیں ہوئیں جائیدادوں کی ضبطی کا حکم ہوا ہائی کورٹ نے ان کی سزاؤں کو عمر قید میں تبدیل کر کے کالے پانی بھیج دیا انہوں نے زندگی کے باقی ایام یہیں بسر کیے حکومت نے انہیں مسلمانوں کی نظروں

میں ملعون بنانے کے لیے کئی حربے استعمال کیے اپنے ہر مخالف کو وہابی کے نام سے موسوم کیا انبالہ کیس (۱۸۶۴ء) پٹنہ کیس (۱۸۶۵ء) راج محل کیس (۱۸۷۰ء) مالدہ کیس (۱۸۷۱ء) ان پر قائم کیے گئے۔

(۲) ان مقدمات میں ملوث یحییٰ علیؒ، محمد جعفرؒ، محمد شفیعؒ، فرحت حسینؒ، احمد اللہؒ، امیر دینؒ حشمت خانؒ۔ امیر خانؒ اور دیگر اکابرین کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ فرحت حسین تشدد کی وجہ سے جاں بحق ہو گئے۔

(۳) امر واقعہ یہ ہے کہ برطانوی سامراج کے خلاف وہابیوں کی جدوجہد بڑی وسیع اور موثر تھی اس کا دائرۂ کار ڈھاکہ سے پشاور تک پھیلا ہوا تھا مولانا احمد اللہ فیض آبادیؒ نے ۱۸۵۷ء میں نہایت اہم کردار ادا کیا حکومت نے انہیں زندہ یا مردہ پیش کرنے پر پچاس ہزار (روپے) کا انعام مقرر کیا تھا۔ (تحریکِ آزادی میں مسلمانوں کا کردار اور بھارت کی احسان ناشناسی۔ از فاروق قریشی، اخبار جنگ لاہور ستمبر ۱۹۸۵ء)

ان حضرات کی جرأت و ہمت قابلِ رشک تھی جو بزبانِ حال یوں گویا تھے ؎

ڈوب جانا تو کوئی بات نہیں لیکن باعثِ شرم ہے طوفاں سے ہراساں ہونا

قیام دار العلوم دیو بند۔ ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانانِ برصغیر پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے،

۱۔ تقریباً ستره ہزار علماء اسلام کو پھانسی کے تختوں کی زینت بنایا گیا۔

۲۔ مجاہدین کو سؤر کی کھالوں میں بند کر کے زندہ جلایا گیا۔

۳۔ مجاہدین کو توپ کی دہانوں سے باندھ کر گولوں سے اڑایا گیا۔

۴۔ کمر کمر تک انہیں زمین کے اندر گاڑھ کر ان پہ رہی ڈال کر بھوکے کتے ان پر چھوڑے جنہوں نے نوچ نوچ کے ان کو کھایا۔ (بحوالہ تاریخ جرم و سزا از جانباز مرزا)

گویا بالفاظ بہادر شاہ ظفر مرحوم

۵۔ جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ بھی قابلِ دار ہے۔

ان حالات میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی ہجرت اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

کی روپوشی مسلمانانِ عالم کے لیے خداوند کائنات کا بہت بڑا انعام ثابت ہوئی۔ حضرت مولانا کیرانویؒ نے مکہ مکرمہ میں جامعہ صولتیہ کے نام سے اور حضرت نانوتویؒ نے ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے دینی مراکز قائم کر دیئے۔ جو آج تک مسلمانانِ عالم کے قلوب و اذہان کو علمی طور پر سیراب کر رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھتے ہوئے بانی دارالعلوم حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ

> دارالعلوم آزادی کی ایک چھاؤنی ہے، جس پر تعلیم کا پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ ہمارے جسم غلام سہی مگر ہماری روح کو آزاد رہنا چاہیئے۔ اس طرح ہم اگلے ستاون سے پہلے غیر ملکی غلامی کا خاتمہ کر دیں گے۔ (انشاء اللہ العزیز)

نامور مؤرخ جناب طفیل احمد منگلوری مرحوم فرماتے ہیں۔

> اوّل تو بالعموم تمام عربی مدارس حکومت کی نظروں میں مشتبہ تھے۔ مگر دیوبند کی طرف نظر عتاب بالخصوص اس وجہ سے تھی کہ اُن کے ہمدردوں میں متعدد اصحاب وہ تھے جن کی نسبت حکامِ وقت کا یہ خیال تھا کہ انہوں نے ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا تھا اور وہ مسلمانوں کا مذہبی جوش قائم رکھنے اور سرحد کے لوگوں (مجاہدین) سے تعلقات جاری رکھنے کے لیے یہ مدرسہ قائم کر رہے تھے۔ مدرسہ کے بانیوں میں سے کئی علماء ایسے تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں تحصیل شاملی ضلع مظفر نگر پر قبضہ کر لیا تھا۔ جسے انگریزوں کی فوج نے واپس لے لیا تھا۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص۲۰۹)

مشہور مؤرخ جناب شیخ محمد اکرام مرحوم فرماتے ہیں کہ

(۱) گذشتہ پچاس سال کے حالات دیکھتے ہوئے یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں کہ دیوبند نے قوم کی بڑی مذہبی اور علمی خدمت کی ہے۔ (موجِ کوثر ص۲۰۹)

(۲) دارالعلوم دیوبند نے بغیر کسی شور وغل (یعنی پروپیگنڈا۔ بشیرؔ) کے تھوڑی ہی مدت میں جو اعتبار و مرتبہ حاصل کر لیا ہے وہ اس کے منتظمین کی قابلیت اور نیک نیتی کا واضح ثبوت ہے اور انہیں اس پر فخر کا جائز حق ہے۔ (ایضاً ص۲۱۰)

(۳) اس کے علاوہ دارالعلوم (دیوبند) کو خوش قسمتی سے ایسے اساتذہ ملے، جنہوں نے قوم کی نظروں میں اس کا وقار بڑھا دیا مثلاً مولانا محمود الحسنؒ محدث، مولانا انور شاہ محدث

اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، یہ لوگ زہد و تقویٰ، راست گوئی اور بے ریائی اور بے حرصی میں اسلاف کے بہترین علماء و صلحاء کا نمونہ تھے۔ خود غرضیوں اور کج بحثوں سے قطعاً پاک، نتیجہ یہ کہ مخالفین بھی ان کی عزت کرتے۔ (ایضاً ص۲۰۹)

مصر کے جید عالم دین حضرت علامہ سید رشید رضا مصریؒ فرماتے ہیں۔

میں نے مدرسۂ دیوبند میں جس کو ازہر ہند کا خطاب دیا جاتا ہے ایک جدید علمی رجحان ترقی کرتے دیکھا۔ ہندوستان بھر میں میری آنکھوں کو ایسی ٹھنڈک کہیں حاصل نہیں ہوئی جیسی کہ مدرسۂ دیوبند میں حاصل ہوئی۔ اور نہ اتنی خوشی کہیں حاصل ہوئی جتنی وہاں اس کی وجہ صرف وہ غیرت و اخلاص ہے جو میں نے اس مدرسہ کے علماء میں دیکھا۔ اگر میں اس مدرسہ کو نہ دیکھتا تو ہندوستان سے بہت غمگین واپس جاتا۔

(بحوالہ الرشید کا دارالعلوم دیوبند نمبر ص۱۳)

امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ فرماتے ہیں

ہندوستان میں اسلامی تعلیمات کے اس عظیم ترین ادارہ میں نہ صرف یہ کہ اس ملک کے تمام حصوں سے بلکہ بعید ترین علاقوں مثلاً انڈونیشیا، ملایا، افغانستان، وسط ایشیاء اور چین سے طلباء کھینچے چلے آتے ہیں۔ اتنے وسیع رقبہ کے طلباء اور علماء میں اس کی مقبولیت اس کی عظمت و شہرت کی دلیل ہے۔ اس بناء پر یہ ادارہ صحیح معنی میں تعلیمات اسلامی کی ایک بین الاقوامی یونیورسٹی ہے۔

(ایضاً ص۱۳)

امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں

جس دیوبندی جماعت کا تعارف ہم کرانا چاہتے ہیں وہ اس دہلوی (یعنی ولی اللٰہی) بشیر جماعت کا دوسرا نام ہے جو مولانا محمد اسحاق دہلویؒ کی ہجرت کے بعد ان کے متبعین نے ان کی مالی اعانت اور ان کے افکار کی اشاعت کے لیے بنائی تھی۔

(مولانا عبید اللہ سندھیؒ ص۲۷۵ از پروفیسر محمد سرور)

نامور مؤرخ مولانا غلام رسول مہرؒ فرماتے ہیں۔

بزرگانِ دیوبند میں سے جن مقدس ہستیوں کو اوّلین درجۂ احترام و اعزاز حاصل ہے وہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی اس سرزمین کے آسمان پر درخشاں ستاروں کی طرح روشن ہیں۔ جو تاریکی کے وقت صحراؤں میں مسافروں اور سمندروں میں ملاحوں کو راستے بتاتے ہیں وہ اپنی زندگیوں میں علم و ہدایت کے مشعل بردار تھے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے پیچھے پاکیزہ عملی نمونے چھوڑ گئے۔ جو دلوں اور روحوں میں دینِ حق کے ولولے پیدا کرتے رہیں گے۔ خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسمؒ اور حضرت مولانا رشید احمدؒ کی تو ایک یادگار۔ دارالعلوم دیوبند ایسی ہے جو تقریباً ایک صدی سے پاک و ہند کی وسیع سرزمین میں دینی علوم کے قیام و بقار کا ایک بہت بڑا سرچشمہ رہی ہے۔ اس کی آغوش میں سینکڑوں ایسی مقدس ہستیوں نے تربیت پائی جن کے کارنامے دین و سیاست دونوں دائروں میں قابلِ فخر ہیں۔ اِن بزرگوں نے بھی ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں حصہ لیا تھا۔ (اٹھارہ سو ستاون کے مجاہد صـ۲۵۰)

ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں

دیوبند ایک ضرورت تھی۔ اس سے مقصود تھا ایک روایت کا تسلسل۔ وہ روایت جس سے ہماری تعلیم کا رشتہ ماضی سے قائم ہے۔ (اقبال کے حضور صـ۲۹۲)

(۴) علمار لدھیانہ اور تحریک آزادی

۱۔ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے پردادا حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ کا تعلق حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت سے تھا۔

(جنگ آزادی صـ۵۸۷ از محمد ایوب قادریؒ)

۲۔ انقلاب ۱۸۵۷ء میں مولوی عبدالقادر لدھیانویؒ نے مردانہ وار حصہ لیا۔ اس میں ان کے بڑے بھائی اور چاروں فرزندان مولوی سیف الرحمٰنؒ، مولوی محمدؒ، مولوی عبداللہ، اور مولوی عبدالعزیزؒ شریک رہے۔ مولوی عبدالقادرؒ کی قیادت اور ان کے خاندان کی شرکت کی وجہ سے لدھیانہ تحریک کا خاص مرکز بن گیا۔ (ایضاً صـ۵۸۸)

۳- پنجاب میں سب سے پہلے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانوی نے دیا۔ اور لدھیانہ میں متوازی گورنمنٹ قائم کی۔
(رئیس الاحرار صفحہ ۲۸ از عزیز الرحمٰن جامعی)

۴- حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانوی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران اپنے چاروں بیٹوں کے ہمراہ مسلمان مجاہدین کے فوجی دستوں کو لے کر انگریزی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے دہلی پہنچے۔ (ایضاً صفحہ ۵)

۵- گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے حضرت مولانا عبدالقادر لدھیانوی اور ان کے بیٹوں کی گرفتاری کے لیے ایک لاکھ روپے انعام مقرر کیا گیا۔ (ایضاً صفحہ ۶)

۶- خاندانِ لدھیانہ کی تمام املاک حتیٰ کہ مساجد تک نیلام کر دی گئیں۔ (ایضاً صفحہ ۱)

۷- حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے عہدِ برطانیہ میں اپنی ۵۴ برس کی عمر میں ساڑھے دس سال قید خانے میں گزارے۔ (ایضاً صفحہ ۳۱)

۸- مولانا عبدالقادر لدھیانوی کو انگریزوں سے دلی نفرت تھی۔ ڈپٹی کمشنر چاہتا تھا کہ آپ اعلیٰ عہدہ قبول کر لیں۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ مولانا کے حلقۂ اثر میں انقلابی تحریک پنجاب کے علاقہ میں پھل پھول رہی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں مولانا اور آپ کے فاضل بیٹوں نے سرگرم حصہ لیا۔ (ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء صفحہ ۱۱۸)

۹- مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی نے جب انگریز کے اشارہ پر مجدد و مامور من اللہ ہونے کا دعوےٰ کیا تو سب سے پہلے (۱۸۸۴ء میں) اس پر کفر کا فتویٰ علماء لدھیانہ نے دیا۔
(فتاویٰ قادریہ صفحہ ۳)

۱۰- انگریز کے اشارہ پر جب برصغیر کے غیر مقلدین نے چند فروعی مسائل کی آڑ میں برصغیر کی مساجدِ اسلامیہ میں فتنے برپا کیے۔ تقلید کو شرک، ائمہ مجتہدین کو کافر اور مقلدین کو مشرک قرار دیا گیا تو ان کے اس فتنے کے سدِباب کے لیے سب سے پہلے حضرت مولانا محمد لدھیانوی نے قلم اٹھایا اور انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد کے نام سے رسالہ تحریر فرمایا جس پر جید علماء نے دستخط کیے۔ (فتاویٰ قادریہ صفحہ ۵۲)

۱۱۔ جدوجہد آزادی کے لیے برصغیر کی مختلف اقوام کی مشترکہ جدوجہد کے لیے ۱۸۸۸ء میں علماء لدھیانہ نے کانگریس میں شرکت کے جواز کا فتویٰ جاری کیا جس پر دیگر سینکڑوں علماء کے علاوہ بریلوی حضرات کے اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خان بریلوی کے بھی دستخط موجود ہیں۔ یہ فتویٰ نصرۃ الابرار کے نام سے طبع ہو چکا ہے لیکن بعد کو جب انہیں ولی نعمت کی ناراضگی کا احساس ہوا تو افتاد طبع سے مجبور ہو کر جذبات میں آ کر حریت پسند لوگوں کے خلاف ان کہنی باتیں بھی برملا کہہ ڈالیں ؂

آئے تو یوں کہ جیسے ہمیشہ تھے مہربان
بھولے تو یوں کہ گویا کبھی آشنا نہ تھے

دورِ حاضر کے مؤرخ جناب فاروق قریشی صاحب تحریر فرماتے ہیں

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کا جنگ آزادی میں کردار سب کو معلوم ہے انہیں انگریز دشمنی وراثت میں ملی تھی ان کا تعلق علماءِ لدھیانہ کے اس خانوادہ کے ساتھ ہے جس کی کئی پشتیں برطانوی سامراج کے خلاف بنرد آزما رہیں ۱۸۵۷ء کے معرکہ میں اس خاندان کے مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ لشکر لے کر بہادر شاہ ظفر کی مدد کو دہلی پہنچے تھے، برطانوی سامراج کے ہندوستانی فرزندوں نے کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت کو از روئے اسلام ناجائز قرار دیا تو علی محمد بھیم جی کے استفسار پر ہندوستان بھر کے پانچ صد علماءِ حق نے کانگریس میں شمولیت کو از روئے اسلام جائز ٹھہرایا تھا یہ فتویٰ بعد میں نصرۃ الابرار کے نام سے (اخبار میں کاتب نے غلطی سے نعرۂ ابرار لکھا ہے۔ بشیر) ایک کتابچہ کی صورت میں طبع ہوا تھا، اس کی ترتیب و تدوین کا کام علماء لدھیانہ کے مولانا شاہ محمد لدھیانویؒ اور مولانا شاہ عبدالعزیزؒ (لدھیانوی۔ بشیر) نے کیا تھا آپ رشتہ میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے دادا تھے اس فتویٰ پر مولانا احمد رضا خان بریلوی کے علاوہ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے روضہ کے خادم اور مسجد نبوی کے امام کے دستخط بھی ثبت ہیں اس فتویٰ کو کانگریس کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے تمام مؤرخین

نے اس کا ذکر کیا ہے ہندوستان کے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اپنی تصانیف ہندوستان کی سیاسی تاریخ اور ہندوستان کا مستقبل میں اسے بطور خاص شامل کیا ہے

(مضمون تحریکِ آزادی میں مسلمانوں کا کردار اور بھارت کی احسان ناشناسی ۔
فاروق قریشی، اخبار جنگ لاہور ستمبر ۱۹۸۵ء)

شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس کو بھی عام فتووں کی طرح ایک فتویٰ سمجھا ہو مگر اس کے مضمرات اور نتائج انتہائی خطرناک تھے ان کا سامنا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی اس لیے جلدی ہی انہوں نے اپنا رخ بدل لیا اور اس پر عمل کیا ۔

سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار میں مجنوں　　کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

(۵) تحریکِ ریشمی رومال

برصغیر سے انگریزی اقتدار کے خاتمہ کے لیے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے ایک خفیہ انقلابی تحریک کا آغاز کیا جو تاریخ میں تحریک ریشمی رومال کے نام سے یاد کی جاتی ہے ۔ جس میں مسلمان اور ہندو دونوں شریک ہوتے ۔ مصر، حجاز، ترکی اور ہندوستان کی ممتاز شخصیات اس میں شامل تھیں ۔ خلافت عثمانیہ ترکی اور حکومتِ افغانستان سے خفیہ معاہدے ہوئے ۔ متوازی گورنمنٹ قائم کی گئی ۔ اور جنودِ ربانیہ کے نام سے فوج تشکیل دی گئی ۔

اس فوج کا ہیڈ کوارٹر مدینہ (منورہ) مقرر کیا گیا تھا ۔ عبید اللہ سندھی جرنیل مقرر کیے گئے تھے ۔ اس فوج کے تین معاون اور بارہ فیلڈ مارشل تھے اور محمود الحسن کو کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا تھا ۔ لیکن محمود الحسن جنگ کے دوران ہی گرفتار کر لیے گئے اور ایک مدت تک مالٹا کے علاقہ میں ایک پنجرے کے اندر قید رکھے گئے ۔ اس طرح یہ تمام سکیم ناکام ہو کر رہ گئی ۔

(تحریک آزادی ص۸۱ از ٹیکا رام سخن)

مالٹا کی اس اسارت میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا عزیز گل مدظلہ اور مولانا نصرت حسین شہید بھی حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ تھے ۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں جناب چوہدری خلیق الزمان مرحوم

کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

اس اسارت کے دوران حضرت شیخ الہندؒ کے بدن کو گرم سلاخوں سے داغا جاتا۔ اور انہیں تحریک آزادی سے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا۔ مگر شیخ الہندؒ نے ان تمام مصائب کے باوجود اپنے موقف آزادی میں کوئی لچک پیدا نہ کی۔ ان مصائب کا انکشاف حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد مولانا مدنیؒ نے کیا۔

(علماء حق اور ان کی مظلومیت کی داستانیں ص۷۵ از مفتی انتظام اللہ شہابی)

جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم فرماتے ہیں

آزادئ وطن کے جس جذبہ نے حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے قلب و جگر کو گرمایا تھا وہ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے پہلو میں ایک شعلہ بن گیا تھا۔ وہ اور ان کے رفقاء اور تلامذہ نے ہندوستان سے انگریزی حکومت کا اقتدار ختم کرنے کے لیے جن مصائب کا سامنا کیا تاریخ ہند کا کوئی دیانتدار مؤرخ ان بھلا نہ سکے گا۔

(تاریخ مشائخ چشت ص۲۳۴)

کسی نے حضرت شیخ الہندؒ کے بارے میں کیا ہی خوب کہا ہے۔ ؎

انہوں نے اس وقت سیاست میں قدم رکھا تھا
جب سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں
سرفروشوں کے لیے دار و رسن قائم تھے
خانزادوں کے لیے مفت کی جاگیریں تھیں

حضرت شیخ الہندؒ کی اسی تحریک کے بارے میں کہا گیا کہ

اگر یہ تحریک کامیاب ہو جاتی تو سمندر بھی انگریز کو پناہ نہ دیتے۔

ان حضرات کے استقلال و ہمت پہ قربان کہ انہوں نے آنے والی نسلوں کو عزم و استقلال کا سبق دیا۔ ؎

حادثاتِ وقت نے کتنا بدل ڈالا مزاج
خار کی آغوش میں بھی خندہ زن رہتے ہیں پھول

ریشمی رومال خطوط سازش کیس، انڈیا آفس لندن کے خفیہ ریکارڈ کی ایک جھلک

تحریک ریشمی رومال کے سلسلہ میں انڈیا آفس لندن میں جو ریکارڈ موجود ہے حضرت مولانا محمد میاں دہلوی نے وہ ریکارڈ لندن سے حاصل کر کے ریشمی رومال خطوط سازش کیس کے نام سے طبع کرا دیا ہے۔ جو پاکستان میں مکتبہ رشیدیہ لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس کے ضخیم مواد سے ایک ہلکی سی جھلک قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ تاکہ اندازہ ہو سکے کہ جن مجاہدین کو انگریز کا ایجنٹ ثابت کرنے کی سر توڑ کوششیں کی جا رہی ہیں وہ اپنے دشمن (انگریز) کی خفیہ رپورٹوں میں کیا تھے؟ ان رپورٹوں میں جن مشہور شخصیتوں کا ذکر ہے ان میں

۱۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (ریشمی رومال خطوط سازش کیس ص۳۲۰)

۲۔ اور پیر کامل حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری کا ذکر بھی ہے (ایضاً ص۳۶۹)

۳۔ امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد۔

دہلی کا باشندہ ہے۔ لیکن تعلیم عرب میں پائی ہے۔ انتہا درجہ میں اتحاد اسلامی کا حامی ہے نہایت کٹر انگریز دشمن ہے۔ بے حد متعصب ہے، دیوبند کی سازش جہاد کا نہایت سرگرم رکن ہے جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔ (ص۳۸۸)

۴۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری۔

اتحاد اسلامی کی سازش جہاد کا ایک سرگرم ممبر تھا۔ نظارۃ المعارف (دہلی) میں اس کی رہائش گاہ وقتاً فوقتاً سازشیوں کے لیے ملنے اور سازشیں گھڑنے کے لیے مرکز کا کام دیتی تھی۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ (ص۳۹۱)

۵۔ پیر طریقت حضرت مولانا غلام محمد دین پوری۔

ستمبر ۱۹۱۶ء میں اس کو گرفتار کیا گیا۔ کچھ عرصہ تک اسے جالندھر کے گاؤں نزحل میں پابند رکھا گیا تھا۔ اب وہ بہاولپور کے مقام دین پور میں ہے جہاں اس کی نقل و حرکت پہ پابندی ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔

(ص۴۲۴)

۶۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

مولانا محمود الحسنؒ کا یکا مرید، اور جہاد کا زبردست مبلغ ہے۔ شریف مکہ کے حکم سے ۲۰ دسمبر ۱۹۱۶ء کو مکہ میں اسے گرفتار کیا گیا تھا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔ (ص ۴۳۳)

۷۔ ازہر ہند۔ مادرِ علمی دار العلوم دیوبند۔

ریشمی رومال خطوط سازش کیس میں جو مولوی شامل ہیں تقریباً وہ سب اس مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ یہ مدرسہ اتحادِ اسلامی اور جہاد کے حامیوں کا گڑھ ہے۔ اور مولانا محمود الحسن نے اپنے زمانۂ صدر مدرسی میں جہاد کی جو تحریک شروع کی تھی اس کا مرکز بن گیا ہے۔ (ص ۴۴)

۸۔ شیخ الہند۔ اسیرِ مالٹا حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ۔

ہندوستان میں اتحادِ اسلامی کی سازش میں مولانا کی قائدانہ شخصیت بڑی سرکردہ ہے جنودِ ربانیہ کی فہرست میں جنرل ہیں۔ (ص ۴۴۲)

۹۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؒ

جنودِ ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔ دلی کے اخبار "کامریڈ" کا بدنام ایڈیٹر ہے۔ اتحادِ اسلامی کا آتش بیان حامی ہے۔ ترکوں سے زبردست ہمدردی رکھتا ہے۔ (ص ۴۵۰)

۱۰۔ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیریؒ

مدرسہ دیوبند کے ایک استاد کشمیری اور نامور عالم ہیں۔ دیوبند میں ان کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ جنگ بلقان کے زمانہ میں انہوں نے ہلالِ احمر کے لیے چندہ جمع کرنے میں جمعیۃ الانصار کی بڑی سرگرمی سے مدد کی۔ غیر ملکی مال کے بائیکاٹ کے بھی حامی تھے الخ (ص ۴۱۵)

۱۱۔ امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ۔

اس نے ریشمی رومال خطوط پر دستخط کئے ہیں۔ پہلے سکھ تھا۔ اس کا اصل نام بوٹا سنگھ ہے۔ اوائل عمر میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ جنودِ ربانیہ کی فہرست میں کابل میں قائم مقام

سالار ہے۔ (ص ۴۶۶)

۱۲۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔

بڑا فاضل مولوی ہے۔ اس نے ترکی کی امداد کے لیے چندہ جمع کرنے میں جنگ بلقان کے دوران بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ اور اسلامی سیاست میں زبردست دلچسپی لیتا ہے۔ مولانا محمود الحسن کی جہادی اسکیم کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے (ص ۴۷۶)

۱۳۔ امام الاولیاء حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ۔

سندھ میں دوسرے نمبر پر اس کا زبردست اثر ہے۔ کار دار میں نظر بند ہے۔ اس نے مولوی عبید اللہ (سندھی) کے فرار افغانستان میں اس کی مدد کی تھی۔ اس کے ہزاروں پیرو ہیں۔ جن میں بڑے بڑے زمیندار لیڈر۔ اور سرکاری ملازمین شامل ہیں۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں لیفٹیننٹ جنرل ہے۔ (ص ۴۸۱)

۱۴۔ مجاہد حریت حضرت مولانا محمد صادق صاحب سندھیؒ۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ (ص ۴۸۰)

۱۵۔ اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل مدظلہ، جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل دکھایا گیا ہے۔ (ص ۴۱۶)

جمعیۃ العلماء ہند کا قیام:۔

علماء کی اجتماعی جدوجہد کے لیے کسی تنظیم کا قیام ناگزیر تھا۔ چنانچہ اس ضرورت کے تحت ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ العلماء ہند کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے پہلے اجلاس (منعقدہ امرتسر) کی صدارت حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے کی۔ جمعیۃ العلماء کا قیام ان درج ذیل اغراض و مقاصد کی بنیاد پر عمل میں آیا۔

۱۔ اسلام۔ شعائر اسلام اور مسلمانوں کے مآثر و معابد کی حفاظت۔

۲۔ مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی۔ تمدنی اور شہری حقوق کی تحصیل و حفاظت

۳۔ مسلمانوں کی مذہبی تعلیمی اور معاشرتی اصلاح۔

۴۔ ایسے اداروں کا قیام جو مسلمانوں کی تعلیمی۔ تہذیبی اور معاشرتی (سوشل) زندگی کی ترقی و استحکام کا ذریعہ ہوں۔

۵۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انڈین یونین کے مختلف فرقوں کے درمیان میل جول پیدا کرنا اور اس کو مضبوط کرنے کی کوشش کرنا۔

۶۔ علوم عربیہ و اسلامیہ کا احیاء اور زمانۂ حال کے مقتضیات کے مطابق نظامِ تعلیم کا اجرا

۷۔ تعلیماتِ اسلامی کی نشر و اشاعت

۸۔ اسلامی اوقاف کی تنظیم و حفاظت

(بحوالہ جمعیۃ علماء ہند ص۴۸ تا ص۵۰ از مس پروین روزینہ)

مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کو جمعیۃ کا صدر اور حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ چنانچہ جمعیۃ العلماء نے مسلمانانِ ہند کے حقوق کے تحفظ اور آزادیٔ وطن کے لیے اپنی جدوجہد شروع کر دی۔ ۱۹۲۰ء کے اجلاسِ دہلی (جو شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی صدارت میں منعقد ہوا) میں جمعیۃ کی طرف سے ترکِ موالات کا یہ فتویٰ جاری کیا گیا کہ

مسلمانوں کے لیے ایسی ملازمت جس میں دشمنانِ دین (انگریز) کی اعانت و امداد ہو۔ اور اپنے بھائیوں کو قتل کرنا پڑے قطعاً حرام ہے۔

اس فتویٰ پر چار سو چوہتر علماء نے دستخط کیے۔ اس فتویٰ کے بعد خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء نے ترک موالات کی تحریک شروع کر دی۔ ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ کا یہ فتویٰ ضبط کر لیا گیا۔ مگر جمعیۃ نے قانون شکنی کر کے بار بار اسے شائع کیا۔ ۱۹۲۵ء میں جمعیۃ نے دہلی سے روزنامہ الجمعیۃ جاری کیا۔ جس نے تحریک آزادی میں ایک بھرپور کردار ادا کیا۔ ہندوستان کی کامل آزادی کا مطالبہ بھی سب سے پہلے جمعیۃ العلماء نے کیا۔ جب کہ اس وقت مختلف تنظیمیں اور افراد اس ذہن کے ساتھ کام کر رہے تھے کہ

مجھ کو مِل جائے چہکنے کے لیے شاخ میری کون کہتا ہے کہ گلشن میں نہ صیاد رہے

(۶) تحریکِ خلافت و ترکِ موالات

تحریکِ خلافت کی ہلکی سی جھلک گزشتہ اوراق میں جناب چوہدری خلیق الزماں مرحوم کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔ جب فرنگی اقتدار نے ترکی کی خلافتِ اسلامیہ کے خاتمہ کے لیے گورنر حجاز شریف حسین مکہ کو اپنے ساتھ ملا کر محاذ قائم کر لیا تو ہندوستان کے مسلمان خلافتِ اسلامیہ کے تحفظ کے لیے اقتدارِ برطانیہ کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ کی تحریک پر ملک بھر

کے تقریباً پانچ سو جید علماء نے خلافتِ ترکیہ کی حمایت اور مقامات مقدسہ (مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ وغیرہا) کے تحفظ کے لیے فتویٰ جاری کر دیا۔

چونکہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کے لیے خالص ایک مذہبی مسئلہ تھا۔ اس لیے ہندوؤں سے اس مسئلہ میں تعاون کی اُمید نہ تھی۔ چنانچہ خلافت کی اس تحریک کو مزید مضبوط کرنے اور ہندوؤں کو اس تحریک میں شریک کرنے کے لیے جمعیۃ العلماء ہند نے انتہائی حکمت عملی کے ساتھ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ کی تحریک پر سنہ ۱۹۲۰ء کے اجلاس میں دہلی میں حضرت شیخ الہندؒ کی صدارت میں انگریزوں کے ساتھ ترک موالات کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ فیصلہ یہ تھا کہ

موجودہ حالات میں گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ موالات اور نصرت کے تمام تعلقات اور معاملات رکھنے حرام ہیں۔ جس کے ماتحت حسبِ ذیل امور بھی واجب العمل ہیں۔

۱۔ خطابات اور اعزازی عہدے چھوڑ دینا۔

۲۔ کونسلوں کی ممبری سے علیحدگی اور امیدواروں کے لیے رائے نہ دینا

۳۔ دشمنانِ دین کو تجارتی نفع نہ پہنچانا۔

۴۔ دشمنانِ دین کی فوج میں ملازمت نہ کرنا اور کسی قسم کی فوجی امداد نہ دینا وغیرہ۔

اس فتویٰ اور فیصلے کے ساتھ ہی تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات ایک ساتھ شروع ہوگئیں اور ان میں مسلمان و ہندو برابر کے شریک تھے۔ چنانچہ ہزاروں علماء اور کارکن گرفتار ہوئے مگر تین مقدمات بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ مقدمہ کراچی

اس تحریک کے دوران کراچی کے خالق دینا ہال کا مشہور مقدمہ بغاوت قائم ہوا۔ جس میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مع ساتھیوں کے پیش ہوئے۔ مگر اس مقدمہ کے مجرموں حضرت مولانا مدنیؒ اور حضرت مولانا محمد علی جوہرؒ وغیرہ کو دو دو سال کی نظر بندی کی سزا ہوئی۔ (مقدمات و بیانات اکابر ص۲۲۹)

اس قدر سنگین جرم کی اتنی ہلکی سزا پر حضرت مولانا جوہرؒ بے ساختہ پکار اٹھے۔ ؎

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا　　　کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

اور حضرت مولانا مدنیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ؎

کھلونا جان کر نہ ہمیں توڑ دینا ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں
فرنگی کی فوجوں میں حرمت کے فتوے سر دار چڑھ کر بھی گائے ہوئے ہیں

نیز فرمایا کرتے تھے ؎

لیے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل شہید ناز کی تربت کہاں ہے

جناب مؤرخ فاروق قریشی صاحب لکھتے ہیں

مقدمہ کراچی تاریخ آزادی کے اہم واقعات میں شمار ہوتا ہے اس دونوں بھائیوں، (علی برادران) وغیرہ کے علاوہ مولانا حسین احمد مدنیؒ، ڈاکٹر سیف الدین کچلوؒ، پیر غلام مجددؒ، مولوی نثار (وغیرہ) ملزم تھے۔ اس مشہور مقدمہ کی سماعت کراچی کے خالق دینا ہال میں ہوئی۔ (تحریک آزادی میں مسلمانوں کا کردار اور بھارت کی لسان ناشناسی، از فاروق قریشی۔ اخبار جنگ لاہور ستمبر ۱۹۸۵ء)

۲۔ مقدمہ کلکتہ:۔

اس تحریک کا دوسرا مقدمہ بغاوت کلکتہ میں قائم ہوا۔ جس میں حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کو (خلاف توقع) ایک سال قید کی سزا دی گئی۔ (ایضاً ص۴۵۱)

اس قدر سنگین جرم کی پاداش میں اس قدر ہلکی سزا پر حضرت مولانا آزادؒ کی بیوی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

میرے شوہر مولانا ابوالکلام آزادؒ کے مقدمہ کا فیصلہ آج سنا دیا گیا۔ انہیں صرف ایک سال قید کی سزا دی گئی۔ یہ نہایت تعجب انگیز طور پر اس سے بدرجہا کم ہے جس کے سننے کے لیے ہم تیار تھے۔ اگر سزا اور قید قومی خدمات کا معاوضہ ہے تو آپ تسلیم کریں گے کہ اس معاملہ میں بھی ان کے ساتھ سخت ناانصافی برتی گئی ہے۔ یہ تو کم سے کم بھی نہیں ہے جس کے وہ مستحق تھے۔ (ایضاً ص۴۶۳)

جناب مؤرخ فاروق قریشی صاحب لکھتے ہیں

کہ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنے ہم عصر سیاست دانوں سے پہلے اس وادی پرخار میں

قدم رکھا الہلال کی تحریروں نے گذشتہ صدی کے جمود کو توڑ کر رکھدیا، انہوں نے مسلمان نوجوانوں کے جذبات اور خواہشات کی ترجمانی کی اُن کی مُردہ رگوں میں زندگی کی نئی لہر دوڑادی۔ (تحریکِ آزادی میں مسلمانوں کا کردار، مضمون بالا)

حضرت مولانا آزادؒ فرمایا کرتے تھے کہ

آزادئ ہند کے محل کی تعمیر میں گارے کی جگہ میرا خون اور اینٹوں کی جگہ میری ہڈیاں کام آجائیں تو میرے لیے اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہوگی۔

نیز فرماتے تھے کہ ؎

عشق و آزادی متاعِ زیست کا سامان ہے — عشق میری جان آزادی میرا ایمان ہے

عشق پر کردوں فدا میں اپنی ساری زندگی — لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے

(۳) مقدمۂ امرتسر

اس تحریک کا تیسرا مقدمہ امرتسر میں قائم ہوا۔ جس میں امیرِ شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو تین سال قید کی سزا دیکر میانوالی جیل بھیج دیا گیا۔

(کاروانِ احرار صـ ۱۳۶/۱ ج ۱ از مرزا جانباز)

اس سزا پر حضرت امیرِ شریعتؒ نے اس طرح اظہارِ حیرت فرمایا کہ

؎ دار کے حقدار کو قیدِ سہ سالہ ملے
ہائے قسمت مشکل آساں ہوتے ہوتے رہ گئی

(سواطع الالہام صـ ۶۹ مجموعۂ کلام حضرت امیرِ شریعتؒ)

تحریکِ خلافت ایک مذہبی تحریک تھی۔ کیونکہ مسئلہ خلافت خالص ایک مذہبی مسئلہ تھا۔ جیسا کہ ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں کہ

مسئلہ خلافت ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے۔ (اقبال کا ذہنی ارتقاء صـ ۹۴)

مسلمانوں کی اس مذہبی تحریک میں بعض ہندو بھی ترکِ موالات کی صورت میں برابر کے شریک رہے، لیکن بدقسمتی سے برصغیر میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے نہ صرف اس تحریک کی مخالفت کی بلکہ اس تحریک میں حصہ لینے والے راہنماؤں پر کفر کے فتوے جاری کیے ان لوگوں

کے پیشوا مولوی احمد رضا خان بریلوی تھے، جیسا کہ اوراقِ گذشتہ میں جناب چوہدری خلیق الزمان مرحوم کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں ۔۔۔ کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

لطیفہ :۔ سلطان عبدالعزیز بن سعودؒ کی حکومت کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں

میں حجاز کی موجودہ صورتِ حالات سے پورے طور پر مطمئن ہوں اور ابن سعود پر بدون تذبذب اعتماد رکھتا ہوں۔ میری رائے میں سلطان نجد ایک روشن خیال آدمی ہے

(اقبال کا ذہنی ارتقاء ص۱۲۵)

علامہ اقبالؒ اور جمہور اہل اسلام کے برعکس مولوی مصطفیٰ رضا خاں بریلوی کا نظریہ بھی قابلِ دید ہے مصطفیٰ رضا خاں صاحب نے سلطان ابن سعودؒ کے دورِ حکومت میں مسلمانانِ عالم پر فرضیتِ حج کے ساقط ہونے کا فتوٰے جاری کر دیا۔ چنانچہ مولوی مصطفےٰ رضا خاں صاحب لکھتے ہیں کہ :

جب یہ معلوم ہوگیا تو ہم یہ کہتے ہیں اور بجزم و یقین کہتے ہیں کہ آج جب کہ حجازِ مقدس میں ابن سعود، منحوس و نامسعود و مخذول و مطرود و مردود اور اس کے ہمراہیان نامحمود کا نجس ورود ہے۔ اور حسب بیان سائل فاضل و دیگر کثیر حضرات حجاج وفی الحال امان مفقود ہے۔ فرضیت ساقط ہے یا ادا غیر لازم ہے۔

(تنویر الحجہ ص۹ بحوالہ بریلوی کا فتوٰے ص۱۳۴)

تکفیر مسلم ہی ہے جن کا مشغلہ تم دیکھنا
عنقریب انکا بھی اب یوم حساب آجائے گا

<u>تلون مزاجی یا ابن الوقتی</u> :۔ سلطان ابن سعودؒ کے بارے میں مولوی مصطفےٰ رضا خاں صاحب بریلوی کا فتوٰی آپ نے ملاحظہ فرما لیا۔ اب خان صاحب کے موجودہ حواریوں کا فیصلہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حرمین شریفین میں سعودیہ حکومت نے خانصاحب بریلوی کے ترجمہ قرآن (کنز الایمان) اور مفتی نعیم الدین مراد آبادی کے حواشی (خزائن العرفان) پہ اُن کی کثیر اغلاط۔ باطل نظریات اور اہلسنت والجماعت کے مخالف عقائد کی وجہ سے پابندی عائد کر دی سعودیہ حکومت کا یہ ایمان افروز فیصلہ پاک و ہند کے بریلوی حضرات پہ بجلی بن کر گرا۔ انہوں نے پاک و ہند کے دیگر شہروں کی طرح بلادِ مقدسہ (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) کو بھی (وہاں

فتنہ وفساد مچانے کے لیے) کھلے شہر قرار دینے کا مطالبہ کر دیا۔ یہ مطالبہ حیرت انگیز حد تک مضحکہ خیز تھا۔
چنانچہ اس سلسلہ میں پاکستان سے ممتاز بریلوی سجادہ نشین خواجہ حمید الدین سیالوی صاحب نے ایک مکتوب سعودیہ حکومت کے حکمران شاہ فہد بن عبد العزیز کے نام جاری کیا۔ یہ مکتوب (عربی اور اردو دونوں زبانوں میں) ماہنامہ ضیائے حرم لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔ اس مکتوب کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں۔

> مرحوم ومغفور الملک الفیصل پہلے اسلامی راہنما تھے جنہوں نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور ان کی بکھری ہوئی صفوں کو منظم کرنے کی ضرورت کا احساس کیا۔ انہوں نے عالم اسلام کے گوشہ گوشہ میں بسنے والے تمام مسلمانوں کو اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہونے کی دعوت دی۔ انہوں نے بڑی بلند آواز سے یہ فریاد کی۔ اور یہ فریاد ان کے شفیق اور کریم دل کی گہرائیوں سے بلند ہوئی تھی...... صد حیف کہ اس فرمانروا کو اپنی زندگی کا عظیم مقصد پورا کرنے سے پہلے موت کا پیغام آگیا...... اور وہ جانکاہ اور بابرکت کوششیں جو ملک فیصل اور ان کے دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت کرنے والے بھائی نے کیں اور جواب ان کے خلف الرشید جلالۃ الملک فہد بن عبد العزیز اطال اللہ بقاۂ وادام سلطنۃ بڑی گرمجوشی سے کر رہے ہیں الخ
>
> (ماہنامہ ضیائے حرم لاہور اعلیحضرت بریلوی نمبر جنوری ۱۹۸۳ء ص۱۷۵ و ص۱۷۶)

فرزندِ ارجمند خاں صاحب بریلوی کے شاہ ابن سعود پر فتوی کفر اور موجودہ بریلوی حضرات کی طرف سے شاہ ابن سعود کی اولاد کے ساتھ اس قدر گہری عقیدت یقیناً قارئین کے لیے باعث تعجب وحیرت ہوگی۔ خواجہ حمید الدین صاحب اور ان کے ہمنوا بریلوی علماء سے ہمارا سوال یہ ہے کہ

۱۔ آپ کے نزدیک سلطان ابن سعود مسلمان تھا یا کافر؟ اور اس کے دورِ حکومت میں مسلمانوں پر حج ساقط تھا یا نہیں؟

۲۔ اگر وہ مسلمان تھا (اور یقیناً مسلمان تھا) اور اس کے دورِ حکومت میں مسلمانوں پر حج ساقط نہیں تھا تو پھر اسے کافر کہنے والے اور حج ساقط قرار دینے والے اپنے اعلیٰ حضرت بریلوی کے فرزند کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کہ مسلمان پر کفر کا فتویٰ دینے اور ایک فرض شرعی کو بلاوجہ ساقط قرار دینے کی وجہ سے وہ مسلمان ہیں یا کافر؟

۳۔ اگر سلطان ابن سعودؒ کافر تھا اور اس کے دورِ حکومت میں مسلمانوں پر حج ساقط تھا تو کیا اس کی اولاد نے (جس کی مدح وتعریف میں آپنے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے) اپنے باپ کے عقائد کفریہ سے رجوع کر لیا ہے کہ جس کی بناء پر آپ انہیں نہ صرف مسلمان بلکہ عالمِ اسلام کا ہمدرد وغمخوار قرار دے رہے ہیں ؟

۴۔ اور اگر انہوں نے اپنے باپ کے عقائد ونظریات سے رجوع نہیں کیا (اور یقیناً نہیں کیا) تو کیا آپ اپنے اعلیٰ حضرت کے فتوٰی کے مطابق کافر کو مسلمان قرار دینے کی وجہ سے کافر قرار نہیں پائیں گے ؟ اور کیا آپکے اعلیٰ حضرت کے فتوٰی کے مطابق ان کے دورِ حکومت میں مسلمانوں پر حج ساقط نہیں تھا ؟

۵۔ اور اگر اپنے باپ کے کفریہ عقائد ونظریات (بزعم خانصاحب بریلوی) کو ترک کیے بغیر اور ان سے رجوع کیے بدون وہ آپ کے نزدیک مسلمان ہیں تو شاہ ابن سعودؒ پر آپ کے اعلیٰ حضرت کا فتوٰی کہیں اس کی انگریز دشمنی کی وجہ سے تو نہیں تھا ؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کے پیشِ نظر بریلوی حضرات کی دوغلی پالیسی عوام الناس کے اذہان میں کھٹکتی ہے اور وہ بے ساختہ یہ سوال کر گزرتے ہیں کہ ؎

جن کو دعوٰی ہے بیاباں کو سنوارا ہم نے ان سے پوچھو کہ اجاڑے ہیں گلستاں کس نے ؟

(۷) تحریک ختم نبوت

اربابِ برطانیہ نے ہندوستان میں اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے اور مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ جہاد ختم کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی کو منصبِ نبوت پر بٹھا دیا۔ اور اس سے تنسیخ جہاد کے الہامی (خدائی نہیں بلکہ شیطانی اور برطانوی الہامی) فتوے جاری کرائے۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے

۱۸۸۴ء میں مجدد و مامور من اللہ ہونے کا دعوٰی کیا۔

۱۸۹۰ء میں مثیلِ مسیح ہونے کا دعوٰی کیا

۱۸۹۱ء میں مہدی موعود ہونے کا دعوٰی کیا

۱۹۰۱ء میں غیر تشریعی نبوت کا دعوٰی کیا اور جہاد کے منسوخ ہونے کا الہامی حکم سنا دیا۔

اور ۱۹۰۴ء میں مثیلِ کرشن ہونے کا دعوٰی کیا۔

یہ مرزا قادیانی کے تدریجی دعاوی کی ایک جھلک ہے۔ لیکن قادیانی کے پہلے دعویٰ کے فوراً بعد ہی علماء لدھیانہ نے اس کے سیاسی عزائم کا اندازہ کر کے اس پر کفر کا فتویٰ دیدیا۔ قادیانی پر یہ سب سے پہلا کفر کا فتویٰ تھا۔ اگرچہ ابتداءً بعض علماء نے حقیقتِ حال واضح نہ ہونے کی وجہ سے اختلاف کیا (بلکہ بعض نے مخالفت بھی کی) لیکن بعد میں تمام علماءِ امت کا اس فتویٰ کفر پر اجماع ہو گیا۔ چنانچہ ایک طرف مرزا قادیانی انگریزی اقتدار کے سائے میں اپنی نبوت کو پروان چڑھا رہا تھا اور دوسری طرف مسلمانانِ برصغیر کے دلوں میں جذبۂ ایمانی سے سرشار ایک تحریک پنپ رہی تھی۔ جس تحریک نے کبھی تو قائدین احرار کو قادیان میں قادیانیت کے خلاف سینہ سپر کر دیا۔ اور کبھی حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے خطیبِ ملت کو پھانسی کے تختہ پر لٹکانے کے فیصلہ تک پہنچا دیا۔ کبھی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کو پابند سلاسل کروایا اور کبھی حضرت مولانا علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ کو وکیلِ اسلام کی حیثیت سے عدالت بہاولپور میں قادیانیت کے خلاف لا کھڑا کیا۔

اکابرینِ علماءِ دیوبند کی انہی قربانیوں کے زیرِ اثر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی قیادت میں ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوت نے جنم لیا۔ دس ہزار جانثارانِ ختمِ نبوت شہید ہوئے ہزاروں مجاہدینِ ناموسِ مصطفےٰ گرفتار ہوئے (سیدی وسندی ومرشدی ومولائی حضرت قبلہ والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہٗ اس تحریک میں نو ماہ تک ملتان سنٹرل جیل میں نظر بند رہے۔ اور حضرت عمی المکرم مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی مدظلہٗ چھ ماہ تک ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں نظر بند رہے) لیکن اس وقت کے پاکستانی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان (قادیانی) کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی۔ لیکن آنے والے وقت کے لیے اس تحریک نے ایک راہ متعین کر دی۔

چنانچہ ۱۹۷۴ء میں یہ تحریک ایک بار پھر انگڑائی لے کر بیدار ہوئی۔ اور حضرت مولانا علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں یہ تحریک فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ اور ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستانی پارلیمنٹ نے مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والوں (لاہوری اور قادیانی دونوں گروپوں) کو غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا پارلیمنٹ کا یہ معرکہ بھی مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور مجاہدِ ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے بڑی جرأت و استقامت سے سر کیا اگر یہ حضرات پارلیمنٹ میں جرأت و استقامت کا مظاہرہ نہ کرتے تو شاید حالات ۱۹۵۳ء سے مختلف نہ ہوتے۔

ربوہ جو پاکستان میں قادیانیوں کا مرکز اور قادیانی اسٹیٹ تھا۔ اور کسی مسلمان کو بلا اجازت اس شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی ۱۹۷۴ء کی تحریک کے نتیجے میں جب اسے کھلا شہر قرار دیا گیا، تو مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی نے عظیم الشان جمعہ پڑھا کر قادیانیت کے اس مرکز میں ختم نبوت کا پرچم لہرایا۔ اب بفضلہ تعالیٰ اسی شہر میں کئی مراکز ختم نبوت کا پرچار کر رہے ہیں پھر ۱۹۸۳ء میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے موجودہ امیر حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ کی قیادت میں تیسری مرتبہ تحریک چلی یہ تحریک مسلسل ایک سال جاری رہی، بالآخر صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء کو ایک آرڈیننس جاری کیا جس میں تحریک کے مطالبات تسلیم کرتے ہوتے قادیانیوں کو مسلمان کہلانے، اذان دینے، اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہنے اور اسلامی شعائر کے استعمال کرنے سے روک دیا۔ نیز انکی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگادی گئی۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران داڑھیاں منڈھوا کر بھاگنے والوں، تحریک سے روپوش ہو کر جانے بچانے والوں اور معافیاں مانگ کر رہائی حاصل کرنے والوں کا موجودہ تحریک میں بھی کردار کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔ یارسول اللہ کانفرنسوں اور فرقہ وارانہ جلسوں کی آڑ میں تحریک ختم نبوت کو ناکام بنانے اور قادیانیت کو تقویت پہنچانے کی سرتوڑ کوششیں ہو رہی ہیں، مگر بحمداللہ تعالیٰ علماء دیوبند فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی میں پہلے بھی پیش پیش رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ العزیز آئندہ بھی پیش پیش رہیں گے۔ کیونکہ کفر اور قادیانیت دونوں جڑواں بہن بھائی ہیں۔ بقول حضرت مولانا ظفر علی خان مرحوم ؎

قادیانیت سے پوچھا کفر نے تو کون ہے   ہنس کے بولی آپ ہی کی دلربا سالی ہوں میں

اور نیز فرمایا ؎

کاشتا مقصود ہے جس سے شجر اسلام کا   قادیاں کے لندنی ہاتھوں میں وہ آری بھی دیکھ

اور یہ بھی فرمایا ؎

مسیلمہ کے جانشین گرہ کٹوں سے کم نہیں   کترکے جیب لے گئے پیغمبری کے نام سے

(۸) تحریکِ دفاعِ اسلام

اس تحریک کے ضمن میں تین محاذ تھے۔ اوّل ردِ عیسائیت کا۔ ثانی ردِ آریہ سماج کا۔ اور ثالث تبلیغ اسلام کا کہ مغربیت اشتراکیت اور جہالت کا شکار ہو کر نام کے مسلمان اسلام سے بیزار تھے۔

محاذِ اوّل ۔ ردِّ عیسائیت

ہندوستانی باشندوں کو زبردستی عیسائی بنانے کی مہم ارباب برطانیہ کی طرف سے کافی زور پکڑ چکی تھی ۔ اور اس کے لیے عیسائی مشنریوں کو پورے ملک میں پھیلا دیا گیا تھا ۔ اربوں روپے کی رقم ان مشنریوں کے اخراجات کے لیے گورنمنٹ برطانیہ برداشت کرتی تھی ۔ یورپ سے عیسائی مبلغین ومناظرین کی کھیپ مہیا کی گئی اور قریب تھا کہ عوام الناس کے ایمان عیسائی مشنریوں کی تند وتیز لہروں کی نذر ہو جاتے مگر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، حضرت مولانا ابو المنصور دہلویؒ اور حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن دیوبندیؒ جیسے علماء امت عیسائیت کے خلاف میدان عمل میں اتر آئے ۔ مناظرے اور مباحثے ہوئے اور ہر محاذ پر عیسائی مناظرین کو ان علماء کے سامنے عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا ۔ یہاں تک کہ یورپ کا سب سے بڑا عیسائی مناظر فنڈر ان علماء کے سامنے تادیر نہ ٹھہر سکا اور ملک چھوڑ کر بھاگ گیا (مزید تفصیلات کے لیے سند العلماء سیدی وسندی ومرشدی ومولائی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ کا جامع رسالہ "بانی دار العلوم دیوبند" ملاحظہ فرمایئے)

محاذِ ثانی ۔ ردِّ آریہ سماج

سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان پر عیسائیت کے بھرپور حملہ کو دیکھ کر ہندو پنڈتوں کو بھی جوش آیا اور وہ بھی مناظرہ ومباحثہ کے جدید ہتھیاروں سے لیس ہو کر مسلمانوں کے ایمان پر حملہ آور ہو گئے یہ حملہ بھی اس قدر شدید تھا کہ اگر علماء امت اس حملہ کی راہ میں رکاوٹ نہ بنتے تو عوام الناس کے ایمان کی کشتی یقیناً ڈگمگا جاتی ۔ لیکن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے شاگردوں نے ایک طرف عیسائیت کا زور توڑا اور دوسری طرف ہندو پنڈتوں کے اٹھائے ہوئے فتنہ کا منہ موڑا ۔

محاذِ ثالث ۔ تبلیغ اسلام

اسلام جہاں لَا اِلٰہ کی تعلیم سے معبودانِ باطلہ کی نفی وتردید کرتا ہے وہاں اِلَّا اللہ کے الفاظ سے معبودِ حقیقی کا اثبات بھی کرتا ہے ۔ اور نفی واثبات کی یہی کشمکش بعثتِ انبیاء کا بنیادی مقصد ہے اور اس کشمکش کو ختم کر کے پوری نوعِ انسانی کو معبودانِ باطلہ کے در سے ہٹا کر معبودِ حقیقی کی چوکھٹ پر لانا اسلام کا فلسفۂ حیات ہے ۔ اسلام کے اسی فلسفۂ حیات کے پیش نظر عہدِ حاضر میں عہدِ ماضی کی طرح جہاں لَا کے فلسفہ سے فرقِ باطلہ کی تردید ضروری تھی وہاں اِلَّا کے فلسفہ

سے مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی پختگی اور غیر مسلموں کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے تبلیغ اسلام بھی ناگزیر تھی۔ چنانچہ اس ضرورت کو مبلغِ اسلام حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ نے پورا کیا۔ اور تبلیغی جماعت کی بنیاد رکھی۔

یہ تبلیغی جماعت تمام تر فرقہ وارانہ کشیدگیوں سے اپنے دامن کو بچا کر مصروفِ عمل ہوئی۔ اور اس جماعت کی مخلصانہ محنت و کاوش ہی کا اثر و نتیجہ ہے کہ پوری دنیا میں تبلیغی جماعت کے مخلص و بے لوث حضرات دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی ملک اور کوئی علاقہ اس تحریک کے مخلص و بے لوث مبلغین سے خالی نہیں، ہزاروں غیر مسلم اس تحریک کی جدوجہد کے زیر اثر دائرۂ اسلام میں اور لاکھوں مسلمان ان مبلغین کے بے لوث کردار کے زیر اثر دائرۂ عمل میں داخل ہو چکے ہیں۔ اپنے خرچہ پر، کٹھن اور مشکل راستوں کی صعوبتیں برداشت کر کے۔ سینکڑوں اور ہزاروں میل کا سفر پیدل طے کر کے اللہ تعالیٰ کے دین کو قریہ قریہ، بستی بستی، نگر نگر، شہر شہر اور ملک ملک پہنچانے کا فریضہ ادا کرنے کی یہ مثال تاریخ اسلام میں زمانۂ خیر القرون کے بعد شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔ اس تحریک نے گھروں میں شاہانہ زندگی بسر کرنے والے نازک مزاج شہزادوں کے دلوں میں بھی دین کی وہ فکر پیدا کر دی کہ وہ اپنا تمام آرام و سکون قربان کر کے بستر اپنے کندھوں پر اٹھا کر دینِ اسلام کی فکر میں ملکوں ملکوں کی خاک چھاننے لگے۔

اس تحریک کی مخلصانہ کاوشوں کے زیر اثر دنیا میں اپنے گھروں میں سینکڑوں اور بیسیوں نوکروں چاکروں پر حکم چلانے والوں کو ٹاٹ گوندھتے، ہنڈیا پکاتے اور جماعت کے لیے کھانا تیار کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ دفتروں میں حاکمانہ رعب جھاڑنے والوں کو مخالفین کی گالیاں اور الزام تراشیاں برداشت کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ گویا اس تحریک نے حاکم و محکوم۔ امیر و غریب اور آقا و غلام کے درمیان اخوتِ اسلامی کا وہ عملی نقشہ دکھا دیا کہ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

پاکستان میں رائے ونڈ کا سالانہ تبلیغی اجتماع (جو کہ حج کے بعد دنیا کا سب سے بڑا اسلامی اجتماع ہوتا ہے) اس تحریک کی مخلصانہ محنت و کاوش کا زندہ ثبوت ہے۔ جس میں بغیر کسی اشتہار اور تحریری پروپیگنڈہ کے لاکھوں فرزندانِ توحید ہر سال شریک ہوتے ہیں۔ اس تحریک کی بین الاقوامی اہمیت و حیثیت

بیان کرتے ہوئے جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم فرماتے ہیں کہ
باطنی اصلاح و تربیت کے لیے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں دو بزرگوں کی کوششیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح، حاجی صاحب کے خلیفہ تھے۔ نصف صدی سے زیادہ انہوں نے ایک پرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے گوشہ میں بیٹھ کر مسلمانوں کی زندگی کے مختلف گوشوں میں اصلاح کا کام کیا۔ لیکن مولانا تھانوی رح کی تحریک میں وہ وسعت اور گہرائی نہ پیدا ہو سکی جو مولانا محمد الیاس رح کی دینی تحریک کو حاصل ہوئی۔
مولانا محمد الیاس رح مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے مرید تھے۔ جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ نے انہیں عنایت فرمایا تھا اس کی مثال اس عہد میں مشکل سے ملے گی۔ گزشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا۔ جس طرح مولانا محمد الیاس رح نے کیا تھا۔ (تاریخ مشائخ چشت ص ۲۳۴)

مشہور بریلوی روحانی راہنما جناب صاحبزادہ غلام نظام الدین مرولوی فرماتے ہیں
تبلیغی جماعت کی کوششیں بے حد مخلصانہ ہیں۔ لیکن اس کے نتائج خاطر خواہ برآمد نہیں ہو رہے۔ (ہو المعظم ص ۲)

اس کے نتائج خاطر خواہ کیسے ہوں۔ (بقول خواجہ صاحب) جب کہ بریلوی حضرات کی طرف سے اس کی سر توڑ مخالفت ہو رہی ہے۔ ان کے بستر اور سامان اٹھا کر مسجدوں سے باہر پھینک دیے جاتے ہیں ان پر وہابیت کے الزام عائد کر کے ان کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں۔
افادہ: خواجہ غلام نظام الدین مرولوی بریلوی حضرات کے مشہور روحانی راہنما ہیں۔ مگر اس کے باوجود انصاف پسند بھی ہیں۔ اگرچہ اپنی کتاب (ہو المعظم) میں متعدد مقامات پر علماء دیوبند کے بعض نظریات پر گرفت بھی کی ہے۔ لیکن ان کے یہ فرمودات قابلِ دید بلکہ قابلِ داد ہیں قارئین کی ضیافت طبع کے لیے پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں آپ (مولانا خواجہ ضیاء الدین سیالوی) دارالعلوم دیوبند میں بھی تشریف لے گئے۔ پیر انور شاہ صاحب کاشمیری رح اس وقت شیخ الحدیث تھے

حضرت سیالویؒ کی آمد پر شاہؒ صاحب نے گھنٹی بجوا کر طلباء میں چھٹی کا اعلان کیا۔ تاکہ استقبال میں وہ بھی شریک ہو سکیں۔ حضرتؒ کو بیٹھنے کے لیے شاہ صاحبؒ نے اپنی مسند پیش کی۔ حضرتؒ احتراماً اس پر نہ بیٹھے کہ یہ مقام آپ کا ہے۔ چنانچہ مسند خالی پڑی رہی۔ اور شاہ صاحبؒ حضرت کے سامنے مؤدبانہ طور سے دوزانو ہاتھ باندھ کر بیٹھے رہے۔ پھر شاہ صاحبؒ نے حضرتؒ سے تلقین وارشاد کی التماس کی۔ آپ نے گھنٹہ بھر تقریر فرمائی۔ پھر آپ نے دارالعلوم کے لیے دو سو روپے کا عطیہ دیا۔ شاہ صاحبؒ نے آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند اور تمام عالمِ اسلام کی کامرانی کے لیے دعا فرمائی ..... پس معلوم ہوا کہ اکابرین میں بنیادی اختلافات نہ تھے بلکہ رشتۂ اخوت ومودت فی مابین استوار تھا۔ (صنـ۴۰ ص۴۱)

۲ بریلوی حضرات نے ہر اذان سے متصل پہلے یا بعد میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ کر دیا ہے جس طرح آج معاشرے میں نہ خالص دودھ ملتا ہے، نہ خالص گھی، اسی طرح خالص اذان سے بھی ہم گئے۔ مطالعہ کی کمی کی وجہ سے میرے پاس کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔ البتہ قیاس غالب ہے کہ شیعہ حضرات نے بھی شروع شروع میں اذان کے بعد حضرت شیرِ خداؓ کی منقبت میں چند جملوں کا اضافہ کیا ہوگا۔ جو بعد میں رفتہ رفتہ مروّج ہو کر ان کی اذان کا مستقل حصہ قرار پا لیا۔ اب بریلوی حضرات جس اذان کو رواج دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، اس پر ذرا غور فرمائیں! اس دور میں جو بچے پیدا ہوں گے، آگے چل کر وہ اس صلوٰۃ وسلام والے اضافی جملوں کو اذان کا لازمی حصہ سمجھیں گے، ادھر دوسرے لوگ یہ کہیں گے کہ حضرت بلالؓ تو یہ اذان نہیں کہتے تھے لہٰذا ان کا اضافہ یقیناً بدعت ہے۔ بریلوی صاحبان عام طور سے خود کو پیر پرست ظاہر کرتے ہیں۔ اور اولیاء اللہ کی خانقاہوں کا دفاع وہ اپنے ذمہ لیتے ہیں۔ سیال شریف میں آج تک وہی اذان ہوتی ہے جو حضرت بلالؓ کے نام سے منسوب ہے۔ ۱۶ رمضان ۱۳۹۸ھ بروز منگل میں سیال شریف حاضر تھا۔ ظہر اور عصر کی نماز باجماعت ادا کرنے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی۔ دونوں وقت میں نے آستان شریف پر بلالی اذان ہی سنی۔

بریلویوں کی اس ہٹ دھرمی کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں گروہوں میں ذہنی منافرت بڑھتی جائے گی۔ حالانکہ ٹھنڈے دل سے سوچیں تو بنیادی عقائد دونوں گروہوں کے ایک ہی ہیں۔ میرے ذاتی خیال میں بریلوی حضرات ناموس مصطفٰےؐ کی توقیر نہیں کر رہے بلکہ رسولؐ کی محبت کی بجائے دیوبندیوں کے خلاف فرقہ وارانہ تعصب کی پرورش پر زیادہ کوشش و محنت سے کام کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ مذہب میں ایک داخلی انتشار کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ لہٰذا، اذان کے معاملہ میں بریلویوں کے اس تصرّف کی نہ ہم تحسین کرتے ہیں اور نہ ہی تائید۔

(ص۴۲، ص۴۳)

۳۔ (مولانا خواجہ غلام سدید الدینؒ مرولوی نے) دورہ شریف ایک سال کی مدت میں حضرت مولانا سلطان محمود صاحب پیلانویؒ سے پڑھا۔ حضرت مولانا (پیلانوی) صاحب پیر انور شاہ صاحب کاشمیریؒ کے ہمدرس تھے۔ اور دارالعلوم دیوبند میں ذہین ترین طالب علم شاہ صاحبؒ اور دوسرے نمبر پر مولانا پیلانویؒ شمار ہوتے تھے۔ (ص۳۹)

۴۔ برصغیر کے مذہبی اور روحانی طبقوں میں پریس کی اہمیت سب سے پہلے اہل دیوبند نے محسوس کی۔ یہ ان کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی تھی۔ ساتھ ہی انہوں نے معاشرہ میں اردو زبان کے پھیلاؤ کا صحیح اندازہ لگا لیا۔ چنانچہ عوامی استفادہ کے لیے مذہبی مواد کو آسان اردو زبان میں پیش کرنے کی تحریک کا آغاز دارالعلوم دیوبند سے ہوا۔ (ص۱۱۱)

۵۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جب بہشتی زیور کی تالیف کی تو بعض سربرآوردہ علماء و فضلاء کے پاس تقریظ کے لیے بھیجی تو انہوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ اس وجہ سے کہ یہ کتاب آسان ترین اردو زبان میں تھی۔ اور اس میں منشیانہ تقسیم کا مرصع و مسجع اسلوب نہ تھا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہی کتاب مذہبی لٹریچر میں ایک اعلیٰ پائے کا متن شمار ہوتی ہے۔ (ص۱۱۲)

لطیفہ: اس مقام پر بریلوی حضرات کے حکیم الامت مفتی احمد یار خان گجراتی کے ان اشعار کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ جس میں انہوں نے دیوبندیوں اور بریلویوں کا فرق بیان فرمایا ہے

آپ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں۔ واحسرتا ؎

اہل سنّت بہر قوالی و عُـرس　　　دیوبندی بہر تصنیفات و درس

خرچ سنّی بر قبور و خانقاہ　　　خرچ نجدی بر علوم و درس گاہ

(دیوان سالک صفحہ ۵۴ از مفتی احمد یار خان صاحب)

مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی اس دینی تحریک سے کفار و مشرکین اور مبتدعین یکساں طور پر خائف ہیں اور ان کی طرف سے اس خالص دینی تحریک پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ دن بدن شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ لیکن ؎

عُرفی تو میندیش ز غوغائے رقیباں　　　آوازِ سگاں کم نکند رزقِ گدا را

(۹) تحریکِ کشمیر

کشمیری مسلمانوں کے لیے اقتدار برطانیہ کے زیر اثر کشمیر کے ہندو راجاؤں کے آمرانہ قوانین کی وجہ سے کشمیری مسلمان ہمیشہ جور و جفا اور ظلم و استبداد کی چکی میں پستے رہے، بالآخر مسلمانوں کے مظلومانہ جذبات اچانک انگڑائی لے کر بیدار ہوئے۔ اور ظلم و استبداد کی زنجیریں توڑنے کے لیے بیتاب ہو گئے۔ کیونکہ حالات نے مسلمانوں کو یہ سبق دے دیا تھا کہ ؎

زورِ بازو آزما شکوہ نہ کر صیّاد سے　　　آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

کشمیری مسلمانوں کے اس بڑھتے ہوئے، ہیجان و اضطراب سے گورنمنٹ برطانیہ کو ایک نئی تحریک کا سامنا کرنے کا خدشہ پیدا ہوا۔ تو اس تحریک اور ہیجان کو ختم کرنے کے لیے گورنمنٹ کے خفیہ اشاروں پر ایک کشمیر کمیٹی تشکیل دی گئی۔ مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کو اس کمیٹی کا صدر بنا دیا گیا۔ اس کمیٹی میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم بھی شامل تھے۔ اس صورتحال کے پیش نظر حضرت مولانا امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی قیادت میں احرار کا ایک وفد علامہ اقبال مرحوم سے ملا، اور کہا کہ

کیا آپ نے بھی قادیانی قیادت کو تسلیم کر لیا ہے؟ اگر آپ کی دیکھا دیکھی کشمیر کے بتیس ۳۲ لاکھ مسلمان قادیانی ہو گئے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ مجرم ہوں گے۔ نیز قادیانی دوسرے اسلامی ممالک میں مسلمانوں پر بھی گمراہ کن اثر کریں گے

لہٰذا آپ ان سے علیٰحدگی کا اعلان کریں۔ چنانچہ علامہ اقبال مرحوم نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے مرزا بشیر الدین کو کمیٹی کی صدارت سے الگ کر دیا۔ اور خود اس کی جگہ کمیٹی کی صدارت سنبھال لی۔ (کاروانِ احرار ص ۱۸۲/۱ از جانباز مرزا)

لیکن کشمیر کمیٹی پر قادیانیت کے اثرات بہت گہرے چھا چکے تھے، اور علامہ اقبالؒ کی صدارت بھی ان اثرات کو زائل نہ کر سکی۔ چنانچہ اسی دوران علامہ اقبالؒ نے حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی تو آپ نے یہ کہہ کر دعوت کو مسترد کر دیا کہ

آپ نے مرزائیوں کی خود ساختہ (کشمیر) کمیٹی کی صدارت قبول کر کے اپنا اسلامی عقیدہ مشکوک کر لیا ہے۔ لہٰذا آپ جب تک اسے درست نہیں کرتے ہیں آپ کے ہاں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ نے کمیٹی کی صدارت بلکہ رکنیت سے بھی استعفیٰ اد ے دیا۔ (ایضاً ص ۳۴۷/۱)

ان واقعات سے علماءِ دیوبند کے جذبۂ ایمانی اور علامہ اقبالؒ کی ان کے ساتھ محبت و عقیدت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد پنجاب کے زندہ دل مسلمانوں نے مجلس احرارِ اسلام کی قیادت میں اپنے مسلمان کشمیری بھائیوں کی حمایت میں تحریک شروع کر دی۔ چالیس ہزار مسلمان اس تحریک میں گرفتار ہوئے۔ سینکڑوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اور بالآخر کشمیر کی ڈوگرہ حکومت کو مسلمانانِ پنجاب و کشمیر کے جذبۂ ایمانی کے سامنے جھکنا پڑا۔ اور کشمیری مسلمانوں نے اس آمرانہ نظام سے نجات حاصل کی مگر انگریز کے کاسہ لیسوں کے کان پہ جوں بھی نہ رینگی ؎

دوسروں کے درد کا احساس ہوتا ہے کسے
ہنس دیا کرتے ہیں گل شبنم کو روتا دیکھ کر

تحریک کشمیر مجلس احرارِ اسلام کا ایک ایسا بے مثال کارنامہ ہے جسے کوئی دیانتدار مؤرخ نظر انداز کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ تحریک کشمیر کے علاوہ تحریک مدح صحابہؓ (جو لکھنؤ کے روافض کی تبرا ایجی ٹیشن کے جواب میں چلائی گئی) اور تحریک مسجد شہید گنج لاہور وغیرہ تحریکیں بھی مجلس احرارِ اسلام کا لازوال کارنامہ شمار ہوتی ہیں۔ اگرچہ بظاہر ان تحریکات میں انہیں

خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی مگر ؎

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں   وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

بندہ چندہ بندی کی تحریک

جناب فاروق قریشی صاحب لکھتے ہیں

احرار نے دوسری جنگ عظیم کے پھوٹ پڑنے کے صرف ایک ہفتہ بعد فوجی بھرتی بائیکاٹ "نہ بندہ دیں گے نہ چندہ دیں گے" کا نعرہ بلند کر کے پورے برعظیم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا، انہیں جرأت مندی کی بڑی (بھاری اور) گراں قیمت ادا کرنی پڑی حکومت نے ستم رانیوں کے تمام حربے احرار پر آزمائے انہوں نے بڑی شجاعت اور جوانمردی سے جبر واستبداد کا سامنا کیا برطانوی عدالتوں سے انصاف کی توقع کو سراب وخیال قرار دیا اپنی صفائی پیش کرنے سے انکار کیا اور طویل المیعاد سزائیں قبول کر لیں۔ انہیں جنگ کے خاتمہ پر رہائی نصیب ہوئی تحریک کشمیر میں صرف پنجاب سے چالیس ۴۰ ہزار افراد جیلوں میں گئے۔

(تحریک آزادی میں مسلمانوں کا کردار اور بھارت کی احسان ناشناسی۔ فاروق قریشی

اخبار جنگ لاہور ستمبر ۱۹۸۵ء)

ان میں سے ہر ایک بے باک مجاہد باطل قوتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ کہتا رہا ؎

گئے وہ دن کہ ہمیں زندگی کی حسرت تھی   فضول قتل کی دیتا ہے دھمکیاں صیاد

(۱۰) تحریک قیام پاکستان

ابتداء میں حضرات علماء کرام کو ملک کے تقسیم کرنے میں تردد تھا کہ بغیر کسی دینی مقصد کے وسیع تر ملک کا تقسیم ہونا پسندیدہ امر نہیں ہے لیکن محترم قائد اعظم کی طرف سے قرآن وسنت کے مطابق اور خلافت راشدہ کے طرز پر حکومت قائم کرنے کے اعلان اور کوشش سے وہ مطمئن ہو گئے ہم یہاں اختصاراً صرف دو حوالے عرض کرتے ہیں

۱۔ جناب قائد اعظم نے فرمایا۔

میں دیانت داری اور خلوص دل کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت پر ایمان رکھتا ہوں اور اسے اچھا سمجھتا ہوں میں مسلمان لیڈروں پر اعتماد کرنے کے لیے بھی بالکل تیار ہوں لیکن قرآن وحدیث

کے احکامات اور ہدایات کا کیا کیا جائے؟

مسلمان رہنما انہیں مسترد نہیں کر سکتے تو کیا پھر ہمارا مستقبل تاریک ہے؟ مجھے اُمید ہے کہ ایسا ہرگز نہیں اھ (خطبۂ صدارت قائدِ اعظم محمد علی جناح آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور، مارچ ۱۹۴۰ء)

ان واضح الفاظ میں قائدِ اعظمؒ نے مسلمانوں کے مستقبل کو قرآن وحدیث کے احکامات اور ہدایات سے وابستہ کیا ہے اور دیانت داری اور خلوص دل سے یہ فرمایا ہے ہیں لہٰذا جو لوگ اب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قائدِ اعظمؒ پاکستان کو قرآن وحدیث اور نظامِ اسلام سے الگ رکھ کر ایک لادین اور سیکولر حکومت بنانا چاہتے تھے بالکل غلط ہے۔

۲۔ بزرگ سیاستدان اور پرانے مسلم لیگی جناب سردار شوکت حیات خان صاحب کا بیان ہے سردار شوکت حیات نے کہا کہ قائدِ اعظمؒ مسلمان تھے قرآن مجید کا مطالعہ کرتے تھے مولانا شبلی نعمانیؒ کی کتاب الفاروق کی دوسری جلد کا انگریزی ترجمہ انہوں نے شریف الدین پیرزادہ سے کرایا انہوں نے کہا تھا کہ وہ پاکستان میں حضرت فاروق اعظمؓ کا نظام عدل لانا چاہتے ہیں (بلفظہٖ)

(اخبار جنگ لاہور ص۲ کالم ۴، ۲۱ اگست، ۴ ذوالحجہ ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء)

محترم جناب قائدِ اعظمؒ کے ایسے واضح بیان اور نظریہ سے علماء کرام مطمئن ہو گئے اور پوری تندہی کے ساتھ پاکستان بنانے میں ساعی ہوئے کہ کیا بعید ہے کہ قرآن وحدیث اور خلافت راشدہ کا سنہری دور پھر عود کر آئے۔ اور تمام باطل ازموں سے اُکتائی ہوئی دنیا اس کے سایۂ عاطفت میں سکون وعافیت پائے ؎

عجب کیا ہے کہ بیڑا غرق ہو کر پھر اُبھر آئے — کہ ہم نے انقلابِ چرخ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں

مسلم لیگ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے الگ مملکت کے حصول کی جدوجہد کا آغاز ہوا تو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے خلفاء ومریدین مسلم لیگ کی حمایت کے لیے کمربستہ ہو گئے کیونکہ مسلم لیگ مسلمانوں کے لیے الگ مملکت کا وہی پروگرام اور مقصد لے کر میدان میں آئی تھی جو کافی عرصہ پہلے سے حضرت تھانویؒ کے قلب وفکر میں پرورش پا رہا تھا۔ جیسا کہ تعمیرِ پاکستان کے حالات میں لکھا ہے کہ

جون ۱۹۲۸ء میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادی تھانہ بھون میں حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ دل یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر اسلامی حکومت ہو۔ سارے قوانین وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو۔ الخ (تعمیر پاکستان اور علماء ربانی ص۴۱ از منشی عبدالرحمٰن)

حضرت تھانویؒ کی قلبی آرزو اور دیرینہ خواہش کے مطابق جب مسلم لیگ میدان میں نکلی تو حضرت تھانویؒ کے ارشاد پر، حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد اسحاق مانسہرویؒ اور دیگر ہزاروں علماء حضرت تھانویؒ کی قیادت و سرپرستی میں مسلم لیگ کی حمایت کے لیے عملی جدوجہد میں مصروف عمل ہو گئے۔ چنانچہ۔

۱۔ ۱۹۳۶ء کے سہارنپور کے الیکشن میں حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کے امیدوار مولوی منفعت علی وکیلؒ کی حمایت کا فتویٰ دیا۔ (افادات اشرفیہ ص۶۶ از مفتی محمد شفیعؒ)

۲۔ ۱۹۳۶ء میں ہی مولانا شوکت علی خان مرحوم ڈابھیل میں علامہ عثمانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلم لیگ کے لیے امداد کی درخواست کی۔ تو علامہ عثمانیؒ نے ایک ہزار روپیہ چندہ جمع کر کے دیا۔ (تجلیات عثمانی ص۶۶۳ از پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹیؒ)

۳۔ ۱۹۳۷ء کے جھانسی کے الیکشن میں حضرت تھانویؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے مسلم لیگ کی حمایت میں فتویٰ دیا۔ اسی فتویٰ کے اثر سے مسلم لیگ کا امیدوار کامیاب ہوا۔ اور اس کامیابی کا جشن تھانہ بھون میں حضرت تھانویؒ کی خانقاہ میں منایا گیا۔ جلسہ عام ہوا۔ جس میں تقریباً دس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔ مولانا شوکت علی خان مرحوم نے تقریر کی۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے حضرت تھانویؒ کی نمائندگی کی اور جلسہ میں حضرت تھانوی کا یہ پیغام پڑھ کر سنایا کہ۔

میں دل سے آپ کے ساتھ ہوں۔ اور مسلم لیگ کے مقاصد حسنہ سے متفق اور اس کی

ترقی و بہبود کے لیے دعاگو ہوں۔ (مولانا تھانویؒ اور تحریک آزادی ص۱۲۸ از پروفیسر احمد سعید)

۴۔ ۱۹۳۷ء میں ہی آلہ آباد مسلم لیگ کے سیکرٹری جناب احسان الحق نے مولانا تھانویؒ سے دریافت کیا کہ مسلمانوں کے لیے مسلم لیگ میں شمولیت مناسب ہے یا کانگریس میں فرمایا! میری رائے میں مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہیئے۔ (ایضاً ص۸۷)

۵۔ ۱۹۳۷ء میں ہی حضرت تھانویؒ نے بارہ ۱۲ سوالات مرتب کر کے زعما مسلم لیگ کو روانہ کیے۔ جن کے جوابات سید ذاکر علی صاحب جوائنٹ سیکرٹری مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ تے جناب نواب محمد اسماعیل خان صاحب صدر مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ اور جناب سید حسن ریاض صاحب اور دیگر اراکین کے مشورہ سے تحریر کیے جوابات موصول ہونے کے بعد حضرت تھانویؒ نے علی الاعلان مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ (افادات اشرفیہ ص۶۴)

چنانچہ اسی پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ کے ممبر جناب حسن ریاض صاحب فرماتے ہیں کہ

مسلم لیگ کی تحریک کے آغاز ہی میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے صوبہ مسلم لیگ یوپی کے صدر کو جو نواب اسماعیل خان مرحوم تھے۔ ایک استفسار بھیجا۔ جسمیں غالباً گیارہ (بارہ۔ بشیر) سوالات تھے۔ یوپی مسلم لیگ کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا۔ حضرت مولانا مرحوم کو بالکل اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے دائرہ اثر کے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ مسلم لیگ میں شریک ہوں جن میں بہت سے صاحب تبحر علماء بھی تھے۔ (پاکستان ناگزیر تھا ص۲۷۵)

۶۔ ۱۹۳۸ء میں حضرت تھانویؒ نے مولانا شبیر علی تھانویؒ سے فرمایا

میاں شبیر علیؒ! ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جاویں گے۔ (انشاء اللہ) (تعمیر پاکستان ص۶۴)

۷۔ جون ۱۹۳۸ء کو مسلم لیگ بمبئی کے اجلاس میں شرکت کے لیے حضرت تھانویؒ نے حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی قیادت میں ایک وفد تشکیل دیا مگر عین

وقت پر علامہ عثمانی اپنی والدہ محترمہ کی شدید علالت کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے ۔
(تعمیر پاکستان ص۶۹ تجلیات عثمانی ص)

۸۔ ستمبر ۱۹۳۸ء کو لکھنؤ میں حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ
میں نے جو اعلان کیا ہے اس میں مسلم لیگ کی حمایت کی ہے۔ اور میں مسلم لیگ کا حامی ہوں ۔ (اسعد الابرار ص۱۲۰ از مولانا ابرار الحق حقی)

۹۔ دسمبر ۱۹۳۸ء میں حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ پٹنہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ کی قیادت میں ایک وفد بھیجا ۔
(مشاہدات و واردات ص۱۱۸)

ممتاز مسلم لیگی راہنما اور آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ممبر جناب جمیل الدین احمد فرماتے ہیں کہ پٹنہ کے مسلم لیگ کے اجلاس میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک تحریری بیان مسلم لیگ کی تائید میں تقسیم ہوا تھا۔ (مولانا تھانویؒ اور تحریک آزادی ص۱۲۵)

۱۰۔ قائد اعظم مرحوم نے حضرت تھانویؒ کو خط لکھا کہ
میں یہ معلوم کر کے بہت خوش ہوا ہوں کہ آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کے مقصد اور پروگرام سے پوری ہمدردی ہے ۔ (مجالس حکیم الامتؒ ص۲۸۷ از مولانا مفتی محمد شفیعؒ)

۱۱۔ ۱۹۳۸ء میں مولوی منفعت علی وکیلؒ ممبر مسلم لیگ سہارنپور کے ایک خط کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک رسالہ "تنظیم المسلمین" کے نام سے طبع فرمایا۔ (افاداتِ اشرفیہ ص۷)

۱۲۔ ۱۹۳۹ء میں حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کی حمایت میں "الطریق الامم فی شرائط اتحاد الامم" کے نام سے رسالہ شائع فرمایا۔ (ایضاً ص۷۰)

۱۳۔ اپریل ۱۹۴۳ء کے مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں حضرت تھانویؒ کو شرکت کی خصوصی دعوت دی گئی ۔ مگر علالت کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے ۔ اور اس اجلاس کے تقریباً تین ماہ بعد ۲۰ جولائی کو قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے ۔ (ایضاً ص۹۸)

۱۴۔ نومبر ۱۹۴۳ء کے مسلم لیگ کے اجلاس میں حضرت تھانویؒ کی وفات پر تعزیتی قرارداد

منظور کی گئی۔ جس میں حضرت تھانویؒ کی دینی و سیاسی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ان کی وفات کو مسلمانانِ ہند اور بالخصوص مسلم لیگ کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا گیا۔ (مولانا تھانویؒ اور تحریکِ آزادی ص۱۵۹)

۱۵۔ نومبر ۱۹۴۵ء کے الیکشن سہارنپور میں حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے مسلم لیگ کے حق میں فتویٰ دیا۔ اور اسی فتویٰ کے اثر سے مسلم لیگ کے امیدوار نوابزادہ لیاقت علی خان مرحوم کامیاب ہوئے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے لیگ کی حمایت میں پورے علاقہ کا دورہ کیا۔ حالانکہ لیاقت علی خان مرحوم کے مقابلہ میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ایک رشتہ دار محمد احمد صاحب کاظمی کانگریس کے امیدوار تھے مگر آپ نے رشتہ داری اور تعلقات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے لیگ کی حمایت کے لیے دورہ کیا۔ کامیابی حاصل کرنے کے بعد نوابزادہ لیاقت علی خان مرحوم نے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو مبارکباد کا تار بھیجا۔ (تعمیرِ پاکستان ص۱۲۸ تا ص۱۳۲)

۱۶۔ دسمبر ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ میرٹھ کے اجلاس کی صدارت حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے کی۔ (تجلیاتِ عثمانی ص۶۸۵)

۱۷۔ مارچ ۱۹۴۶ء میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے یہ فتویٰ دیا کہ

اس وقت مسلمان کانگریس اور اس کی امدادی جماعتوں سے بالکل علیحدہ رہ کر صرف مسلم لیگ کی حمایت کریں۔

اس فتویٰ پر دیگر علماء کرام کے علاوہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے بھی دستخط موجود ہیں۔ (مولانا تھانویؒ اور تحریکِ آزادی ص۲۰)

۱۸۔ مرکزی اور صوبائی انتخابات کے بعد مسلم لیگ کے لیے دشوار ترین مرحلہ صوبہ سرحد اور سلہٹ (بنگال) کے ریفرنڈم کا تھا۔ پیر صاحب مانکی شریفؒ نے قائد اعظم مرحوم کو خط لکھا کہ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے لیے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا دورہ کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ ملک میں ان کا مذہبی حیثیت سے بہت کچھ اثر قائم ہو چکا ہے۔ ان علاقوں کے پیشِ نظر قائد اعظم مرحوم نے علامہ عثمانیؒ سے اس مہم کو سر کرنے کی درخواست کی اور علامہ عثمانیؒ نے پشاور، ایبٹ آباد،

مانسہرہ، کوہاٹ، بنوں، مردان اور قبائلی علاقوں کا کامیاب دورہ کیا۔ اسی دورہ کے نتیجہ میں مسلم لیگ نے صوبۂ سرحد کے ریفرنڈم میں بے مثال کامیابی حاصل کی۔

اسی طرح سلہٹ کے ریفرنڈم میں قائد اعظم مرحوم نے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو منتخب فرمایا۔ اور مولانا عثمانیؒ نے سلہٹ کا کامیاب دورہ کر کے رائے عامہ کو مسلم لیگ کے لیے ہموار کیا۔ اور بے مثال کامیابی حاصل کی۔

(تجلیات عثمانیؒ ص۶۹۳ تا ص۶۹۶)

صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے دشوار ہونے کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں، سرحد کے ریفرنڈم میں پانچ سو سے زیادہ علماء و مشائخ کو جیلوں میں جانا پڑا۔ (خطبۂ صدارت جمیعۃ علماء اسلام ڈھاکہ کانفرنس فروری ۱۹۴۹ء)

۱۹۔ ۹ر جون ۱۹۴۷ء کو دہلی میں مشترک ہندوستان کی اسمبلی کے مسلم ممبران کا ایک اہم اجتماع ہوا، جس میں علامہ عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع کو بطور خاص مدعو کیا گیا

(تعمیر پاکستان ص۱۴۹)

۲۰۔ قائد اعظم مرحوم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کے ساتھ علماء بھی ہیں تو آپ نے فرمایا۔ مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے۔ جس کے علم و تقدس و تقویٰ کو اگر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور تمام علماء کا علم و تقدس و تقویٰ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو اس کا پلڑا بھاری ہوگا۔ وہ مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں۔ مسلم لیگ کو ان کی حمایت کافی ہے اور کوئی موافقت کرے یا نہ کرے ہمیں پرواہ نہیں۔ (ایضاً ص۹۲ ذکر دار قائد اعظم ص۴۷ از منشی عبدالرحمٰن)

۲۱۔ مولانا نصر اللہ خان عزیز لکھتے ہیں کہ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تحریک پاکستان کو مسلمانوں میں مقبول بنانے میں اور بھی کئی عناصر کار فرما تھے۔ مگر اس تحریک کو مذہبی تقدس بخشنے والی ذات مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تھی۔ اگر وہ بھی ادھر نہ آتے تو عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانا مشکل تھا کہ یہ تحریک مذہبی درجہ رکھتی ہے، اس مقصد کا اعتبار قائم کرنے کے لیے مولانا شبیر احمد عثمانی رح

کی حمایت سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوئی۔ (تجلیات عثمانی ص۶۹۷)

۲۲۔ ۱۹۴۷ء میں برصغیر کے دو جید اولیاء اللہ کی پیش گوئیوں کی تکمیل ہوئی اور ملک آزاد ہوا۔ پہلے ولی اللہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ

دیوبند آزادی کی ایک چھاؤنی ہے۔ جس پر تعلیم کا پردہ ڈال دیا گیا۔ ہمارے جسم غلام سہی مگر ہماری روح کو آزاد رہنا چاہیئے اس طرح ہم اگلے ستاون (۵۷) سے پہلے غیر ملکی غلامی کا خاتمہ کر دیں گے۔ انشاء اللہ العزیز

چنانچہ حضرت نانوتویؒ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور آئندہ ستاون (۵۷) سے دس سال قبل ہی ۱۹۴۷ء میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ ملک غیر ملکی غلامی سے آزاد ہو گیا۔ سچ ہے۔ کہ ولی کے منہ سے جو نکلی تھی بات ہو کے رہی۔

دوسرے ولی اللہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں جنہوں نے ۱۹۳۸ء میں فرمایا تھا کہ ہوا کا رُخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہوں گے (انشاء اللہ تعالیٰ) حضرت تھانویؒ کی یہ پیشین گوئی بھی حرف بحرف درست ثابت ہوئی اور لیگ ۱۹۴۷ء میں ایک الگ مسلم مملکت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اس کامیابی میں مسلم لیگ حضرت تھانویؒ اور ان کے ہزاروں متعلقین اور لاکھوں متوسلین کی شب و روز کی کاوش و محنت کی مرہون منت ہے۔

حضرت تھانویؒ کے متعلقین کی اسی مخلصانہ جدوجہد کے زیر اثر قیام پاکستان کے بعد پاکستانی پرچم کی پرچم کشائی کے سلسلے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی میں حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ڈھاکہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا انتخاب ہوا۔ ان دونوں بزرگوں نے قومی پرچم کی افتتاحی پرچم کشائی فرمائی۔ (تعمیر پاکستان ص۱۶۰ وکردار قائد اعظم ص ـــ)

۲۳۔ علامہ عثمانیؒ متحدہ ہندوستان میں سلہٹ سے صوبائی الیکشن میں مرکزی ہندوستانی قانون ساز اسمبلی کے ممبر ہوئے تھے اسی حیثیت سے پاکستان کی مرکزی اسمبلی

کے بھی ممبر بنے۔ (تجلیات عثمانی ص۶۹۹)

۲۴۔ قائد اعظم مرحوم نے وصیت فرمائی کہ میری نماز جنازہ حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی پڑھائیں چنانچہ وصیت کے مطابق یہ جنازہ علامہ عثمانیؒ نے پڑھایا۔ (کردار قائد اعظم ص۲۷۹)

۲۵۔ حضرت تھانویؒ کی مسلم لیگ کے لیے خدمات اور زعماء مسلم لیگ کے نزدیک حضرت تھانویؒ کی عزت و احترام کا اعتراف بریلوی حضرات کو بھی ہیں۔ چنانچہ

(۱) بریلوی حضرات کے مقتدر عالم مولوی ابوالبرکات سید احمد قادری مسلم لیگ کے خلاف اپنے طویل فتویٰ میں فرماتے ہیں کہ

مرتد تھانوی کو لیگیوں کی تقریروں میں شیخ الاسلام اور حکیم الامت کہا جاتا ہے، اشرف علی زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ (الجوابات السنیہ ص۳۲)

(۲) بریلوی حضرات کے شیر بیشہ سنت مولوی حشمت علی قادری رقمطراز ہیں کہ

تھانوی کو لیگیوں کی تقریروں اور تحریروں میں شیخ الاسلام تھانہ بھون کہا جاتا ہے۔ حکیم الامت لکھا جاتا ہے۔ لیگ کے اجلاس میں تھانوی کا پیغام خاص اہتمام و احترام سے لیا اور سنا جاتا ہے۔ تھانوی کے مرید مظہر الدین شیر کوٹی کو جو دہلی میں قتل کیے گئے ان کو شہید ملت کا خطاب دیا جاتا ہے۔ لیگ کے جلسہ میں حضرت مولانا اشرف علی زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں (احکام نور شرعیہ بر مسلم لیگ ص۲۱)

(۳) بریلوی حضرات کے ایک اور روحانی پیشوا مولوی اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہری (یاد رہے کہ بریلویوں کے اعلیٰ حضرت خانصاحب بریلوی کا پیر خانہ مارہرہ شریف ہے۔ فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں ص۴۲ از پروفیسر مسعود احمد۔ نیز لکھا ہے کہ خان صاحب بریلوی شاہ آل رسول مارہری سے بیعت تھے۔ اور اپنے پیر خانہ کا اس درجہ ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ مارہرہ اسٹیشن سے خانقاہ برکاتیہ تک برہنہ پا تشریف لاتے۔ ماہنامہ ضیاء حرم اعلحضرت بریلوی نمبر جنوری ۱۹۸۲ء ص۱۴) لکھتے ہیں کہ اور جب لیگی فخر سے کہتے ہیں کہ کیا حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لیگ کے حامی نہیں ہیں۔ اور تو اور اکثر علماء دیوبند لیگ میں موجود ہیں۔ اور جب لیگی جلسہ میں

حضرت مولانا اشرف علی زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ اور جب لیگ کی خاص کمیٹی میں تھانوی کو عملاً باتیازِ خصوصی (دعوت نامہ) دیا جاتا ہے کہ وہ اس میں نمائندہ شریک ہو۔ (مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری ص۱)

بریلوی حضرات کے لیے اگر دیگر شہادتیں قابلِ قبول نہ ہوں تو کم از کم اپنے اعلیٰ حضرت کے پیر خانہ کی یہ شہادتیں تو انہیں تسلیم کر لینی چاہئیں کہ

حضرت تھانویؒ کو زعمار لیگ کے ہاں انتہائی عزت و احترام حاصل تھا اور اکثر علمار دیوبند لیگ میں موجود تھے۔

اور جہاں تک مسلم لیگ کے ساتھ بریلوی حضرات کے سلوک کا تعلق ہے تو اس کی مختصر داستان اوراقِ گذشتہ میں گذر چکی ہے۔ ۱۹۴۶ء میں جب مسلم لیگ تمام محاذوں پر واضح کامیابی حاصل کر چکی تو اس ابن الوقت ٹولہ نے آنے والے حالات میں اپنی بے بسی و بے کسی کو چھپانے کے لیے بنارس سنی کانفرنس کا ڈھونگ رچایا۔ اور یہ ڈھونگ رچانے کے بنیادی سبب دو تھے۔

اوّل: جمعیۃ علمارِ اسلام کا قیام

مسلم لیگ کی حمایت کرنے والے علماء دیوبند نے تحریکِ پاکستان میں علمار کی اجتماعی جدوجہد کے لیے علمار کی ایک مستقل تنظیم کو ناگزیر سمجھا۔ تاکہ علمار کی انفرادی جدوجہد کو اجتماعی جدوجہد میں تبدیل کر کے قیامِ پاکستان کے لیے لڑے جانے والے آخری معرکہ (مرکزی و صوبائی انتخابات) میں منظم طور پر اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو پورا کیا جا سکے، چنانچہ اس ضرورت کے تحت۔

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمعیۃ علمارِ اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ (تجلیاتِ عثمانی ص۶۶۶)

جمعیۃ علمارِ اسلام کے قیام کے بعد علمار کی اجتماعی جدوجہد نے مسلم لیگ کو بہت سی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا۔ اس سلسلہ میں جمعیۃ علمار اسلام کے تحت ہندوستان کے مختلف حصوں میں متعدد کانفرنسوں کا انعقاد ہوا۔ جن میں ایک کانفرنس جنوری ۱۹۴۶ء کو اسلامیہ کالج لاہور کی گراؤنڈ میں منعقد ہوئی جس میں علامہ عثمانیؒ نے اپنا تاریخی خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔ جو "ہمارا پاکستان" کے عنوان سے طبع بھی ہو چکا ہے۔ (تجلیاتِ عثمانی ص۶۸۷) ان کانفرنسوں نے ملک بھر میں ایک تہلکہ

مچادیا۔ ایک طرف ان کانفرنسوں کے اثر سے کانگریس پریشان تھی اور دوسری طرف بریلوی حضرات کو علماء دیوبند کا بڑھتا ہوا سیاسی ومذہبی وقار کھٹکنے لگا۔ چنانچہ علماء دیوبند کے اس سیاسی ومذہبی وقار کو ختم کرنے کی فکر میں بنارس سنی کانفرنس کا ڈھونگ رچایا گیا۔ حالانکہ بریلوی علماء اگر تحریک پاکستان کے معاملہ میں مخلص ہوتے تو انہیں بنارس کا یہ اجتماع (جو اپریل ۱۹۴۶ء میں ہوا) منعقد کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ بلکہ وہ علماء کے مستقل پلیٹ فارم جمعیۃ علماء اسلام میں شامل ہوکر (جو بنارس کانفرنس سے تقریباً چھ ماہ قبل معرضِ وجود میں آچکی تھی) کام کرتے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان کا مقصد قیام پاکستان کی جدوجہد میں شریک ہونا نہیں بلکہ اپنے اعلیٰ حضرت کی تحریک تکفیر کی تکمیل کے لیے علماء دیوبند کی خدمات کو ختم کرنے کے لیے اپنے آپ کو نمایاں کرنا تھا۔

ہر ہر قدم پہ لٹتا رہا کاروانِ زیست — ہر راہنما پکارا کہ میں راہزن نہیں

دوم مسلم لیگ کی واضح کامیابی

بنارس سنی کانفرنس کا ڈھونگ رچانے کی دوسری بنیادی وجہ مرکزی اور صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ کی واضح کامیابی تھی۔ کیونکہ اس کامیابی کے پس پردہ برصغیر کے ان سیاسی یتیموں کو اپنا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے مستقبل کے تحفظ کے لیے مسلم لیگ کی حمایت کا فیصلہ کر لیا۔ جیسا کہ بریلوی حضرات کے مفتی اعظم مولوی ابرار حسین (بریلی) نے ان حالات میں فرمایا کہ

اس وقت مسلمانوں کی عقلمندی کا مقتضیٰ یہی ہے کہ مسلم لیگ کی امداد و اعانت کریں۔

(بحوالہ بریلویوں کا کردار ص ۲۶ از انوار احمد ایم اے) گویا اب اپنا قصور سمجھ آگیا ہے؟

اپنا ہی تھا قصور کہ طوفاں میں گھر گئے
اک موج تھی کہ جس کو کنارہ سمجھ لیا

تحریکِ پاکستان کی اس کھلی ہوئی مخالفت، لیگ اور زعماءِ لیگ پر کفر کے فتووں اور پاکستان کو کفری سلطنت قرار دینے کی ناقابلِ تردید جسارتوں کے باوجود اپنے آپ کو تحریک پاکستان کا ہیرو قرار دینا اور اس کے لیے قربانی دینے والوں کو نظر انداز کر دینا کس قدر ظلم عظیم ہے؟

ہمیں اے باغباں کیوں باغ کا مالک نہیں کرتا — سروں کو بیچ کر قیمت ادا کی ہے گلستاں کی

(تلك عشرة كاملة)

ان مذکورہ (تمام) تحریکات میں ان پیشہ ور پیروں اور مفاد پرست مولویوں کا کوئی مثبت کردار نہیں ہے، جہاں بھی ہے منفی کردار ہے۔ لیکن افسوس کہ آج اپنے تمام تر منفی کردار پر مثبت کردار کا خوشنما لیبل چپاں کر کے قوم کو دھوکا دینے کی سعی کی جا رہی ہے۔ کہ ہندوستان کی آزادی کا سہرا بریلویوں کے سر پہ ہے، اور پاکستان کا حصول خانصاحب بریلوی اور ان کے اتباع کی سعی کا نتیجہ ہے۔ اور علماء دیوبند کا اس میں کچھ حصہ نہیں، جب کہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک ایک ورق ان کے حق میں گواہ ہے۔ ے

لوح جبیں پہ ثبت ہے رودادِ زندگی ہر چند بے زباں ہیں مگر بے زباں نہیں

تنبیہ :۔ لاہور کے ایک بریلوی مولوی صاحب (غالباً مولوی سید دیدار علی شاہ ہیں) نے حضرت مدنیؒ اور علامہ عثمانیؒ کے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ

میاں یہ دونوں دیوبندی ایک ہی ہیں۔ ایک نے مسلم لیگ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور دوسرے نے کانگریس کی۔ گویا ملک کی تمام سیاست پر یہ دونوں چھا گئے ہیں۔ (بحوالہ تجلیات عثمانی ص۱۷۳)

دیکھیے سچ کہنے پر کس طرح مجبور ہوئے ہیں ے

ابھی سے شکریہ اپنی مروت کا ادا کر دوں سنا ہے موت پر بھی وہ شریک غم نہیں ہونگے

ان ناقابلِ تردید تاریخی حقائق کے باوجود ان پاکبازانِ امت (اکابرین علماء دیوبند) کو انگریز کا ایجنٹ قرار دینا نہ صرف تاریخ پر زیادتی ہے بلکہ انصاف و دیانت پر بھی ایک صریح ظلم ہے۔ ے

چھپائیں گے کہاں تک رازِ محفل شمع کے آنسو
کہے گی خاک پروانہ کہ پروانہ پہ کیا گذری

کیفیت :۔ یہ حقیقت بھی قارئین کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ تمام اکابر علماء دیوبند حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے اس فتویٰ کی تائید کرتے ہیں کہ

ہندوستان دارالحرب ہے (ملاحظہ ہو فتاوی عزیزی ج۱ ص۱۷ طبع مجتبائی دہلی)

اور اسی فتویٰ کی بنیاد پر علماء دیوبند نے جہاد آزادی میں حصہ لیا۔ لیکن اس کے برعکس بریلوی

حضرات کے اعلیٰ حضرت خان صاحب بریلوی ہندوستان کو دار الاسلام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ، ہندوستان بفضلہ تعالیٰ دار الاسلام ہے ۔ (احکام شریعت صہ حصہ دوم)

اس کے علاوہ ایک مستقل رسالہ " اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام " کے نام سے اس موضوع پر شائع کیا ۔ جس میں انگریزی اقتدار کے ظلم و استبداد سے بھرپور ہندوستان کو دار الاسلام قرار دینے کے لیے (بزعم خود) قرآن و سنت سے بالکل غیر متعلق دلائل کشید کیے ۔

ہندوستان کو دار الاسلام قرار دینے ہی کی وجہ سے خانصاحب بریلوی کو یہ فتویٰ بھی دینا پڑا کہ مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں ۔ (دوام العیش ص۱۴۲ بحوالہ بریلویوں کا کردار)

اور ظاہر ہے کہ جب ہندوستان ہے ہی دار الاسلام تو اس کے باشندوں (مسلمانوں) کے لیے جہاد و قتال کا حکم کیونکر ہوگا ؟ یہ خان صاحب بریلوی کی حقیقت پسندی ہے کیونکہ انہیں تو معلوم تھا کہ دار الاسلام میں جہاد و قتال کا حکم ناممکن ہے اس لیے انہوں نے صاف صاف الفاظ میں بیان فرما دیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر جہاد فرض نہیں ۔

لیکن تعجب ہے کہ آج خانصاحب کی حشرات الارض کی طرح پھیلی ہوئی مشینری خانصاحب کے ان صریح فرمودات کے خلاف برصغیر کی تاریخ بدلنے کی کوشش میں مصروف ہے ۔ اور ہندوستان کو دار الحرب قرار دے کر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والوں کو انگریز کا ایجنٹ بتا کر اور ہندوستان کو بفضلہ تعالیٰ دار الاسلام قرار دے کر عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے والوں کو انگریز کا سب سے بڑا دشمن ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے ۔

نیرنگیٔ سیاست دوراں تو دیکھئے ۔۔۔ منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

ہمارا سوال خانصاحب کے متبعین سے یہ ہے کہ

کیا آپ کا یہ دعویٰ (کہ جنگ آزادی بریلویوں نے لڑی ہے) آپ کے اعلیٰ حضرت کی مذکورہ تعلیمات کے خلاف نہیں ؟ اور اگر خلاف ہے اور یقیناً خلاف ہے تو کیا آپ کے لیے اپنے اعلحضرت کی صرف میٹھی میٹھی (قُل ۔ تیجہ ، عرس وغیرہ کی ، جن میں پیٹ کا دھندا چلتا ہے) تعلیمات پر عمل کافی ہے ؟ اور باقی تعلیمات جن کی موجودگی میں آپ حقائق کا سامنا کرنے کی جسارت و جرأت نہ کر سکیں ان کو

نظر انداز کرنا ضروری ہے ؟

اور اگر بالفرض ایک لمحہ کے لیے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بریلویوں نے جنگِ آزادی میں حصہ لیا ہے تو پہلے تو تاریخی ثبوت کے ساتھ اپنے ان مجاہدین کے باحوالہ نام بتائیں اور پھر کیا فرماتے ہیں علماء بریلویہ دارالاسلام کے خلاف جہاد کرنے والوں کے بارے میں ؟ بینوا توجروا ۔

چمن کے رنگ و بو نے اس قدر دھوکا دیا مجھ کو کہ میں نے ذوقِ گل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھدی

واقعہ جلیانوالہ باغ

۱۹۱۹ء میں جب پورے ہندوستان میں بغاوت و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی ۔ تحریکِ آزادی کے شعلوں نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ۔ دیگر اضلاع کی طرح امرتسر میں بھی آزادی کی شورش برپا ہو گئی تو گورنمنٹ برطانیہ نے اس بغاوت کو دبانے کے لیے امرتسر میں جنرل اڈوائر کی ڈیوٹی لگائی جو ۱۲ اپریل کو امرتسر پہنچا ۔ اور پہنچتے ہی جلسوں اور جلوسوں پہ پابندی عائد کر دی ۔ ۱۳ اپریل کو حریت پسندوں نے جلیانوالہ باغ میں جلسہ عام کا اعلان کر دیا (یہ جلسہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی گرفتاری کے بعد ان کی فرضی کرسیٔ صدارت میں منعقد ہوا) عین اس وقت جب کہ جلسہ اپنے پورے عروج پر تھا ۔ اور جلسہ میں پندرہ ۱۵ ہزار سے زائد لوگ موجود تھے ۔ جنرل اڈوائر نے جلسہ گاہ کو چاروں طرف سے گھیر کر (بغیر وارننگ دیے) فائرنگ کا حکم دیدیا ۔ اور لوگوں کے لیے بھاگنے اور نکلنے کے تمام راستے مسدود کر دیے گئے ۔ چاروں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی ۔ جو کئی گھنٹے تک مسلسل جاری رہی سرکاری اعلان کے مطابق یہ فائرنگ اس وقت تک ہوتی رہی جب تک فوج کے پاس سے گولیاں اور کارتوس ختم نہیں ہو گئے ۔ سینکڑوں انسان حصولِ آزادی کے جرم میں موقع پر قتل کر دیے گیے ۔ ہزاروں زخمی ہوئے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اگلے دن تک زخمی اور لاشیں اٹھانے کی اجازت بھی نہیں دی گئی ۔ مسٹر ایڈورڈ ٹامس اس پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

ہمارے دشمنوں نے جلیانوالہ باغ کے مقتولین کی تعداد بھی بڑھا چڑھا کر پیش کی ہے ، چنانچہ وہ اصرار کے ساتھ کئی ہزار کی تعداد بتلاتے ہیں ۔ اگرچہ مجھے اُن کی صحیح تعداد یاد نہیں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ چند منٹوں میں پندرہ سو ۱۵۰۰ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ۔ (انقلاب ، ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ صفحہ ۱۲۰)

جنرل اڈوائر اس انسانی قتل پر نادم ہونے کی بجائے لکھتا ہے کہ

میں خیال کرتا ہوں کہ یہ فائروں کی قلیل ترین مقدار تھی جس سے وہ ضروری اخلاقی اثر پیدا ہوتا جس کا پیدا کرنا میرا اخلاقی فرض تھا۔ اگر زیادہ فوج اس وقت مہیا ہوتی تو نسبتاً نقصان جان بھی زیادہ ہوتا (علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ص۱۷۹ ج۱)

حتّٰی کہ انگلینڈ میں بھی انگریزوں کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے اس کارروائی کو جون آف آرک کو زندہ جلانے کے بعد دوسرا لرزہ خیز اور سفاکانہ اقدام اور عمل قرار دیا۔

قاتلِ انسانیت جنرل اڈوائر کو بریلوی پیروں اور مولویوں کا سپاسنامہ

اس قاتلِ انسانیت، سفاک اور درندہ صفت انسان جنرل اڈوائر کو پیشہ ور، مفاد پرست اور ناعاقبت اندیش بریلوی پیروں اور مولویوں نے جو سپاسنامہ پیش کیا اس کی ایک جھلک قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ سپاسنامہ کافی طویل ہے۔ صرف ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمایئے اور بریلوی حضرات کی (بزعم خود) انگریز دشمنی کی داد دیجئے۔

حضور انور (یعنی جنرل اڈوائر) جن کی ذات عالی صفات میں قدرت نے دلجوئی، ذرہ نوازی اور انصاف پسندی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ ہم خاکسارانِ باوفا کے اظہارِ دل کو توجہ سے سماعت فرما کر ہمارے کلاہ فخر کو چار چاند لگادیں گے ......

جب ہم بے نظیر برطانوی انصاف کو دیکھتے ہیں جس کی حکومت میں شیر اور بکری ایک گھاٹ میں پانی پی رہے ہیں تو ہر طرف احسان ہی احسان دکھائی دے رہا ہے

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ـ کسے را با کسے کارے نباشد

(بحوالہ بریلوی فتوے ص۱۳۹)

غالباً علامہ اقبال مرحوم نے انہی پیروں اور مولویوں کے لیے کہا ہے کہ ؎

ملاّں کو جو ہے ہند میں سجدہ کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے ملتان کے لنگا باغ (جو اب ابن قاسم باغ کے نام سے موسوم ہے) کے تاریخی اجتماع میں اس سپاسنامہ کو خوب لتاڑا۔ آپ

نے فرمایا۔

اے پیران طریقت یہ سیاہ نامہ فرنگی کے حضور پیش کر کے آپ نے اپنے آباؤ اجداد کی تعلیم۔ ان کے اصول اور ان کی روحانی زندگی پہ وہ کالک مل دی ہے کہ قیامت تک وہ داغ نہیں دھویا جا سکتا۔ اور نہ یہ سیاہی مٹ سکتی ہے۔ اگر میں ابن سعود کی حمایت کروں تو کافر اور تم تبرکوں کے قتل پہ دستخط کرو تو مومن! تم فتح بغداد پر چراغاں کرو تو مسلمان اور میں فرنگی سے آزادی کے لیے لڑوں تو مجرم! تمہارے تعویذ اور تمہاری دعائیں کافر انگریز کی فتح کی آرزومند رہیں۔ اور میں سلطنت برطانیہ کی بنیاد اکھاڑنے پر رہا۔ تم نے انسانوں سے زیادہ کتوں اور سوروں کی قدر کی۔ اور گناہ کو ثواب کا درجہ دیا۔ تمہاری قبائیں خون مسلم سے داغدار ہیں۔ اے دم بریدہ سگان برطانیہ! صور اسرافیل کا انتظار کرو۔ کہ تمہاری فرد جرم تمہارے سامنے لائی جائے اور تم اپنے نامۂ اعمال کو ندامت کے آئینے میں دیکھ سکو۔ تمہاری تسبیح کا ایک ایک دانہ تمہارے فریب کا آئینہ دار ہے تمہاری دستار کے پیچ و خم میں ہزاروں پاپ جنم لیتے ہیں۔ اور تم انہیں دیکھتے ہو مگر تمہاری زبانیں گنگ ہیں کہ ان کی موت پہ آنسو تک نہیں بہتے۔ وقت کا انتظار کرو کہ شاید تمہاری پیشانیوں کے محراب کی سیاہی تمہارے چہروں کو مسخ کر دے۔ اور تمہارا زہد و تقویٰ ہی تمہاری رسوائی کا باعث بن جائے۔

(بحوالہ حیات امیر شریعت ص۹۴ از جانباز مرزا)

شاید انہیں جیسے پیروں اور مولویوں کے لیے کہا گیا ہے کہ ؎

خدمت میں جو دار رہو کوئی صاحب دولت — تعظیم کو بڑھتا ہے عمامہ بھی عبا بھی

تعظیم کا کیا ذکر ہے پہلو بھی نہ بدلیں — آجائے اگر صورت مفلس میں خدا بھی

مسخ حقیقت :-

تاریخ سے ادنیٰ مس رکھنے والے بھی یہ جانتے ہیں کہ فریق مخالف کے اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور ان کی جماعت کے ذمہ دار حضرات کا ہندوستان کو انگریز سے آزاد کرنے کرانے میں قطعاً کوئی کردار نہیں بلکہ جو جماعتیں انگریز کے خلاف تھیں (مثلاً کانگریس، مسلم لیگ،

جمعیتہ علماء ہند، خلافت کمیٹی، مجلس احرار اسلام وغیرھا) تو ان کے فتوؤں کی بھرمار صرف ان ہی کے خلاف تھی۔ جیسا کہ قارئین کرام چند حوالے پڑھ چکے ہیں۔ اب ہم یہاں بریلوی علماء کے ذمہ دار حضرات سے انگریز کے خلاف جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ عرض کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ان کے فاضل بن الفاضل حضرت مولانا ابوالبرکات آل الرحمٰن مفتی محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب اپنی کتاب "طرق الهدیٰ والارشاد الیٰ احکام الامارة والجهاد" (جس کی سن طباعت ۱۳۴۱ھ ہے جب کہ ہندوستان پر انگریز کی گرفت خوب مضبوط تھی) میں بزعم خویش انگریز کے خلاف تحریک جہاد کے لیے پانچ اختراعی شرطیں اور مقدمات پیش کرتے ہیں۔ اور پھر لکھتے ہیں۔

ایسی حالت میں (جب کہ انگریز کے دور میں مسلمانوں میں یہ شرطیں مفقود ہیں۔ بشیر) جہاد جہاد کی رٹ لگانا غیر قوموں کو اپنے اوپر ہنسانا اور ان سے یہ طعن اٹھانا ہے ؎
اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں
اور جب کہ وہ (جہاد) ان شنائع قبائح پر مشتمل ہے حرام حرام حرام ہے۔ وہ ہرگز حکم شرع نہیں۔ شریعت پر افتراء، وزیادت ہے جو آج اسے حکم الٰہی و امر حضرت رسالت پناہی ٹھہراتے ہیں مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں۔ وہ اللہ و رسول پر افتراء کرتے ہیں۔ بہتان باندھتے ہیں الخ بلفظہ

طرق الهدیٰ والارشاد (الیٰ) احکام الامارة والجهاد ص۳۱ طبع بریلی)

اس کتاب پر ان کے تیرہ^۱۳ جید علماء کی تصدیقات ہیں۔ جن میں ابوالعلا محمد امجد علی اعظمی، عبدالرحمٰن حسنین رضا قادری، محمد حشمت علی بریلوی۔ عبید الرضا محمد حشمت علی قادری لکھنوی۔ عبید الرضا محمد طاہر رضوی، ابوسراج عبدالحق رضوی، عمر نعیمی۔ اولاد رسول محمد میاں قادری مارہری۔ محمد اسمٰعیل تلہری، محمد نعیم الدین، محمد عبدالسلام صدیقی رضوی جبلپوری اور عبدالباقی محمد برہان الحق قادری رضوی جبلپوری شامل ہیں۔

سخت حیرت ہے کہ بریلوی حضرات انگریز کے خلاف جہاد کرنے والوں۔ قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے والوں اور تختۂ دار پر لٹکا دیے جانے والوں کو تو انگریز کا ہمدرد، خیر خواہ نمک خوار اور ٹکڑ خور ثابت کرنے کے درپے ہے، مگر انگریز کے خلاف جہاد کو حرام حرام حرام کہنے والوں کو تحریک آزادی کا ہیرو ثابت کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ اس سے بڑھ کر

مسخ حقیقت اور کیا ہو سکتی ہے؟ مگر ؎

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دِل
ہم وہ نہیں ہیں جن کو زمانہ بنا گیا

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خیر الانبیاء و خاتم المرسلین
وعلیٰ آلہٖ واصحابہ واتباعہٖ اجمعین آمین یارب العلمین

از قلم خاکپائے اکابر

حافظ عبدالحق خان بشیر گکھڑوی

اس باب میں ہم مؤلف مذکور کے مزید علمی شگوفوں

کا جائزہ لیتے ہیں

امر ثانی کا جواب:۔ یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور نے جو کچھ تحریر کیا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے
(۱) سرفراز صاحب کہتے ہیں کہ بریلویوں کے اقوال و دعاوی حصول علم غیب کے بارے میں مختلف اور متضاد ہیں۔ دعویٰ معلوم کرنے کے لیے مُسلّمہ اکابر کی کتابوں کو دیکھا جائے اصاغر یا غیر معلوم یا غیر معروف اور غیر مُسلّمہ افراد کے قول کو جماعت یا گروہ یا کسی ذاتی و انفرادی رائے کو دعاوی تصور کر لینا کوئی دانشمندی نہیں۔

(۲) جس طرح غلام خانیوں کا حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے عقیدہ اور ہے اور اکابرین دیوبند کا اور ہے غلام خان اور عنایت اللہ شاہ کی راگنی اور ہے اور سرفراز صاحب کا موقف اور ہے اور غلط ہے (خط کشیدہ جملہ بلفظہ)

(۳) توسل الانبیاء۔ والاولیاء۔ بلکہ سماع موتی۔ اور توسل و تشفع کے بارے میں ان کا موقف الگ ہے اور اکابرین دیوبند کا حیات النبیؐ اور توسل و تشفع کے بارے موقف اور ہے۔ اسی طرح بریلوی طبقہ کے اصاغر و غیر معروف افراد کے اقوال کے پیش نظر یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ان کے اکابرین کے اقوال مختلف یا متضاد ہیں۔ اصاغر کے اقوال اور انفرادی رائے کو حجت کا درجہ نہیں دیا جاتا آپ کا فرض تھا کہ ہمارے اکابر کی عبارات میں تضاد پیش کرتے مگر آپ کا مقصد دھوکا دینا تھا جس میں آپ کامیاب نہیں ہو سکے (محصلہ ص۴۲ و ص۴۳)

الجواب: ہم نے ازالۃ الریب ص۱۷ میں یہ لکھا تھا کہ۔ فریق مخالف کی عبارتیں اس میں بہت ہی زیادہ پراگندہ اور مختلف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کب علم غیب ملا اور کتنا ملا؟ ام

اور ص۳۰ و ص۳۱ و ص۳۲ میں ہم نے ان کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب، مفتی احمد یار خاں صاحب، مولوی محمد صالح صاحب۔ مولوی سلطان محمود صاحب پلوی۔ مولوی امام الدین صاحب کوٹلی لوہاراں مولوی محمد عظیم صاحب گھکھڑوی مولوی محمد عمر صاحب اور جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ جن کا جواب تو درکنار تذکرہ تک بھی مؤلف مذکور نے نہیں کیا صرف اصاغر و اکابر وغیرہ کی تقسیم کی خوشی میں ان کو ہضم کر گئے اور بالکل پی گئے ہیں۔ اب یہ فیصلہ خود مؤلف مذکور کریں کہ ان میں ان کے اصاغر کون ہیں اور اکابر کون ہیں؟ اور ان میں ان کے ہاں معلوم و معروف و مُسلّم کون ہیں اور ان کے برعکس کون ہیں؟ فیصلہ انہیں پہ ہے ہم تو اشتہارات اور رسائل میں یہی دیکھتے رہتے ہیں کہ ان کے ہر مولوی صاحب غزالیِ وقت، رازیِ زماں اور خطیب اعظم ہی ہوتے ہیں۔ ان میں تو اصاغر کا وجود ہی نہیں تو پھر یہ تقسیم کس کام کی؟ بجائے اس کے کہ ہم ان کے متعدد اکابر کی عبارات نقل کریں قطع مسافت کے لیے ہم ان کے اعلیٰ حضرت ہی کی اس سلسلہ میں دو متضاد عبارتیں نقل کرتے ہیں خود مؤلف مذکور ان کے بارے ص۴۲ میں لکھتے ہیں۔ قال امامنا المجدد الملۃ (معلوم نہیں کہ المجدد مضاف پر الف لام کیسے آگیا؟ یہ ہے مؤلف مذکور کی نحو دانی ممکن ہے کہ وہ یہ غلطی کاتب کے سر تھوپ دیں۔ صفدر) الطاہرۃ مولانا احمد رضا خاں الفاضل البریلوی اھ

ہم خانصاحب کی انباء المصطفےٰ کے حوالہ سے مفصل عبارت ص۲۳ میں نقل کر آئے ہیں جس میں یہ بھی ہے کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلّم کو اللہ تعالےٰ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ماکان وما یکون الیٰ یوم القیمۃ جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا اور شرق وغرب وسماء وارض وعرش وفرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا اھ (ص۴) اس عبارت میں الیٰ یوم القیمۃ کی غایت موجود ہے۔ اور خود مؤلف مذکور دعویٰ کی وضاحت کے عنوان سے اپنا عقیدہ یہ بیان کرتے ہیں

ہمارے نزدیک حضور علیہ السلام کو بالتدریج بواسطہِ قرآن کریم علم ماکان وما یکون بلکہ اس سے زائد علم اور روزِ اوّل سے روزِ آخر تک بلکہ اس سے زائد علم ہے اور تمام علوم مندرجہ لوح محفوظ نیز اپنی ذات صفات کی معرفت سے متعلق بہت اور علوم اور بے شمار علوم اللہ تعالےٰ نے عطا فرمائے، جمیع جزئیات خمسہ کا علم دیا جس میں خاص وقوع قیامت کا علم بھی شامل ہے جمیع مخلوقات بتمام

ماکان و ما یکون کا علم عطا فرمایا باین ہمہ آپ کا علم متناہی محدود حادث عطائی غیر استقلالی ہے اور باری تعالٰے کا علم غیر متناہی غیر محدود قدیم ذاتی استقلالی ہے اور یہ علم نزولِ قرآن کی تکمیل کے ساتھ ہی آخر عمر شریف میں مکمل ہوا یہی بات الدولۃ المکیہ کی عبارت کا مفاد ہے اور یہی بات الکلمۃ العلیاء سے ثابت ہے اور یہی بات امام اہلسنت غزالی زمان رازیٔ دوراں سیدی و مرشدی شیخ المحدثین رئیس المفسرین حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی دامت برکاتہم العالیہ تقریر منیر میں فرماتے ہیں الغرض ہمارے اکابر حصول تدریجی کے قائل ہیں جس طرح نزول قرآن تدریجی ہے اسی طرح حصول علم کلی مذکور تدریجی ہے۔ اور منکرین علم غیب للنبی جب تک یہ بات ثابت نہ کریں کہ فلاں چیز یا فلاں بات کا علم آپ کو آخر عمر شریف تک بھی نہ دیا گیا تھا تو اس وقت تک اہلسنت کا دعوٰی باطل نہیں ہوسکتا۔ بلفظہٖ (ص۴۳ و ص۴۴)

قارئین کرام! ہم نے مؤلف مذکور کی پوری عبارت نقل کردی ہے جس میں ان کا دعوٰی بقول ان کے تین مسلمہ اکابر سے باحوالہ منقول ہے اب آپ ایک طرف اس دعوٰی کو دیکھیں جس میں بقول خان صاحب کے الٰی یوم القیٰمۃ کی غایت موجود ہے اور مؤلف مذکور کی عبارت میں ہے۔ روز آخر تک۔ بلکہ اس سے زائد علم ہے اور بالکل ظاہر امر ہے کہ غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی جیسے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ میں رات وقتِ صوم میں شامل نہیں ہے اس سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک قیامت تک اور روز آخر تک کا تو تفصیلی علم آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حاصل تھا مگر قیامت اور روز آخر کے بعد غیر متناہی زندگی کا تفصیلی علم آپ کو حاصل نہ تھا روز آخر اور قیامت کے بعد کے کچھ علم کا اقرار ہیں بھی ہے اور مؤلف مذکور بھی کہتے ہیں کہ جمیع ماکان و ما یکون از ابتدائے آفرینش تا دخول جنت و نار بلکہ اس سے بھی کچھ زائد جنت و نار میں داخل ہونے کے حالات و واقعات اھ ص۳۰) اس عبارت میں تصریح ہے کہ تا دخول جنت و نار تک کا تو تفصیلی علم ہے لیکن بعد کا تفصیلی علم نہیں بلکہ کچھ زائد ہے۔ اور دوسری طرف ان کے اعلیٰ حضرت کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیں جو پہلے باحوالہ نقل کر دیا گیا ہے ؎

خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے   دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے

مؤلف مذکور کو اپنے منطقی ہونے کا بھی زعم ہے اور وہ جانتے ہی ہوں گے کہ لفظ سب

اردو میں موجبہ کلیہ کا سور ہے۔ اور دو عالم اور جو کچھ اور خفی وجلی کا بھی مفہوم وہ سمجھتے ہوں گے اور بات بھی کسی صغیر و غیر معلوم و غیر معروف و غیر مسلم کی نہیں بلکہ ان کے امام اور مجدد کی ہے اب فرمائیں کہ کیا ان کے مسلم امام اور مجدد کی عبارات میں کتنا ملاوٹ کے سلسلہ میں یہ تضاد نہیں ہے؟ اور کیا ان کی عبارات میں پراگندگی اور اختلاف نہیں ہے کہ ایک طرف الی یوم القیمۃ کی قید اور تصریح ہے اور دوسری طرف دو عالم کا سب خفی وجلی علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت کیا جا رہا ہے۔ اب رہا یہ اختلاف کہ کب ملا؟ تو یہ بھی سُنتے جائیے خود خانصاحب کی عبارت سے بھی ثابت ہے۔ (دیکھیے انباء المصطفیٰ مٹ) اور مؤلف مذکور بھی ان کے حوالہ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کی صفت تکمیل قرآن کریم کے ساتھ عطا ہوئی یعنی پہلے علم غیب کلی حاصل نہ تھا جب قرآن کریم کی تکمیل ہوئی علم غیب کلی کی بھی تکمیل ہو گئی بواسطہ قرآن کریم کے لیکن دوسری طرف خود خان صاحب ہی اُن آیات کریمات سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب پر استدلال کرتے ہیں جو مکی سورتوں میں نازل ہوئیں مثلاً وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ، (دیکھیے خالص الاعتقاد مٹ ۲۵ طبع لاہور ۱۳۶۱ھ) اور عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ (ایضاً ص ۳۴) وغیرها من الآیات اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکمیل قرآن کریم سے پہلے ہی علم غیب عطا کر دیا گیا تھا ورنہ استدلال بیکار ہے۔ بلکہ قرآن کریم کی آخری سورۃ سے (جو التوبہ ہے) قبل کسی بھی مکی یا مدنی سورت کی کسی آیت کریمہ سے ان کا استدلال بالکل بے معنی ہے جیسا کہ مخفی نہیں اور خود خانصاحب لفظ نبی کا معنی غیب دان کرتے ہیں اور مواہب لدنیہ شریف کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ غیب کا جاننا۔ الخ (خالص الاعتقاد مٹ ۲۵) اور ظاہر بات ہے کہ نبی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی ملنے کے ساتھ پہلے ہی دن سے تھے تو معلوم ہوا کہ بقول ان کے آپ کو پہلے ہی دن سے علم غیب حاصل تھا پھر چونکہ علامہ قسطلانی وغیرہ دوسرے حضرات کے نزدیک غیب سے انباء الغیب اور امور غیبیہ مراد ہیں اور اُن کا تحقق نبوت کے پہلے ہی دن سے ہوا اور ہو سکتا ہے اس لیے ان پر تو کوئی زد نہیں پڑتی لیکن خان صاحب اور اُن کے اتباع کے نزدیک تو علم غیب سے مراد جمیع ماکان ومایکون

از روز اوّل الی یوم القیٰمۃ ہے اس لیے ان کی اصطلاح دوسروں پہ فٹ نہیں کی جا سکتی اب غور فرمائیں کہ علمِ غیب کب ملا؟ کے بارے میں بھی خود خانصاحب کی عبارات میں تضاد پراگندگی اور اختلاف موجود ہے کہ کبھی مکی سورتوں اور آیتوں سے علمِ غیب پر استدلال کرتے ہیں اور کبھی یہ رٹ لگاتے ہیں کہ تکمیل قرآنِ کریم کے ساتھ علمِ غیب کی تکمیل ہوئی۔ تو راقم اثیم کا کہنا بالکل بجا ہے کہ فریق مخالف کی عبارتیں اس میں بہت ہی زیادہ پراگندہ اور مختلف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کب علمِ غیب ملا؟ اور کتنا ملا؟ اور مؤلف مذکور کا جواب لایعنی اور صرف اپنے ناخواندہ اور حقیقت ناشناس حواریوں کو دھوکہ اور مغالطہ دینا ہے۔ مگر کہتے یہ ہیں کہ آپ کا مقصد دھوکہ دینا تھا جس میں آپ کامیاب نہیں ہو سکے فواسفا ہم تو یہی کہیں گے کہ ؎

حوصلہ آپ کو جفا کا ہے ۔۔۔۔ یہ نتیجہ مری وفا کا ہے

(۲) (۳) اکابر علماء دیوبند حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ سماعِ صلوٰۃ وسلام عند القبر اور توسّل و تشفّع مشروع عند الفقہاء کے بلا اختلاف قائل ہیں عام اموات کے سماع اور عدمِ سماع کے مسئلہ میں آپس میں کچھ اختلاف بھی ہے مگر اکثر سماع کے قائل ہیں۔ حضرت مولانا غلام اللہ صاحبؒ عام اموات کے سماع اور عدمِ سماع میں اختلاف کو تسلیم کرتے ہوئے عدمِ سماع کو ترجیح دیتے ہیں لیکن عند القبر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صلوٰۃ وسلام کے سماع کے قائل ہیں چنانچہ اس مسئلہ میں جب اختلاف پیدا ہوا تو سابق مہتمم دار العلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی کوشش سے فریقین نے ذیل کی عبارت پر دستخط کیے۔

عامۂ مسلمین کو فتنۂ نزاع وجدال سے بچانے کے لیے مناسب ہو گا کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلہ کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارتِ ذیل پر دستخط فرمائیں یہ (عنوان) مسئلہ کا قدر مشترک ہو گا ضرورت پڑنے پر اسی کو عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے تفصیلات پر زور نہ دیا جائے۔ عبارت حسب ذیل ہے۔

وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پہ حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔

احقر محمد طیب وارد حال راولپنڈی
۲۲ رجون ۱۹۶۲ء

(مولانا قاضی) نور محمد خطیب جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ

لاشئ (مولانا) غلام اللہ خان

(مولانا) محمد علی جالندھری

(ماخوذ از رسالہ ماہنامہ دار العلوم (دیوبند) ستمبر ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۴)

اور اس کے بعد یہ عبارت بھی ہے جو ماہنامہ تعلیم القرآن اور ترجمان اسلام وغیرہ رسالوں میں اسی وقت طبع ہو چکی تھی (ملاحظہ ہو ماہنامہ تعلیم القرآن صفحہ ۲۵، اگست ۱۹۶۲ء)

ہم (یعنی حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ اور حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ) اس کی پوری کوشش کریں گے کہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب بھی اس تحریر پر دستخط کریں جس پر ہم نے دستخط کیے ہیں اگر ممدوح اس پر دستخط نہ کریں گے تو ہم مسئلہ حیات النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اس تحریر کی حد تک ان سے برأت کا اعلان کر دیں گے نیز اپنے جلسوں میں ان سے مسئلہ حیات النبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر تقریر نہ کرائیں گے اور اگر اس مسئلہ میں وہ کوئی مناظرہ وغیرہ کریں گے تو ہم اس بارے میں ان کو مدد نہ دیں گے۔

نور محمد خطیب قلعہ دیدار سنگھ

لاشئ غلام اللہ خان ۲۲ر جون ۱۹۶۲ء

قارئین کرام! اس واضح عبارت پر حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کے دستخط اور تصدیق موجود ہے۔ لہٰذا ان کو مسئلہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منکر قرار دینا یا ان کے بارے میں یہ خیال اور نظریہ رکھنا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے پاس صلوٰۃ وسلام کے سماع کے قائل نہ تھے۔ قطعاً غلط اور سراسر افترار و بہتان ہے جس کی انصاف کی دنیا میں کوئی قدر اور قعت نہیں۔ ہاں البتہ جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع اور توسل و تشفع کے منکر ہیں اور اس مسئلہ میں ان کی رائے ضرور جدا ہے اور پوری امت میں وہ پہلے شخص ہیں جو اس مسئلہ کے موجد ہیں اور دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مولانا سید مہدی حسن شاہ صاحبؒ کے فتویٰ کے رُو سے جس پر استاد الکل حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی صدر مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور اور حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب

سابق مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور کی تصدیقات بھی موجود ہیں کہ ایسے نظریہ والا شخص جو عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کا قائل نہ ہو اہل السنت والجماعت سے خارج اور بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے یہ فتویٰ تسکین الصدور میں منقول ہے اندریں حالات جناب شاہ صاحب گجراتی کو مسلکاً دیوبندی تصور کر کے اور ان کے خود ساختہ نظریہ کو علماء دیوبند کا نظریہ سمجھ کر ان کی عبارات میں تضاد و اختلاف اور پراگندی کی مد میں پیش کرنا بالکل غیر متعلق بات ہے اس کے برعکس مؤلف مذکور کے مسلّم امام اور مجدد کی خود اپنی عبارات میں تضاد و اختلاف اور پراگندی موجود ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے خدا کرے کہ مؤلف مذکور کو ہماری گرفت اور تنقید سمجھ آ جائے جس کو بلاوجہ وہ دھوکہ سے تعبیر کرتے ہیں ؎

جنہیں حقیر سمجھ کر بجھا دیا تو نے　　　وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

جہل مرکب:۔ مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ۔ اور سرفراز صاحب کا موقف اور ہے اور غلط ہے بلفظہ راقم اثیم نے اپنا موقف تسکین الصدور۔ سماع الموتی اور الشہاب المبین وغیرہ میں واضح کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں اس جسد اطہر سے جو دنیا میں آپ کا تھا اور عنصری تھا، روح مقدس کے تعلق سے حیات حاصل ہے اور عند القبر صلوٰۃ والسلام وغیرہ آپ بنفس نفیس خود سنتے اور جواب دیتے ہیں اگر شرعی اور فقہی طور پر یہ موقف غلط ہے جیسا کہ مؤلف مذکور نے غفلت میں یہ شوشہ چھوڑا ہے تو ان کا علمی اور اخلاقی فرض ہے کہ وہ اس موقف کے خلاف صحیح موقف باحوالہ بیان کریں تاکہ مسلمانوں کو اس کے برعکس موقف کی صحت کا بھی علم ہو سکے ؎

ساز خاموش ہے فریاد سے معمور ہیں ہم　　　نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

الغرض جو موقف اور مسلک حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے راقم اثیم کا ہے وہی مسلک تمام اکابر علماء دیوبند اور بقیہ اہل السنت والجماعت کا ہے جن میں احناف و موالک اور شوافع و حنابلہ وغیرہم سب اہل حق فرقے داخل ہیں اور حضرات سلفؒ و خلفؒ میں ۱۳۷۴ھ سے قبل اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں رہا۔ اب اگر جناب شاہ صاحب گجراتی نے یہ اختلاف ایجاد کیا ہے تو ان کی اپنی اختراع ہے۔ اہل حق میں یہ مسئلہ اجماعی ہے چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے (عند القبور) سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اھ (فتاویٰ رشیدیہ ص۱ طبع دہلی) اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں۔ کیونکہ

روضۂ مبارک پر جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ بالاتفاق بلا واسطہ حضور پر پیش ہوتا ہے، اور آپ اس کو سنتے اور جواب دیتے ہیں (امداد الفتاوی ج۲ ص۱۱) اور اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب اور حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور یہی موقف حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب کا ہے جیسا کہ ان کی کتاب تسکین القلوب کے حوالہ سے ہم نے تسکین الصدور طبع دوم میں نقل کیا ہے۔

لہٰذا ان کا آپس میں تضاد و اختلاف ثابت کرنا جس کے درپے مؤلف مذکور ہیں سراسر غلط ہے ہاں جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی کی رگنی ضرور ادھ ہے مگر مفتی دار العلوم دیوبند کا فتویٰ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ باحوالہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ مؤلف مذکور کے اعلیٰحضرت امام اور مجدد کی مسلم شخصیت کی اپنی عبارات میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں علم غیب کے بارے عبارات متضاد ہیں کما مر۔ غرضیکہ راقم نے جو کچھ کہا وہ بالکل حق اور سچ ہے۔

صادق ہوں اپنے قول میں غالبؔ خدا گواہ   کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ قرآن کریم کی آخری سورت سورۃ التوبہ ہے اور اس میں تصریح موجود ہے کہ مدینہ طیبہ میں رہنے والے بعض منافقین کا آنحضرت صلی تعالیٰ علیہ وسلم کو علم نہ تھا اور اس کے بعد قرآن کریم اور خبر متواتر میں ایک لفظ بھی نازل نہیں ہوا جس سے آپؐ کے لیے ان منافقین کا علم ثابت ہو لہٰذا قرآن کریم کی آخری سورت کے مضمون سے بھی علم غیب کی نفی ہی ثابت ہے اور فریق مخالف کا تدریج کا دعویٰ بھی قطعاً باطل ہے۔ یہ بات بھی بخوبی پیش نظر ہے کہ قرآن کریم کی آخری سورت۔ سورۃ التوبہ میں نفی علم غیب کی صرف یہی ایک آیت کریمہ اور مضمون نہیں بلکہ اس میں اور بھی متعدد آیات اور مضامین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی میں موجود ہیں مثلاً عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ الآیۃ جس کی تشریح ازالۃ الریب ص۳۲۰ تا ص۳۲۲ میں مذکور ہے اور مثلاً مسجد ضرار کا واقعہ جس کی تفصیل ازالہ ص۳۲۳ تا ص۳۲۶ میں موجود ہے، اور اسی طرح عبد اللہ بن اُبَی رئیس المنافقین کا جنازہ پڑھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حقیقت حال سے آگاہ کرنا اور آئندہ کے لیے منافقین کا جنازہ پڑھانے سے وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ کے ارشاد سے نماز جنازہ کی ممانعت کرنا وغیرہ واقعات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمیع ما کان وما یکون کے علم ہونے کی نفی ثابت کرتے ہیں اور ازالہ ص۳۲۶ میں اسکا تذکرہ ہے۔ مؤلف مذکور بلا وجہ غلط فہمی کا شکار ہو کر لفظ تدریجی کے تار عنکبوت میں پناہ لے رہے ہیں اور جو تنکیں سہارے تھے مگر ان کی توضیح بالکل

عارضی ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ؎

زندگی انسان کی ہے مانندِ مرغ خوشنوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم چہچہایا اڑ گیا

تدریجی علمِ غیب کا نظریہ خود ان کے امام اور مجدد کے اقوال و عبارات سے باطل ہے

مؤلف مذکور نے اپنے اعلیٰحضرت امام اور مجدد کی بعض عبارات کے پیش نظر (مثلاً انباء المصطفیٰ ص۴ میں) ہے تو نزول جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو لم نقصص علیك یا منافقین کے باب میں فرمایا جائے لا تعلمهم ہرگز ان آیات کے منافی اور احاطہ علم مصطفوی کا نافی نہیں بلفظہ) یہ دعویٰ کیا ہے کہ۔ تو اب منکرین آیات قرآنی میں سے ہمارے خلاف کوئی ایک آیت بھی پیش نہیں کر سکتے کیونکہ جو آیت بھی پیش کریں گے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ تو نزول قرآن کی تکمیل سے قبل کی بات ہے بعد کی نہیں الخ (اثبات علم الغیب ص۴۵) مگر ان کا یہ دعویٰ خالص دفع الوقتی اور عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے مترادف ہے۔

اوّلاً اس لیے کہ بیان ہو چکا ہے کہ قرآن کریم کی آخری سورت سے مدینہ طیبہ میں رہنے والے بعض منافقین کے علم کی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نفی ثابت ہے اس کے بعد اثبات کی کون سی آیت ہے؟

وثانیاً اس لیے کہ خانصاحب تو تکمیل جمع القرآن سے قبل ہی بلکہ مکی سورتوں اور مکی آیتوں سے علم غیب غیر محیط کا دعوے کرتے ہیں (اور علم غیب غیر محیط ان کی اصطلاح میں یہ ہے۔ تمام موجودات جملہ ماکان ومایکون الی یوم القیمۃ جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا اور شرق وغرب و سماء وارض وعرش وفرش میں کوئی ذرّہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا بلفظہ۔ انباء المصطفیٰ ص۴

اور ان کے صدر الافاضل سورۃ النساء میں وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام کائنات کے علوم عطا فرمائے اھ خزائن العرفان ص۱۴۱) چنانچہ وہ لکھتے ہیں

اور اللہ عزوجل کی عطا سے علوم غیب غیر محیط کا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملنا بھی قطعاً حق ہے اور کیوں نہ ہو کہ رب عزوجل فرماتا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى

الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ اللہ اس لیے نہیں کہ تم لوگوں کو غیب پر مطلع کر دے ہاں اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے چن لیتا ہے اور فرماتا ہے عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ اللہ عالم الغیب ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا (اظہار علی الغیب کا معنی مسلط کرنا بھی خانصاحب کا تجدیدی کارنامہ ہے۔ صفدر) سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے اور فرماتا ہے وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ۔ یہ نبی غیب کے بتانے میں بخیل نہیں اور فرماتا ہے ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ۔ اے نبی یہ غیب کی باتیں ہم تم کو مخفی طور پر بتاتے ہیں حتیٰ کہ مسلمانوں کو فرماتا ہے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ غیب پر ایمان لاتے ہیں ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے جس شیٔ کا اصلاً علم ہی نہ ہو اس پر ایمان لانا کیونکر ممکن اھ ملفظہ (خالص الاعتقاد ص۲۳، ص۲۴ طبع لاہور) اگر ان آیات کریمات میں لفظ غیب سے خانصاحب کی مراد اخبار الغیب انبار الغیب امور غیبیہ اور بعض الغیوب ہے جیسا کہ تفسیروں میں اس کی تصریح ہے تو خانصاحب کا یہ دعویٰ تمام موجودات جملہ ماکان الیٰ قولہ کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا باطل ہو گیا۔ جیسا کہ مخفی نہیں اور اگر ان کا یہ دعویٰ ان آیات کریمات میں لفظ غیب سے ثابت ہے جیسا کہ ان کے دعویٰ اور روش سے ظاہر ہے تو تدریج اور نزول جمیع قرآن شریف اور تمامیٔ نزول قرآن عظیم کے بعد کے الفاظ قطعاً باطل ہیں کیونکہ ہر عاقل یہ بات سمجھتا ہے کہ دعویٰ بعد کا ہو اور دلائل پہلے کے ہوں تو تقریب تام نہیں ہوتی خدا تعالیٰ ان کو فہم عطا کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یوں گویا ہوں ؎

میرا دیوانہ پن تو دیکھیے گا   کہ دامن کا ہے دھوکہ آستیں پر

تنبیہ یہ عنوان قائم کر کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ

ہمارے اکابر یا ہماری عبارات یا آیات و احادیث میں جب لفظ کُل یا کُلّی یا مَن وما برائے عموم ہو تو اس سے کلی حقیقی اور استغراق حقیقی نہ سمجھیں جس کا مفاد غیر متناہی ہے بلکہ کلی متناہی اور استغراق عرفی غیر حقیقی مراد ہو گا۔ کیونکہ ہمارے نزدیک حضور علیہ السلام کا علم جمیع خلائق کی نسبت سے کلی ہے باری تعالیٰ کی نسبت سے جزئی ہے اور علم ذاتی اور علم مطلق تفصیلی محیط خاصہ ہے ذات باری تعالیٰ کا اس کا مفاد ہے علم غیر متناہی جو مقتضی ہے استغراق حقیقی کا اور علم مطلق اجمالی اور مطلق علم

تفصیلی اور مطلق علم اجمالی ذات باری تعالیٰ کا خاصہ ہرگز نہیں بلکہ اگر اجمالی کو بشرط لاشی کے درجہ میں لیا جائے
جس میں بعض معلومات بعض سے کلی طور پر ممتاز نہیں ہوتے تو پھر علم مطلق اجمالی اور مطلق علم اجمالی ذات
باری تعالیٰ کے حق میں محال قرار پائیں گے کما قال امامنا المجدد الملۃ الطاہرۃ احمد رضا
خان الفاضل البریلوی فی کتابہ الدولۃ المکیۃ صنہ۲۰ (اثبات علم الغیب ص۴۴، ص۴۵)

الجواب :- مؤلف مذکور نے اپنے اور اپنے امام و مجدد کے منطقی ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے
بلا وجہ بیجا ، بیجہ خواہ مخواہ طوالت اختیار کی ہے رب تعالیٰ کے لیے جو علم ذاتی کلی حقیقی غیر متناہی علم
مطلق تفصیلی محیط ثابت ہے وہ محل نزاع سے خارج ہے اسی طرح علم کی جو شق معلومات
میں ایک دوسرے سے تمیز نہ پیدا کرے وہ بھی اس کی شان کے لائق نہیں ہے اس لیے منطقیانہ
طور پر اس کے علم کی شقیں نکالنا صرف دماغی عیاشی ہے اور بس مخلوق کے کسی فرد کے لیے علم غیب
کی کوئی جزئی بغیر کسی قطعی دلیل کے ثابت کرنا نصوص قطعیہ احادیث متواترہ اور اقوال حضرات فقہاء کرام
کے صریح مخالف ہے اور اس کے اثبات کے لیے جتنی بھی ملمع سازی کی جائے اور جس طرح سے
دلائل بھی کشید و اختراع کیے جائیں بے سود ہیں ۔

نہ جا ظاہر پرستی پر اگر کچھ عقل و دانش ہے   چمکتا جو نظر آتا ہے وہ سب سونا نہیں ہوتا

مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ ۔ ہماری عبارات یا آیات و احادیث میں جو کل و مَن و ما کے کلمات
عموم ہیں ۔ اس سے ہماری مراد کلی متناہی اور استغراق عُرفی اور غیر حقیقی مراد ہے کیونکہ ہمارے نزدیک
حضور علیہ السلام کا علم جمیع خلائق کی نسبت سے کلی ہے باری تعالیٰ کی نسبت جزئی ہے (محصلہ)
بھی ان کو مفید نہیں ہے ۔

اولاً :- اس لیے کہ ان کی جماعت کے مقتدر عالم مولانا منظور احمد صاحب بصیر پوری پہلے چند
آیات و احادیث کا حوالہ دیتے ہیں اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

ان آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ رب العزت نے اپنے محبوب علیہ السلام کو علم
کلی عطا فرمایا بلکہ کلی کے ساتھ حضور کے علم کو ہی متصف قرار دے سکتے ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کے
علم کو ملا حسن کے خطبہ میں ہے جَعَلَ الْكُلِّيَّاتِ وَالْجُزْئِيَّاتِ معلوم ہوا کہ کلی چیز مخلوق
ہے اور ہر مخلوق حادث ہوتا ہے اللہ تعالیٰ قدیم ہے اس کے علم کو کلی سے متصف قرار دینا بے دینی

ہے بلکہ حضور علیہ السلام کے ہی علم کو قرار دے سکتے ہیں بلفظہ (ہفت روزہ رسالہ رضوان لاہور بابت ماہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۲ء ص۱) مؤلف مذکور اللہ تعالیٰ کے علم کو کلی اور اس کی بہ نسبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو جزئی قرار دیتے ہیں اور ان کے مولانا بصیر پوری صاحب اللہ تعالیٰ کے علم کو کُلی سے متصف قرار دینا بے دینی قرار دیتے ہیں۔ اب یہ فیصلہ وہ خود کر لیں کہ ان میں دیندار کون ہے؟ اور بے دین کون ہے حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے اور پھر یہ بے دینی کی نحوست کس کی قسمت اور حصہ میں آتی ہے؟ یہ خود ان کے اپنے گھر کی بات ہے کہ وہ غور کریں اور کہیں ؎

اے سوزِ غم جلا کے میرے دل کو رکھ دیا کیا یوں بھی پھونکتا ہے کوئی اپنا گھر کہیں

وثانیاً اس لیے کہ اہل حق کا نزاع بھی ان کے ساتھ صرف اسی میں ہے کہ جس علم کو فریق مخالف بزعم خویش مخلوق کی بہ نسبت کلی کہتا ہے اور اس کی تفسیر وہ از ابتدائے آفرینش تا دخول جنت و نار بلکہ کچھ زائد کرتا ہے اس کلی کے بطلان کے لیے علم کے ایک جزئیہ کی نفی بھی کافی ہے کیونکہ موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہے، حالانکہ اس مقام پر نفی علم کے بے شمار جزئیات ہیں جن پر نصوص قطعیہ قرآنیہ اور تائید میں احادیث صحیحہ صریحہ اور اقوال حضرات فقہاء کرامؒ موجود ہیں جن کی باحوالہ بحث ازالۃ الریب میں موجود ہے اور قرآن کریم کی آخری سورت کی آیت کریمہ کا تذکرہ بارہا ہو چکا ہے کہ مدینہ طیبہ کے کے باشندہ بعض منافقین کا علم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ تھا اور اس کے بعد ان کے علم حاصل ہونے کے بارے قطعاً کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور حدیث اناک لاتدری ما احدثوا بعدک جس کی مفصل بحث ازالۃ الریب ص۲۹۵ تا ص۲۹۸ میں موجود ہے۔ اور حضرات فقہاء کرامؒ کے دین میں انتہائی محتاط طبقہ کا یہ فتویٰ کہ اگر نکاح کرنے والا مجلس نکاح میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کرتا ہے تو کافر ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتا ہے اور آپؐ کے لیے علم غیب تسلیم کرتا ہے جو کفر ہے (محصلہ) ازالۃ الریب ص۴۴۲ تا ص۴۴۶ میں ان کی مفصل باحوالہ عبارتیں مذکور ہیں حالانکہ قائل سب جہان کے نکاحوں میں آپؐ کو گواہ بنانے کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ صرف اپنے نکاح میں گواہ بناتا ہے جو ابتدائے آفرینش تا دخول جنت و نار کے درمیانی زمانہ کا واقعہ ہے اور صرف ایک جزئی ہے مگر حضرات فقہاء کرامؒ کے نزدیک یہ بھی کفر ہے کیونکہ یہ نظریہ نصوص قطعیہ کے خلاف ہے

اور اس کا کوئی ثبوت نہیں غرضیکہ جس علم کلی کا سہارا لے کر مؤلف مذکور بمیت اپنی جماعت کے اپنا ٹمٹماتا ہوا چراغ جلانے کی ناکام سعی کر رہے ہیں اسی کو حضرات فقہاء کرام بجھا رہے ہیں ؎

چراغِ زندگی کو ایک جھونکے کی ضرورت ہے
تجھے رب کی قسم ہے پھر ذرا دامن کو لہرانا

بالکل لایعنی دعویٰ

مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ ۔ نیز جب ہمارا دعویٰ علم مذکور کے حصول کے تدریجی کا ہے بمعنیٰ مذکورہ بالا (معنیٰ مذکر کی صفت مذکورہ کیسے آگئی؟ مگر یہ نہ پوچھیے علم کا زور ہے ۔ صفدر) تو اب منکرین آیات قرآنی میں سے ہمارے خلاف کوئی آیت بھی نہیں پیش کر سکتے کیونکہ جو آیت بھی پیش کریں گے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ تو نزول قرآن کی تکمیل سے قبل کی بات ہے بعد کی نہیں ہمارا دعویٰ اس کے بعد کا ہے یعنی جو ہمارا دعوے ہے اس کی نفی آیت سے ثابت نہیں اور جو ثابت ہے (کیسے مثبت ہے؟ صفدر) وہ دعویٰ نہیں بلفظہٖ (ص ۴۵)

الجواب : مؤلف مذکور نے پہلے بھی نہایت نکمی اور بڑی مہمل بات کہی اور باطل دعویٰ کیا ہے جس کی علمی طور پر تردید کی تو مطلقاً ضرورت نہیں اور پہلے قدرے تفصیل سے جواب عرض بھی کیا جا چکا ہے مگر مؤلف مذکور کو ان کے جہل مرکب پر آگاہ کرنا بھی ضروری اور مناسب ہے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں ۔ کہ قرآن کریم کی دیگر نصوص کے علاوہ آخری سورۃ التوبہ میں وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ کا ارشاد بھی موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رہنے والے بعض منافقین کو نہیں جانتے تھے مؤلف مذکور اپنی پوری جماعت سمیت اپنا پورا زور اور علمی قوت صرف کر کے یہ بتا دیں کہ اس کے بعد وہ کون سی آیت کریمہ نازل ہوئی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ان منافقین کا علم ثابت ہے ؟ ہیر پھیر اور ادھر ادھر کی غیر متعلق اور کمزور اور ضعیف باتیں نہ ہوں کیونکہ اس سے نہ تو کچھ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہوگا جب تک اس کا ثبوت نہ دیں گے ان کو حصول تدریجی کا خود تراشیدہ نظریہ بھی ہرگز مفید نہیں اور اہل حق کا سچا دعویٰ کوہ ہمالیہ کی طرح اپنی جگہ قائم ہے کہ قرآن کریم کی آخری سورت کے نزول تک بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ میں رہنے والے بعض منافقین کا علم نہ تھا اور فریق مخالف کا دعویٰ علم غیب کلی کا سراسر باطل اور قطعاً مردود ہے خدا کرے کہ مؤلف مذکور کو اپنا جہل مرکب ہی سمجھ آ جائے جو ان کے دل کی تہ میں نہاں ہے مگر تا بکے ؟ ؎

مل ہیں کیں تھا شورش جلتے رہے چراغ   جاتے ہوئے وہ شوخ انہیں بھی بجھا گیا

ناکام گلو خلاصی :- مؤلف مذکور لکھتے ہیں

نیز آیات واحادیث بلکہ تمام ادلہ نافیہ جو منکرین پیش کرتے رہے ہیں ان سب میں ذاتی استقلالی علم مطلق محیط تفصیلی کی نفی مراد ہے اور ادلہ مثبتہ میں عطائی غیر استقلالی مطلق علم تفصیلی جو انبیاء کی شان کے لائق ہے وہ مراد ہے جو ایک ذرہ کا علم ذاتی کسی نبی ولی کے لیے ثابت کرے وہ بھی کافر مرتد ہے اول نے ادلہ نفی کا انکار کیا ہے اور ثانی نے ادلہ اثبات کا نیز یاد رکھیں حضور علیہ السلام کے حق میں علوم غیبیہ جزئیہ (بعض علم غیب) کے ثابت ہونے میں کسی مسلمان نے آج تک اختلاف نہیں کیا حتیٰ کہ مولوی اشرف علی تھانوی بھی تسلیم کرتے ہوئے تغییر العنوان میں لکھتے ہیں۔ کہ اس میں کلام ہی نہیں کہ حضور علیہ السلام کے علوم غیبیہ کمالات نبوت میں داخل ہیں کون اس کا انکار کر سکتا ہے؟

اور خود مولوی سرفراز صاحب بھی اپنی کتاب عبارات اکابر حصہ اول ص۱۸۷ پہ لکھتے ہیں۔ یعنی مطلق بعض مغیبات کا علم تو زید عمرو بکر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع بہائم کو بھی حاصل ہے الخ ص۱۸۸ پر لکھتے ہیں اور ان چیزوں کو بھی بعض مغیبات کا علم ضرور ہے الخ

ان عبارات میں تھانوی صاحب نے حضور علیہ السلام کے بعض علم غیب کو کمالات نبوت میں سے ایک کمال مانا ہے اور جو نبوت کے کمال کا انکار کرے سرفراز صاحب ذرا بتایئے وہ کون ہوتا ہے پکا موحد ومومن یا کافر وگمراہ؟ پھر سرفراز صاحب کیا آپ نے خود منقولہ عبارات میں بچوں پاگلوں بلکہ حیوانات بہائم کے لیے بعض مغیبات کا علم تسلیم نہیں کیا؟ کیا آپ انکار کر سکتے ہیں یہ کیا بات ہے کہ آپ بعض مغیبات کا علم زید عمرو وغیرہ بہائم تک کے لیے مانتے ہیں۔ مگر ازالۃ الریب میں جگہ جگہ حضور علیہ السلام کے لیے علم بعض مغیبات کا بھی نہیں مانتے وہاں لفظ علم کے اطلاق سے بھاگ کر انباء اخبار اطلاع کے الفاظ سے گلو خلاصی کرتے ہیں کہیں علم سے آپ کو چڑ اور ضد تو نہیں ہے کیوں جناب تھانوی صاحب اور آپ کی عبارات منقولہ میں لفظ علم کا اطلاق موجود ہے کہ نہیں نظر نہیں آتا تو عینک لگا کر ذرا دیکھئے۔ آیئے حضور والا اب آپ کو ازالۃ الریب کی سیر کراؤں ازالۃ الریب ص۳۸ پر آپ نے لکھا ہے کہ

اس مقام پہ یہ بتلانا ہے کہ علم غیب عالم الغیب علم ما کان وما یکون اور علیم بذات الصدور

کا مفہوم الگ اور جدا ہے اور اخبارِ غیب اور انبارِ غیب پر مطلع ہونا جدا مفہوم ہے۔ دوسری بات کا ذاتِ آنحضرت ﷺ کے لیے منکر ملحد و زندیق ہے اور پہلی بات کا مثبت مشرک اور کافر ہے الخ اب پہلی بات کے مثبت کو آپ نے مشرک اور کافر قرار دیا ہے ذرا غور سے اپنی عبارات کو پڑھیں کہ آپ کی عبارات میں علمِ غیب کے لفظ بھی ہیں یا نہیں؟ یقیناً موجود ہیں یعنی آپ کے فتوے کے مطابق حضور علیہ السلام کے لیے علمِ غیب ماننے والا (خواہ کلی مانے یا جزئی) کافر اور مشرک ہے اور ماقبل میں ہم تھانوی صاحب کی عبارت میں اور آپ کی عبارتوں میں لفظ علمِ غیب آپ کو دکھا چکے ہیں اب بتایئے تھانوی صاحب خود اپنے ہی فتوے شرک و کفر کی زد میں آگئے یا نہیں؟ یقیناً آپ اپنے فتوے کی زد میں آچکے ہیں آپ مانیں یا نہ مانیں ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں — لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

الغرض حضور علیہ السلام کے لیے بعض علومِ غیبیہ ماننا یہ تو متفق علیہ مسئلہ تھا یعنی اہلِ سنت ہی نہیں بلکہ اہلِ اعتزال بھی اس کے قائل تھے البتہ معتزلہ اور اہلِ سنت میں اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے اولیاء اللہ کو بھی علومِ غیب سے کچھ حصہ ملتا ہے کہ نہیں تو معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے اور اہلِ سنت اس کے قائل ہیں چنانچہ خود سرفراز صاحب عبارات اکابر حصہ اوّل ص۱۹۳ پر ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ثالثاً: غیر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بعض مغیبات پر مطلع ہونا ایک بدیہی بات ہے اس کا انکار قاضی عضد اور علامہ سید شریف تو کجا کوئی بھی اہلِ عقل نہیں کر سکتا"

اس عبارت میں سرفراز صاحب نے غیر انبیاء یعنی اولیاء اللہ کے لیے بھی بعض مغیبات پر مطلع ہونا مانا ہے اگرچہ وہ لفظ علم یہاں نہیں لکھتے مگر بات حقیقتہً یہی ہے کہ جو مطلع علی الغیب ہوگا اس کے لیے علمِ غیب ماننا پڑے گا کیونکہ مطلع ہونے کے بعد مانعِ علم کیا رہ گیا ہے کہ علم سے انکار کیا جائے اس کی مفصل بحث ان شاء اللہ العزیز آگے آئے گی کہ انباء بالغیب اور اطلاع علی الغیب کو علم بالغیب لازم ہے اور اخبار بالغیب علم بالغیب کے بغیر ناممکن ہے اور لازم بھی غیر منفک ہے منفک نہیں ہے انتہیٰ بلفظہٖ (ص۴۵ و ص۴۶ و ص۴۷)

الجواب:- ہم نے مؤلف مذکور کی پوری عبارت حرف بحرف نقل کر دی ہے تاکہ قارئین کرام کے

سامنے بھی رہے مگر اس میں اوّل سے آخر تک مؤلف مذکور نے اپنے اکابر سے سیکھے ہوئے دجل و تلبیس کے علاوہ انتہائی کم فہمی اور جہالت کا ثبوت دیا ہے ہم صرف چند اُمور کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اوّل۔ مؤلف مذکور کا اپنے اکابر کی پیروی میں ادلّہ نافیہ کو ذاتی استقلالی علم مطلق محیط تفصیلی پر اور ادلّہ مثبتہ کو عطائی غیر استقلالی مطلق علم تفصیلی پر محمل کرنا بالکل بے سُود ہے اور اس سے قطعاً تعارض حل نہیں ہوتا ہوتا ہم نے ازالۃ الریب ص۱۱۸ میں قرآن کریم کی نصِ قطعی وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ الآیۃ کا حوالہ دے کر اور یہ ترجمہ کر کے، اور ہم نے اس (یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور یہ اُن کے لائق بھی نہیں الخ آگے یہ لکھا ہے کہ۔ اس نصِ قطعی سے یہ بات بالکل آشکارا ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شعر کی تعلیم عطا ہی نہیں کی اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی تعلیم نہیں دی تو اور کہاں سے یہ تعلیم عطا ہوئی یا ہو سکتی ہے؟ اھ

اور ازالۃ الریب ص۱۲۹ میں ہم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ — اور کتنے ہی رسول ہم نے بھیجے جن میں بعض کے حالات ہم نے آپ کو اس سے قبل بتا دیئے اور ان میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کو نہیں بتائے۔

اور اس کے بعد ہم نے لکھا ہے کہ صاف طور پر یہ بات معلوم ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعض حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات بتائے ہیں اور بعض کے حالات کا علم عطا ہی نہیں کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال کا علم آپ کو عطا نہیں کیا تو وہ اور کہاں سے عطا ہو گا؟ اھ

اب ہمارا مؤلف مذکور اور ان کی ساری جماعت سے یہ مطالبہ ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کریمہ یا خبر متواتر سے (کسی غیر معصوم یا کسی عربی اور اُردو وغیرہ تفسیر کا کوئی حوالہ نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں قطعاً مردود ہے اور زیادہ حسن ظنی سے کام لیا جائے تو وہ خود قابل تاویل ہو گا نہ یہ کہ اس سے نصِ قطعی کو رد کیا جا سکتا ہے اس قاعدہ کو بخوبی ذہن میں رکھیں اور خواہ مخواہ تضییع اوقات کے درپے نہ ہوں۔ صفدر) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے شعر کا علم اور تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات کا علم ثابت ہے؟ اور جب تک آپ حضرات ایسا نہ کر سکیں اور یقیناً نہیں کر سکیں گے۔

(وَلَنْ تَفْعَلُوْا) تو ادلہ نافیہ کو ذاتی استقلالی علم مطلق محیط تفصیلی پر فٹ کرنا اور ادلہ مثبتہ کو علم کے اُن افراد پر چسپاں کرنا جنکا ادلہ شرعیہ سے قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے سراسر باطل اور مردود ہے بے سوچے سمجھے ذاتی و عطائی اور استقلالی و غیر استقلالی وغیرہ کے الفاظ نقل کر دینے سے یہ مسئلہ قطعاً حل نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے جہاں بعض اکابر سے یہ الفاظ منقول ہیں یہ وہ مقام نہیں ہے انہوں نے اپنے اس تعارض کا کہ علم غیب تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو غیر اللہ کو بعض اُمور غیبیہ کا علم کیسے ہوا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی مستقل محیط اور تفصیلی ہے اور غیر اللہ کو جو چند جزئیات اور اُمور کا علم حاصل ہے وہ عطائی غیر مستقل اور غیر محیط اور غیر تفصیلی ہے ان کے اس ارشاد سے یہ سمجھنا کہ شرعاً غیر ثابت شدہ اُمور کا علم بھی عطائی غیر استقلالی اور غیر محیط اور غیر تفصیلی میں شامل ہے نری کور مغزی ہی نہیں بلکہ نصوص کا انکار بھی ہے۔ الغرض ان الفاظ سے دھوکہ کھانا یا دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنا علم و دیانت سے کوسوں دُور ہے۔

ہمیں بہکا نہیں سکتی اب نیرنگیٔ عالم کہ ہم خود التفاتِ چشمِ جاناں دیکھ آئے ہیں

دوم جس طرح ادلہ قطعیہ سے ثابت شدہ علم کے کسی فرد کا انکار کفر و ارتداد ہے اسی طرح نصوص قطعیہ کے خلاف علم کے کسی فرد کا اثبات بھی کفر و ارتداد ہے جیسا کہ مثلاً شہادت نکاح کے بارے حضرات فقہاء کرامؒ نے فرمایا ہے مگر صد افسوس ہے کہ پہلے کفر کا تو ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے اور دوسرے کفر کو ہضم کر لیا جاتا ہے اور ہے یہ بھی کفر لاشک فیہ

کافر ہوئے جو آپ تو میرا قصور کیا؟ جو کچھ کیا وہ تم نے کیا بے خطا ہوں میں

سوم علوم غیبیہ جزئیہ (بعض علم غیب) کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسی طرح علیٰ حسب المراتب دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے اثبات اور نیز ایسے علوم غیبیہ جزئیہ کے کمالات نبوت میں داخل ہونے کا کوئی مسلمان منکر نہیں نہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ منکر ہیں اور نہ راقم اثیم اور نہ ہمارے مسلک کا کوئی عالم۔ اس مقام پر تغییر العنوان اور ازالۃ الریب کی عبارات کا حوالہ دینا مؤلف مذکور کی بدحواسی کا غماض ہے لیکن ان اُمور غیبیہ جزئیہ میں وہ اُمور اور علوم ہرگز شامل نہیں جن کا نصوص قطعیہ سے ثبوت بھی نہیں اور وہ آپؐ کی شان اقدس کے لائق بھی نہیں مثلاً شعر کا علم اور سیمیا وغیرہ کما مرّ اور دُنیا میں ایسے علوم بھی ہیں۔ جو آپؐ کی رفیع شان کے خلاف ہیں وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِیْ لَهٗ الآیۃ اس کی واضح دلیل ہے اور ازالۃ الریب ص ۴۱۳ میں ہم نے باحوالہ یہ حدیث نقل کی ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ الحدیث — اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے۔

الحاصل بے موقع حوالے نقل کرنے سے مؤلف مذکور کو کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے؟ اور علمی طور پر مؤلف مذکور کی حالت قابلِ رحم ہے اور ہر صاحب علم و فہم کو ان پر ترس آتا ہے سے بے ساختہ آج اُن کے بھی آنسو نکل آئے دیکھا نہ گیا حال فقیرانہ کسی کا

چنانچہ مؤلف مذکور نے عبارات اکابر کی عبارت نقل کرنے میں بھی اپنے اکابر کی طرح دجل و تلبیس سے کام لیا ہے۔ ان کا اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ سیاق و سباق کو ملحوظ رکھ کر پوری عبارت نقل کرتے تاکہ بات عیاں ہو جاتی۔ عبارت یوں ہے:

مولانا (تھانوی) مرحوم کی مراد یہ ہے کہ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کی ذات گرامی کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا یعنی اس قدر اور اتنا علم غیب کہ جس کے اعتبار سے تم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم کو عالم الغیب کہتے ہو اور اطلاق لفظ عالم الغیب کے لیے جتنے اور جس قدر کی ضرورت سمجھتے ہو یعنی مطلق بعض مغیبات کا علم تو یہ زید عمرو بکر ہر صبی مجنون بلکہ جمیع حیوانات اور بہائم کو بھی حاصل ہے تو چاہیئے کہ سب کو معاذ اللہ تعالیٰ عالم الغیب کہا جائے کیونکہ ان قائلین کے نزدیک کسی کے عالم الغیب کہنے کے لیے محض اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو غیب کی کسی نہ کسی بات کا علم ہو اور ان چیزوں کو بھی بعض مغیبات کا علم ضرور ہے اور نہ سہی تو کم از کم ذات باری تعالیٰ ہی کا علم ہے اور وہ بھی منجملہ مغیبات سے ہے اھ

(عبارات اکابر ص۱۸۷، ص۱۸۸)

اس عبارت میں خط کشیدہ عبارت کو بغور دیکھیں جس کو مؤلف مذکور لذیذ حلوہ سمجھ کر ہڑپ کر گئے ہیں اس میں تصریح ہے کہ زید و عمرو، صبی و مجنون اور جمیع حیوانات و بہائم کے لیے علم غیب کا جو فرد ثابت کیا گیا ہے وہ کسی نہ کسی بات کا علم ہے اور مخلوق میں کون ایسا ہے جس کو کسی نہ کسی چیز کا علم نہ ہو ہُد ہُد ایک پرندہ تھا اور اس کو ملک سبا کی خبر معلوم تھی مگر حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم نہ تھی تو کیا اس کی وجہ سے ہُد ہُد پر عالم الغیب کے لفظ کا اطلاق درست ہے؟ اور جو علوم غیبیہ جزئیہ کمالات نبوت میں سے ہیں وہ کسی نہ کسی بات کا علم

نہیں بلکہ بے شمار باتوں کا علم ہے مگر بایں ہمہ ان پر عالم الغیب کا اطلاق درست نہیں ہے کیونکہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور تاویل سے بھی اس لفظ کا اطلاق غیر اللہ پر مکروہ ہے، چنانچہ خانصاحب بریلوی لکھتے ہیں علم غیب بالذات اللہ عزوجل کے لیے خاص ہے کفار اپنے معبودان باطل وغیرہم کے لیے مانتے تھے لہٰذا مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے سے امور غیب پر انہیں اطلاع ہے (الامن والعلیٰ ص۱۰ مطبوعہ کامیاب دار التبلیغ ۳۸ اردو بازار لاہور) جو بعض علوم غیبیہ ادلہ صحیحہ سے ثابت ہیں وہ واقعی کمالات نبوت میں سے ہیں اور ان کا ہم میں سے کوئی منکر نہیں ہے بفضلہ تعالیٰ ہم بھی ہی پکے موحد اور مخلص مومن ہیں کافر وہ ہے جو ثابت شدہ امور کے علم کا انکار کرے یا خلاف نصوص غیر ثابت امور کا بغیر کسی قطعی دلیل کے اثبات کرے خصوصاً ایسے امور کا جو شانِ نبوت کے قطعاً لائق نہیں اور آپؐ نے ان سے پناہ بھی مانگی ہے۔ اور ایسے ہی موقع پر حضرات فقہاء کرام سے تکفیر بھی موجود ہے کہ وہ مجلس نکاح میں آپؐ کو گواہ اور حاضر وناظر ماننے والے کو کافر کہتے ہیں کیونکہ یہ بات علم غیب کو مستلزم ہے بحمد اللہ جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ سمجھ کر کہا ہے اور ہم اسکے منکر نہیں بلکہ مقر ہیں کہ بچوں پاگلوں اور حیوانات وبہائم کے لیے جو بعض امور غیبیہ ثابت ہیں وہ کسی نہ کسی بات کا علم ہے اور حضرات انبیاء کرام اور خصوصاً خاتم الانبیاء والمرسلین علیہ وعلی جمیعہم الصلوات والتسلیمات کے لیے جو امور غیبیہ ثابت ہیں وہ بے شمار امور ہیں ان میں سے بعض کا تذکرہ ازالۃ الریب ص۳۷ سے ص۴۹ تک پھیلا ہوا ہے ان کا ذکر بھی ضروری تھا مگر صد افسوس کہ مؤلف مذکور نے قارئین کرام کو ان کی سیر ہی نہیں کرائی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ان کو علم نافع سے تعلق نہیں اسی طرح سیر وسیاحت کا ذوق وشوق بھی نہیں۔ ہم قارئین کرام سے اپیل کر سکتے ہیں کہ وہ خود اس گلستانِ علم اور چمنِ تحقیق کی سیر کریں صرف ص۳۸ کی عبارت پر گو وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے۔ اکتفاء نہ کریں علم غیب کا مفہوم ازالۃ الریب ص۵۱ سے ص۵۶ تک میں باحوالہ مذکور ہے کہ مخلوقات کائنات اور زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے خارج نہ ہو اور ان میں سے کسی ایک فرد اور جزئی کا علم بغیر کسی قطعی دلیل کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا بھی کفر وشرک ہے اور انباء الغیب اور اخبار غیب سے وہ امور غیبیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو عطا فرمائے ہیں ان کا انکار کرنا بھی الحاد و زندقہ ہے بفضلہٖ تعالیٰ ہماری کوئی بات غلط نہیں اور نہ ہماری کسی بات میں تعارض ہے۔ یہ مؤلف مذکور اور ان کے بڑوں کا خاصہ لازمہ ہے کہ وہ بچوں اور پاگلوں حیوانات و بہائم کے بعض امور غیبیہ کو ان امور غیبیہ میں جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان نبوت کے لائق ہیں، گڈمڈ کر کے اور دجل و تلبیس کر کے حق و باطل کا ملغوبہ بنا کر عوام کو ہم سے متنفر دلاتے ہیں اور یہ سب کچھ کر چکنے کے باوجود بھی وہ اپنے آپ کو معصوم ہی تصور کرتے ہیں ؎

آلودہ میرے خون سے داماں کیے ہوئے　　　یوں پھر رہے ہیں جیسے کوئی بات ہی نہیں

قرآن کریم میں تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ اور ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ کے صریح الفاظ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے وارد ہیں اور اَخْبَارُ الْغَيْبِ کا جملہ اَنْبَآءُ الْغَيْبِ کے مترادف ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور کو ان الفاظ سے خدا واسطے کا بیر اور قلبی عناد ہے جبھی تو وہ ان الفاظ سے چڑتے ہیں اور انباء الغیب اور علم الغیب کی واضح تشریح کو جو ازالۃ الریب کے کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے نظر انداز کر کے علم الغیب اور انباء الغیب دونوں کو گڈمڈ کر کے فتویٰ نویسی پر آتر آئے ہیں مگر اس سے کیا حاصل؟ اصل کتاب ازالۃ الریب کو پڑھنے اور سمجھنے والے اور اس کے علمی خزانوں سے دلوں کو منور کرنے والے بھی موجود ہیں ؎

اے چشم آرزو کی کھر باریاں تو دیکھ　　　لٹتے ہیں صبح و شام خزانے نئے نئے

ششم: مؤلف مذکور نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور راقم اثیم کی بعض اجمالی عبارتوں کو لے کر مداریوں اور شعبدہ بازوں کی طرح چکمے دے کر ہمیں بلا وجہ کافر و مشرک بنانے کی لاحاصل سعی کی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہماری کسی عبارت سے شرعی اور حقیقی طور پر ہماری تکفیر نہیں کی جا سکتی اور نہ یہ لازم آتی ہے ہاں خواہ مخواہ کی تکفیر رضاخانی فرقہ کا آبائی ورثہ ہے اور باب سوم کے روشن حوالوں سے اس پر خاصی بحث ہو چکی ہے کہ انگریز کا ہر مخالف اور تحریک آزادی ہند کا کوئی عالم پیر اور سیاسی لیڈر ایسا نہیں جو ان کے تکفیری گولے سے بچ سکا ہے ؎

گھائل تری نظر کا بنوعِ دگر ہر ایک　　　زخمی کچھ ایک بندۂ درگاہ ہی نہیں

ہفتم: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بعض علوم غیبیہ کا ماننا متفق علیہ اور مسلم امر ہے اور یہ آپ کے

معجزات میں سے ہے چنانچہ علامہ سعد الدین عمر تفتازانیؒ (المتوفی ۷۹۲ھ) اپنی کتاب مقاصد فی علم الکلام (مع الشرح) ج۲ ص۱۸۷ طبع مصر میں لکھتے ہیں کہ

واما النوع الثانی فمن الماضیۃ قصص الانبیاء وغیرھم ومن المستقبلۃ الواردۃ فی التنزیل الخ	بہرحال دوسری نوع تو گذشتہ حالات میں سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور غیرہم کے حالات کی خبر ہے اور آئندہ کے وہ واقعات ہیں جو قرآن کریم میں وارد ہیں الخ

اور اس کی شرح میں لکھتے ہیں

واما النوع الثانی من انواع المعجزات اخبارہ عن الغیوب الماضیۃ والمستقبلۃ (شرح المقاصد ج۲ ص۱۸۷ طبع مصر)	اور بہرحال معجزات کی اقسام میں سے دوسری قسم تو (وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا) غیوب ماضیہ اور مستقبلہ کی خبر دینا ہے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اخبار الغیب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات میں شامل ہیں ۔ ممکن ہے لفظ اخبار الغیب سے مؤلف مذکور کو کوفت ہو مگر حقیقت ثابتہ کا انکار بھی مشکل ہے رہا مؤلف مذکور کا یہ کہنا کہ اہل سنت اور معتزلہ کا اس بات میں اختلاف ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے اولیاء اللہ کو بھی علوم غیب سے کچھ حصہ ملتا ہے یا نہیں ؟ تو اہل سنت اس کے قائل اور معتزلہ منکر ہیں (محصلہ) یہ بات تفصیل طلب ہے وہ یوں کہ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور پیروی کی وجہ سے بطور کشف والہام وخواب وغیرہ حضرات اولیاء کرام کو بعض امور غیبیہ کا علم ہوتا ہے تو بجا ہے مگر کشف والہام ظنی ہوتے ہیں نہ کہ یقینی اور اگر یہ مراد ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے براہ راست اخبار و علوم غیبیہ حضرات اولیاء کرامؒ کو حاصل ہوتے ہیں تو اس کے لیے کوئی قطعی دلیل وبرہان درکار ہے جسکا اثبات کارے دارد ۔

اور پھر اگر امور غیبیہ سے کل امور مراد ہیں تو یہ باطل ہے کیونکہ نصوص قطعیہ احادیث صحیحہ صریحہ اور حضرات فقہاء کرامؒ کے صریح فتوے اس کے خلاف ہیں ۔

علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ

قد اشترط الغلاۃ من الروافض ان	غالی رافضیوں نے امام کے لیے یہ شرط لگائی ہے

يكون الامام صاحب معجزة عالماً بالغيوب وبجميع اللغات وبجميع الحرف والصناعات وبطبائع الاغذية والادوية وبعجائب البر والبحر والسماء والارض وهذه خرافات مفضية الى نفى الامام ورفض الشريعة والاحكام انتہی بلفظہ (شرح المقاصد ۲۸۱ ج ۲)	کہ وہ صاحب معجزہ ہو غیبوں کو جاننے والا ہو اور اسی طرح تمام لغات اور تمام صنعتوں اور غذاؤں اور دواؤں کے مزاجوں کو اور خشکی اور سمندر اور آسمان و زمین کے عجائبات کو جاننے والا ہو مگر ان کا یہ کہنا خرافات ہے جو امام کی نفی اور شریعت و احکام (خداوندی) کو ترک کرنے کا موجب ہے۔

اس سے بالکل عیاں ہوگیا کہ حضرات ائمہؒ (و اولیاء) کرامؒ کے لیے عمومی طور پر علوم غیبیہ کا اثبات غالی رافضیوں کی خرافات ہے اور اس سے شریعت اور احکام خداوندی کا ترک لازم آتا ہے جو قطعاً مردود ہے جو محبت و عقیدت صحیح معنیٰ میں اہل سنت والجماعت کو حضرات ائمہ کرامؒ سے ہے وہ روافض وغیرہم کے تصور میں بھی نہیں ہے ان کا تو صرف محبت کا دعوٰی ہی دعوٰی ہے۔

اے شمع یہ پروانے کو ہنس ہنس کے جلانا کیا ہو جو تجھے بھی کوئی پروانہ بنا دے

وہشتم مؤلف مذکور کا عبارات اکابر کے حوالہ سے یہ نقل کرنا کہ اولیاء کرامؒ بھی بعض مغیبات سے مطلع ہوتے ہیں گو مولوی سرفراز صاحب اس پر علم کا اطلاق نہیں کرتے مگر حقیقۃً جو مطلع علی الغیب ہوگا اس کے لیے علم غیب ماننا پڑے گا اھ (محصلہ) ان کی جہالت اور کم فہمی کا نتیجہ ہے ازالۃ الریب ۱۵۲ میں تفسیر مظہری کے حوالہ سے ہم نے لکھا ہے کہ جو علم حضرات اولیاء کرامؒ کو الہام وغیرہ سے حاصل ہوتا ہے وہ علم ظنی ہے قطعی نہیں۔ اور ازالۃ الریب ۴۰۹ میں روح المعانی اور مرقات وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو امور خمسہ میں سے بعض جزئیات کا علم عطا فرمایا ہے نہ کہ کلیات کا (محصلہ) اور غیر اللہ کے لیے ہم جس علم غیب کی نفی کرتے ہیں وہ قطعی اور کلی ہے مگر مؤلف مذکور تعصب میں مبتلا ہو کر قطعی اور ظنی کلی اور جزئی سب کو گڈ مڈ کر کے ہمارے کلام میں تعارض و تضاد ثابت کر کے اپنے عوام کالانعام سے داد تحسین حاصل کرنے کے درپے ہیں اور ان کی نظروں میں ہماری کم فہمی کا اظہار کر کے دل کی

بطرز اس نکالتے ہیں مگر تاکے انہیں کی جہالت بالآخر نمایاں ہوتی ہے اور ہو گی ؎

نہ خوش ہو دیکھ کر آوارہ پروانوں کی لاشوں کو　　　　کبھی اے شمع تیری لاش بھی محفل سے نکلے گی

منطق دانی پر ناز:۔ مؤلف مذکور نے اپنی کتاب میں جابجا منطق یونان سے بھی استمداد و استعانت کی ہے۔ مگر وہ منطق کے ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں صرف منطق دانی کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے اس مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ اخبار بالغیب اور اطلاع علی الغیب کو علم بالغیب لازم ہے اور اخبار بالغیب علم بالغیب کے بغیر ناممکن ہے اور لازم بھی غیر منفک ہے منفک نہیں ہے۔

الجواب:۔ معلوم نہیں کہ یہ منطق انہوں نے کس قابل اور لائق استاد سے پڑھی ہے کہ علم ظنی اور جزئی کے حصول سے علم قطعی اور کلی لازم ہو جاتا ہے اور جب تک علم قطعی اور کلی حاصل نہ ہو تو ظنی اور جزئی طور پر غیب کی خبر دینا بھی ناممکن ہے؟ اور پھر علم قطعی اور کلی اور ظنی اور جزئی آپس میں لازم غیر منفک ہیں؟ عجیب تماشا ہے، مگر کیا کیا جائے ؎

خونِ دل۔ خونِ تمنا خونِ شوق　　　　آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ محمد خاتم الانبیاء والمرسلین
وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وجمیع اتباعہ الیٰ یوم الدین (آمین)

احقر

ابوالزاہد محمد سرفراز خان صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ　　۲۵ رصفر ۱۴۰۶ھ
۹ رنومبر ۱۹۸۵ء

خزائن السنن جلد اول از کتاب الطھارۃ تا کتاب البیوع/جلد دوم۔ کتاب البیوع

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر دام مجدہم جو ترمذی شریف پڑھاتے رہے۔ ان تقاریر کا مجموعہ کتاب البیوع تک خزائن السنن جلد اول کافی عرصہ پہلے شائع ہو چکا ہے کتاب البیوع پر مشتمل ابحاث جو مولانا صفدر صاحب کے پوتے حافظ عبد القدوس قارن نے طلبہ کو پڑھانے کے دوران جمع کیں ان کو خزائن السنن جلد دوم کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔

—•••●●●•••—

بخاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں

ہر جگہ غیر مقلدین عوام الناس کو یہی باور کراتے ہیں کہ ہم بخاری شریف ہی کو اپنی دلیل بناتے ہیں۔ اس رسالہ میں تقریباً چار درجن مسائل کی نشاندہی باحوالہ کی گئی ہے جن مسائل میں غیر مقلدین حضرات بخاری شریف کو نہیں مانتے۔

—•••●●●•••—

مروجہ قضاء عمری بدعت ہے

علامہ عبد الحی لکھنوی کی کتاب ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان کا اردو ترجمہ ہے۔ جسمیں بتایا گیا ہے کہ رمضان المبارک کے آخر جمعہ میں جو قضاء عمری کے نام سے لوگ نوافل پڑھتے ہیں ان کا کوئی ثبوت شریعت میں نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔ اور اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ فقہ کی کس قسم کی کتابوں سے فتویٰ دیا جاسکتا ہے اور کس قسم کی کتابوں سے نہیں۔

جنت کے نظارے

یہ کتاب علامہ ابن القیمؒ کی کتاب حادی الارواح الی بلاد الافراح کا اردو ترجمہ ہے۔ جس میں جنت اور اسکی نعمتوں کا ذکر صحیح احادیث کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ اور جنت سے متعلق اس قدر معلومات دی گئی ہیں جو شاید ہی کسی اور کتاب میں مل سکیں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا عادلانہ دفاع

یہ کتاب علامہ کوثری مصریؒ کی کتاب تانیب الخطیب کا اردو ترجمہ ہے جسمیں ان اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں جو خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ میں امام ابو حنیفہؒ پر نقل کئے ہیں۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا ارشاد الحق صاحب اثری کا مجذوبانہ واویلا

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب دام مجدہم کی کتابوں پر تنقیدی انداز میں ایک کتاب جناب اثری صاحب نے لکھی جسکا نام انھوں نے مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینہ میں رکھا۔ اس کتاب میں اثری صاحب کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

تصویر بڑی صاف ہے سبھی جان گئے بجواب آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے۔

جناب اثری صاحب نے ہماری کتاب مجذوبانہ واویلا کا جواب لکھا۔ یہ کتاب ان کے جواب کا جواب ہے۔ انشاالله العزیز عنقریب منظر عام پر آرہی ہے

حمیدیہ ترجمہ و شرح اردو رشیدیہ

درس نظامی میں شامل فن مناظرہ کی کتاب رشیدیہ کا اردو ترجمہ وآسان مختصر تشریح ہے۔